وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

جلد اوّل

بیاناتِ سیرت

سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کا حسین مجموعہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی

مکتبۃ الفقیر

MAKTABA-TUL-FAQEER
223-SUNNT PURA FAISALABAD
PH: 0092-41-2618003

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

بیانات سیرت جلد اوّل

سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کا حسین مجموعہ

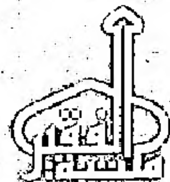
محمد صلی اللہ علیہ وسلم

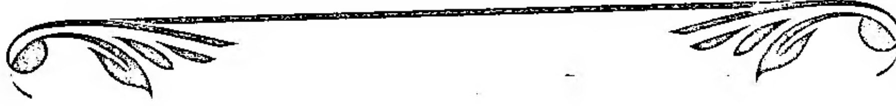
از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مجددی نقشبندی

مرتب

مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی





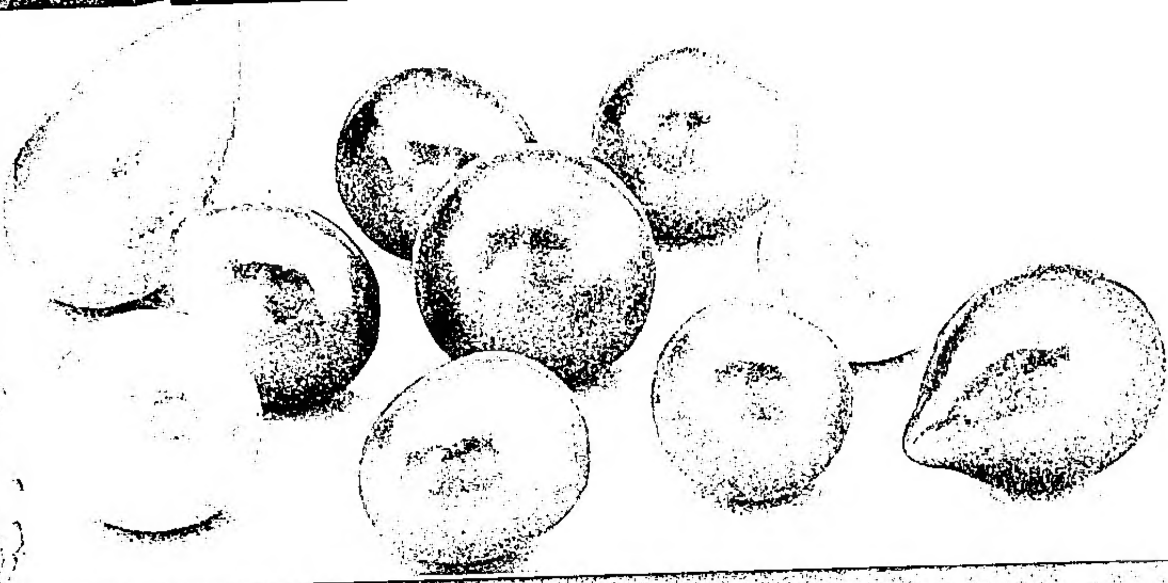
نام کتاب	بیانات سیرت 1
از افادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ
مرتب	مولانا محمد رضوان قریشی نقشبندی
کمپوزنگ	دارالتصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ
پروف ریڈنگ و تخریج	دارالتصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ
اشاعت اول	دسمبر 2013ء
اشاعت سوم	دسمبر 2015ء
تعداد	2200





مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
041-2649680 , 041-2618003 , 0310-1702690
0300-9652292,0322-8669680,0335-7873390
E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com





فہرست مضامین





حسن بے مثال — 55

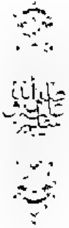




آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری — 103







نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزے 133



محبوبِ کُل جہاں صلی اللہ علیہ وسلم 171











عرضِ ناشر

حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے، کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پروازِ فکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں، بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے، جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر:

؎ میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحبِ دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں، عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا

بھی بدلتی ہے، خواتین کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طبقہ کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعلِ راہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد رضوان قریشی صاحب کو جنہوں نے حضرت جی دامت برکاتہم کے سیرت کے عنوان پر کیے گئے بیانات کو ''خطبات فقیر'' کی مختلف جلدوں سے یکجا کرنے کا کام سرانجام دیا۔ اور الحمد للہ! اب ہم اسے ''بیاناتِ سیرت'' کے عنوان سے آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ بیانات کا مجموعہ علماء و خطباء حضرات کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ!

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کے لیے یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ (آمین)

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی

مکتبۃ الفقیر



عرضِ مرتب

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(میں نے اپنے مقالے کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح نہیں کی ، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے میرے مقالے کی عظمت ہوگئی)

سیرت کا عنوان ایک ایسا عنوان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے بھی بہت پہلے شروع ہوا اور قیامت کی صبح تک جاری وساری رہے گا۔ چنانچہ اس عنوان پر مختلف علوم وفنون سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کام کیا۔ خطباء و مقررین نے تقریریں کیں، شعراء نے اشعار کے ذریعے اس عنوان میں سیرابی حاصل کی، سیرت نگاروں نے اس میں زندگیاں کھپادیں، اور آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ عنوان مزید سے مزید عروج پذیر ہے۔

یوں تو بہت سارے خطباء و مقررین اس عنوان پر تقریریں اور بیانات کرتے ہیں، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سچا عاشق اور قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والا جس عشق ومحبت اور جذب وشوق میں ڈوب کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

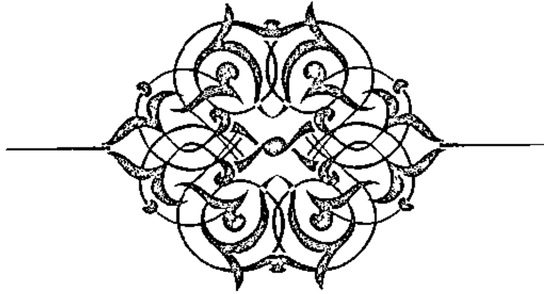
کی سیرت کو بیان کرتا ہے اور پھر سامعین پر اس کا جو اثر ہوتا ہے وہ عام روایتی خطباء کے بیانات میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشقین میں ایک شخصیت ہمارے حضرت محبوب العلماء والصلحاء مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کی بھی ہے۔ ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم العالیہ کا سیرت کے عنوان پر کیا گیا بیان جو آدمی بھی سنتا ہے اس کا دل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے لبریز ہوجاتا ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی ایک عجیب سی مستی اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔

چنانچہ اس سال جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو بعض دوستوں نے عاجز سے سوال کیا کہ حضرت جی دامت برکاتہم کے خطبات میں سیرت کے عنوان سے بیان کس جلد میں ملے گا؟ تو عاجز نے ان کی رہنمائی کی۔ اور اس کے علاوہ یہ بات بھی سننے میں آتی تھی کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت جی دامت برکاتہم کی سیرت کے عنوان پر کوئی کتاب ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت جی دامت برکاتہم کے سیرت کے عنوان سے جتنے بیانات ہیں ان کو یکجا کر دیا جائے۔ بس اس بات کا تذکرہ محترم المقام عاجز کے محسن و مشفق حاجی محمد صدیق صاحب مدظلہ سے کر دیا، انہوں نے عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی اور صاحبزادہ مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ اور صاحبزادہ مولانا سیف اللہ صاحب مدظلہ کے توسط سے حضرت جی دامت برکاتہم سے اجازت حاصل کرلی۔ اور اب یہ کتاب ''بیاناتِ سیرت'' کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قارئین کے لیے حضرت کے فیض کو حاصل کرنے کا ذریعہ



بنائے اور عاجز کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ان جملہ احباب کو جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی قسم کا بھی تعاون کیا، اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

فقیر محمد رضوان قریشی نقشبندی
خادم معہد الفقیر الاسلامی جھنگ





ولادت النبی ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

﴿اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی o﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

انعام سے پہلے آزمائش کا مرحلہ:

دوائیوں کی بوتلوں پر اکثر اوقات یہ بات لکھی ہوتی ہے:

Shake well before use

(استعمال سے پہلے اچھی طرح ہلائیں)

یہ بات اکثر ذہن میں آتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندے کو جب کوئی خاص نعمت دینا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے اس کو جھنجھوڑتے ہیں، اسے اچھی طرح آزماتے ہیں۔ پھر اس

کے بعد اسے اس خاص نعمت سے نوازتے ہیں۔ اس کی دلیل قرآن مجید میں ہے۔

اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نعمتوں سے نوازنا تھا تو اس سے پہلے ان کو بھی آزمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ (البقرة: ۱۲۴)

''اور یاد کرو اس وقت کو جب آزمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کچھ باتوں میں اور وہ اس میں سینٹ پرسینٹ (سوفیصد) کامیاب ہو گئے''

پھر کیا نتیجہ نکلا؟...... فرمایا:

﴿قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾

''فرمایا: (اے میرے پیارے ابراہیم!) میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں''

تو امامت ملنے سے پہلے آزمائے گئے۔...... اللہ نے اپنے مقبول بندوں کو آزمایا۔ اتنی آزمائشیں آئیں کہ قرآن مجید نے گواہی دی:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا﴾ (البقرة: ۲۱۴)

''ان پر اس قدر آزمائشیں آئیں، تنگی آئی، سختی آئی اور اس طرح ان کو جھنجھوڑا گیا''

﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ۲۱۴)

''حتی کہ رسول اور ان کے ساتھ جو ایمان لائے وہ پکار اٹھے: اللہ کی مدد کب آئے گی؟''

جب اس نکتے پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾

''جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ رب العزت کے چنے ہوئے بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان

کو بھی آزمایا اور قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾

''اور ان کو اچھی طرح جھنجھوڑا گیا''

اور بات بھی سچی ہے، کیونکہ ہم نے مٹی کا ایک برتن لینا ہوتا ہے تو اس کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے یا پکا۔ اگر ہم دو روپے کے برتن کو کچا پکا دیکھتے ہیں اور تین روپے کے تربوز کو ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے یا پکا، تو اللہ رب العزت نے بھی انسان کو اپنا بنانا ہوتا ہے، اس کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں کہ یہ کچا ہے یا پکا۔ چنانچہ آزمایا جاتا ہے اور جو اس میں کامیاب ہو جاتا ہے اس کو انعام ملتا ہے۔

تین عظیم شخصیات کی آزمائش:

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قریش کے قبیلہ میں پیدا فرمانا تھا تو آپ ﷺ کی تین قریبی شخصیات کو مشقتوں میں ڈالا گیا۔

(1) حضرت عبدالمطلب کی آزمائش:

ایک آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو۔ انہیں آپ ﷺ کا دادا ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ عبدالمطلب بہت خوبصورت تھے۔ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے کچھ بال پیدائشی طور پر سفید تھے، اسی نسبت سے ان کا نام ''شیبہ'' رکھا گیا۔ اللہ کی شان کہ کچھ عرصے کے بعد ان کے والد وفات پا گئے۔ ان کی والدہ کا نام سلمٰی تھا، وہ مدینہ منورہ آ گئیں۔ بچہ اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا، حتی کے ابتدائی جوانی کی عمر کو پہنچا۔

مکہ مکرمہ کا رہنے والا ایک حارثی شخص کسی کام کے لیے مدینہ گیا تو اس نے چند لڑکوں

کو تیر اندازی کا مقابلہ کرتے دیکھا۔ ان میں سے ایک نوجوان جو دیکھنے میں بھی خوبصورت تھا اور جس کی شخصیت میں جاذبیت بھی تھی، وہ جب بھی نشانہ لگاتا ٹھیک نشانہ پر تیر لگتا۔ پھر وہ خوشی سے اشعار پڑھتا: ''لوگو! میں مکہ کے رہنے والے قبیلہ قریش کا فرزند ہوں، میرے نشانے ٹھیک لگتے ہیں۔'' حارثی کو اس پر بڑا پیار آیا۔ چنانچہ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ مکہ میں پیدا ہوا تھا، کچھ عرصہ بعد اس کا والد فوت ہو گیا اور یہ اپنی والدہ کے ساتھ یہاں اپنے ننھیال آیا ہوا ہے۔ وہ ان کے سارے قبیلے والوں کو جانتا تھا۔

واپسی پر اس نے آ کر ان کے چچا (جن کا نام مطلب تھا) سے کہا کہ تم اتنے مہمان نواز ہو، اتنے سخی اور اتنے اچھے اخلاق والے ہو، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ تمہارا بھتیجا کتنی مشکل میں وقت گزار رہا ہے!؟ اسے اپنے پاس لاؤ اور اس کی اچھی تربیت کرو۔ اس شخص نے انہیں اتنا برانگیختہ کیا کہ اس نے قسم کھا لی کہ جب تک میں اپنے بھتیجے کو مکہ نہیں لاؤں گا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ چنانچہ مطلب مدینہ آئے، ان کی والدہ سے بات کی، خاندان والوں نے بھی ماں کو سمجھایا کہ بچہ بڑا ہو گیا ہے، اگر یہ تمہارے پاس رہے گا تو صحیح معنوں میں عزت کا مقام نہیں پا سکے گا اور اگر وہ اپنے ددھیال میں چلا جائے گا تو ان کا بڑا قبیلہ ہے اور وہ اشراف ہیں، اس لیے وہاں اس کا نمایاں مقام ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے شیبہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

اب یہ خوبصورت نوجوان پیچھے بیٹھا ہے اور اس کے چچا آگے بیٹھے ہیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور کسی بندے نے دیکھا تو وہ سمجھا کہ مطلب اپنے لیے غلام لائے ہیں، تو اس نے ان کو عبدالمطلب کہہ دیا۔ اس کے بعد یہ نام ایسا معروف ہوا کہ ان کو شیبہ کے بجائے عبدالمطلب کہا جانے لگا۔

اس نوجوان کو اللہ رب العزت نے یتیمی کے دن تو دکھائے، مشقتوں کے دن تو دکھائے، مگر ان کے بعد ان کو انعام ملنا تھا۔...... انعام کیا ملا؟...... ان کو خواب آیا کہ فلاں جگہ پر زم زم ہے، اگر وہاں سے زمین کو کھودو تو بند چشمہ نکل آئے گا۔ ان دنوں مکہ مکرمہ میں پانی نہیں تھا، لوگوں کے لیے وہاں رہنا مشکل تھا، نہ جینے کو پانی نہ پینے کو پانی۔ چنانچہ عبدالمطلب نے زمین کی کھودائی شروع کر دی۔ وہ اکیلے ہی زمین کھودتے رہے، بالآخر وہ دن بھی آیا جب انہوں نے زم زم کے چشمے کے دہانے پر بڑی چٹان کو توڑا اور نیچے سے پانی نکل آیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو بیت اللہ کا متولی بنا دیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت اللہ کا متولی بنانا تھا اس لیے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کو مشکل اور تنگی کے حالات دکھائے...... یہ تربیت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے۔

آج ہم لوگ اس بات کو سمجھ نہیں پاتے، اگر کسی پر ذرا سی مشقت کے دن آنے لگیں تو وہ سمجھتا ہے کہ بس میں اللہ سے دور ہو گیا ہوں اور اللہ مجھ سے ناراض ہے۔ اس کو یہ کتنی بڑی غلط فہمی لگ جاتی ہے کہ پیسہ ملنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشی سمجھتے ہیں اور پیسے کے کم ہونے کو اللہ کی ناراضگی سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یا اس کے راضی ہونے کا تعلق احکام شریعت کے ساتھ ہے۔ اگر زندگی شریعت کے مطابق ہوگی اللہ رب العزت راضی ہوں گے اور اگر زندگی شریعت کے خلاف ہوگی تو کروڑوں پتی نہیں، اربوں پتی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے۔ یہ کھلی ڈھلی بات ہے۔

(2) حضرت عبداللہ کی آزمائش:

عبدالمطلب نے منت مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے تو میں ان میں سے ایک کو اللہ کے نام پر قربان کروں گا۔ اللہ کی شان کہ دس بیٹے بھی مل گئے۔ اب انہوں نے سوچا

کہ میں اپنی قسم کو پورا کروں، لیکن بیٹوں میں سے کس کو ذبح کروں؟ اس کے لیے قرعہ ڈالا۔ قرعہ ان کے بیٹوں میں سے ایسے بیٹے کے نام آیا جو بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس کا نام عبداللہ تھا۔ لوگوں نے کہا: بھئی! بچے کو ذبح نہ کرو، بلکہ بچے اور اونٹوں کے درمیان تم قرعہ ڈال لو، چنانچہ انہوں نے بچے کے نام اور دس اونٹوں کے نام قرعہ ڈالا، مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا...... پھر دس اونٹ اور بڑھا دیے، بیس اونٹ اور عبداللہ...... قرعہ عبداللہ کے نام...... پھر تیس اونٹ اور عبداللہ...... قرعہ عبداللہ کے نام...... اونٹ بڑھتے گئے، بڑھتے گئے، حتیٰ کہ جب سو اونٹوں کی تعداد رکھی گئی تو اب قرعہ اونٹوں کے نام آ نکلا۔

چنانچہ عبدالمطلب نے عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کو قربان کیا، اس لیے عبداللہ کو "ذبیح اللہ" بھی کہا جاتا تھا کہ ان کو ان کے والد نے اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی۔ (الخصائص الکبریٰ: ۱/۷۷)

ایک مرتبہ ایک بدو آیا۔ اس نے نبی ﷺ سے کہا: یَا ابْنَ الذَّبِیْحَیْنِ!...... تو نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ہاں! میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور وہ ذبیح اللہ تھے اور میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور عبداللہ بھی ذبیح اللہ تھے۔

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۴۱۱۴۰)

حضرت عبداللہ جب جوان ہوئے تو ان کی جوانی اور خوبصورتی کو دیکھ کر لوگوں کو رشک آتا تھا۔ یہود بے بہبود نے اپنی کتابوں میں نشانیاں پائی تھیں۔ چنانچہ ان کو پتہ تھا جو شخص نبی آخرالزماں کا والد بنے گا، اس کی پیشانی پر نور چمکے گا۔ چنانچہ ان یہودیوں کی عورتیں بھی ایسے نوجوان کو تلاش کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ مکہ سے مدینہ جانے لگے۔ تو راستے میں ایک فاطمہ نامی عورت نے حضرت عبداللہ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا۔ فرمایا: میں تو اس طرح نکاح

نہیں کرسکتا، اس نے کہا: اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ویسے ہی میرے ساتھ ملاقات کرلو۔
حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو انسان کے لیے ذلت اور رسوائی کا سبب بنے ......اور واقعی جن پشتوں میں نبوت کا نور آگے منتقل ہوتا ہے وہ کبھی زنا جیسے جرم کا ارتکاب نہیں کیا کرتیں...... چنانچہ حضرت عبداللہ مدینہ پہنچ گئے۔

مدینہ میں بنوزہرہ کے نام سے ایک قبیلہ تھا، ان کی ایک جوان العمر لڑکی تھی جس کا نام آمنہ تھا۔ وہ بہت اچھے اخلاق والی، بہت ہی نیک تربیت والی اور نیک فطرت والی بچی تھی۔ شکل بھی تھی، عقل بھی تھی، نیک بھی تھی، اور ہر نعمت اس کے پاس تھی۔ چنانچہ اسے حضرت عبداللہ کے لیے پسند کیا گیا اور پھر اس کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔

نکاح کے بعد جب حضرت عبداللہ واپس آئے تو یہی فاطمہ نامی عورت پھر حضرت عبداللہ کو دیکھ کر کہنے لگی: اب آپ کے چہرے پر وہ نور نظر نہیں آرہا جو مجھے پہلے نظر آتا تھا۔ حقیقت میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد سے اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہو چکے تھے ......اب دیکھیے! کہ عبدالمطلب پر بھی امتحان آیا، پھر حضرت عبداللہ پر بھی امتحان آیا۔ اب تیسری شخصیت بی بی آمنہ کی تھی جس نے والدہ بننا تھا، ان پر بھی امتحان آیا۔

بی بی آمنہ کی آزمائش:

شادی کے چند مہینوں کے بعد مکہ مکرمہ کا ایک قافلہ تجارت کے لیے بلادِ شام کی طرف گیا، حضرت عبداللہ بھی اس قافلے کے ساتھ گئے۔ اب شادی کے ابتدائی دنوں میں میاں بیوی میں جدائی دل کو بڑا اداس کرتی ہے۔ تو بی بی آمنہ بھی بہت اداس ہوئیں۔ حضرت عبداللہ نے وعدہ کیا کہ اداس نہ ہو، میں جلدی آجاؤں گا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جب قافلے کے آنے کی گھنٹی بجے تو اس وقت تم دروازے پر آنا، میرا استقبال کرنا، میں

بھی تمہیں محبت سے ملوں گا۔ یہ وعدہ کر کے حضرت عبداللہ چلے گئے۔

کچھ وقت بلادِ شام میں تجارت کے لیے گزارا، جب وہاں سے واپس تشریف لانے لگے تو مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ کو بخار ہو گیا۔ اور ایسے بیمار ہوئے کہ ان کے لیے سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ مدینہ میں سسرال کے ہاں قیام کر لیا۔

جب وہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا اور گھنٹی بجی تو بی بی آمنہ بہت خوش ہوئیں کہ میرے شوہر آ گئے۔ چنانچہ دروازے پر آئیں، قافلے کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، مگر حضرت عبداللہ نہ آئے۔ بی بی آمنہ اور زیادہ پریشان ہوئیں، پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں اور مدینہ طیبہ میں ہیں۔ لہٰذا ان کے قریبی رشتہ دار مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ کی شان کہ رشتہ دار ابھی مدینہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ حضرت عبداللہ اٹھارہ سال کی جوانی کی عمر میں اللہ کے پاس چلے گئے۔ بی بی آمنہ کی عمر تو اٹھارہ سال سے بھی کم ہو گی، اتنی چھوٹی عمر میں بی بی آمنہ بیوہ ہو گئیں۔ اب سوچیے کہ بی بی آمنہ پر کیا بیتی ہو گی!

احوالِ عجیبہ کا ظہور:

بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھے بہت دیر کے بعد پتہ چلا کہ میں حاملہ ہوں، مگر یہ حمل عجیب تھا کہ بچے ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں تو اسے تکلیف محسوس ہوتی ہے، جبکہ مجھے تکلیف ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ البتہ مجھے حالات کچھ بدلے بدلے نظر آتے تھے..... وہ کیسے؟

..... جب میں کہیں جانے لگتی تو میں دیکھتی کہ ایک جھونکا آتا ہے اور درخت میرے آگے جھک جاتے۔ اس طرح میں اپنے سامنے درختوں کو جھکتا دیکھتی تھی۔

..... جب میں پانی بھرنے کے لیے زم زم کے چشمے پر پہنچتی تو دیکھتی کہ زم زم کا پانی اوپر کنارے کے بالکل قریب ہوتا تھا اور جب میں پانی بھر کر واپس آنے لگتی تو پانی

نیچے چلا جاتا۔ مکہ کی عورتیں مجھے وہاں پکڑ کر کھڑا کر دیتیں اور کہتیں: ''آمنہ! تم نے نہیں جانا، تم کھڑی رہو، تمہاری وجہ سے ہمیں زم زم آسانی سے ملتا ہے''۔

..... میں یہ بھی دیکھتی کہ اگر مجھے دھوپ میں کوئی کام کرنا ہوتا تو بادل کا ٹکڑا آ کر میرے اوپر سایہ کر دیتا تھا یہ درختوں کا جھک جانا، پانی کا قریب آ جانا اور بادل کا سایہ کرنا ایسی باتیں تھی جو مجھے انوکھی انوکھی لگتی تھیں۔ اسی دوران بی بی آمنہ نے خواب دیکھا، اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ تم ایک بہت بڑی مقدس ہستی کی والدہ بننے والی ہو۔

یہودیوں کا اضطراب:

بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ جب ولادت کا دن قریب آیا تو ایک سرخ ستارہ آسمان پر چمکنے لگا۔ توراۃ کے اندر یہ نشانی تھی کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ پیدا ہونگے تو آسمان پر سرخ ستارہ چمکے گا۔ چنانچہ یہود ہمیشہ اس کو دیکھنے کی فکر میں رہتے تھے۔ جب وہ ستارہ چمکا تو یہود میں غلغلہ مچ گیا اور ان کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ وہ انتہائی پریشان ہوئے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تو پیدا ہونے والے ہیں۔ چنانچہ وہ یہود کی عورتوں میں سے معلوم کرتے کہ کونسی ایسی عورت ہے جو حاملہ ہے اور اس کے وضع حمل کی مدت قریب ہے، مگر انہیں کوئی ایسی عورت نظر نہ آئی۔

بالآخر ایک یہودی مکہ مکرمہ آیا، جب اس نے قریش کے خاندان سے پتہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ بی بی آمنہ کے ہاں ولادت کا وقت قریب ہے، چنانچہ اس نے شور مچایا: ''لوگو! مجھے لگتا ہے کہ نبوت بنو اسحاق سے تبدیل ہو کر بنو اسماعیل میں آ گئی ہے۔ ہم سے یہ نعمت چلی گئی ہے۔''

خصائصِ ولادت:

اللہ کی شان کہ جس رات نبی ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی، بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں جلانے کے لیے چراغ کے اندر تیل بھی نہیں تھا، لیکن جب نبی ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو کچھ عجیب سے واقعات رونما ہوئے۔ مثال کے طور پر:

...... جب نبی اکرم ﷺ کو ولادت کے بعد میں لٹانے لگی تو آپ ﷺ نے اس وقت اللہ رب العزت کے حضور سجدہ کیا۔ ایسے ہو گئے جیسے سجدہ کر رہے ہیں۔

...... آسمان کے ستارے جھک گئے جیسے قریب آ رہے ہیں۔

...... کسریٰ بادشاہ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔

...... فارس کے اندر آتش پرستوں کی ایک آگ تھی جو ڈیڑھ ہزار سال سے جل رہی تھی، کبھی بجھی نہیں تھی وہ اچانک بجھ گئی۔

کسریٰ کا خواب اور اس کی تعبیر:

اس دوران کسریٰ نے خواب دیکھا کہ عربی اونٹ ہیں اور ان کے آگے کچھ گھوڑے ہیں اور وہ عربی اونٹ ان گھوڑوں کو دھکیل کر دریا سے پار بھگا رہے ہیں۔ اس نے تعبیر کرنے والے کو بلایا۔ تعبیر کرنے والے نے بتایا کہ مجھے لگتا ہے کہ عرب میں کوئی ایسی شخصیت پیدا ہوگی کہ جس کی وجہ سے عرب کے لوگ باقی لوگوں کو جزیرۂ عرب سے باہر نکال دیں گے۔

چودہ بادشاہتوں کے خاتمے کا اشارہ:

اس نے کہا: میرے محل کے چودہ کنگرے گرے ہیں، اس نے تعبیر دی: جناب!

آپ سے لیکر چودہ بادشاہتیں آپ کے خاندان میں رہیں گی اور اس کے بعد یہ بادشاہت ان کے پاس چلی جائے گی۔ کسریٰ مطمئن ہوگیا کہ چودہ بادشاہتیں تو ختم ہونے میں بڑا وقت لگے گا، مگر اس کے بعد تھوڑے عرصے میں جو بھی بادشاہ بنتا رہا وہ مرتا رہا۔ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ چودہ بادشاہتیں مکمل ہوگئیں۔ اور اللہ نے کسریٰ کا وہ تخت و تاج مسلمانوں کو عطا فرما دیا۔ (الخصائص الکبری: ۱/۸۹)

ستارے جھکنے میں اسرار:

ستارے جھکے...... اس میں کیا حکمت تھی؟...... بتانا یہ مقصود تھا کہ

- ......لوگو! یہ وہ شخصیت ہے جس کے سامنے آسمان کی مخلوق بھی جھک رہی ہے۔ دنیا والو! تم بھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو گے تب فلاح پاؤ گے۔
- ......وقت کے بادشاہوں کو پیغام تھا کہ دیکھو! آسمان پر چمکنے والے ستارے بھی اگر جھک گئے ہیں تو تم زمین پر چمکنے والے لوگ ہو تمہیں بھی ان کے سامنے گردنوں کو جھکانا پڑے گا۔
- ......اور ایک نکتہ اس میں یہ تھا کہ یہ پیدا ہونے والی ایسی ہستی ہے کہ ان کی صحبت میں جو آئے گا، ان کے قدموں میں جو آئے گا، ان کی تعلیمات کو جو اپنائے گا، جس طرح آسمان کے ستارے ہیں اسی طرح ان کی صحبت میں آنے والے زمین کے ستارے بن جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ))

''میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے'' (جامع الاصول، حدیث: ۶۳۶۹)

ایک صاحبِ دل کا عاشقانہ کلام:

نبی ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے بارے میں کسی صاحبِ دل بندے نے کیا ہی اچھی بات کہی! فرماتے ہیں:

خلیل اللہ نے جس کے لیے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے ہونے ذبح جس کی التجائیں کیں
جو بن کے روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نئے رنگ میں پایا
کلیم اللہ کا دین روشن ہوا جس ضو فشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جوابِ لن ترانی سے

نبی علیہ السلام کے یتیم پیدا ہونے سے یہ بتانا مقصود تھا کہ دیکھو! ظاہراً یہ ہستی بے سہارا ہے، مگر جس کا کوئی اور سہارا نہیں ہوتا، اس کا سہارا اللہ ہوتا ہے۔

والد کو ''ابا'' بھی کہتے ہیں، عربی میں ''ابو'' بھی کہتے ہیں ...... وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ...... ابو کو مخفف کر کے ''اب'' بھی کہہ دیتے ہیں۔ تو اب ذرا غور کیجیے! اللہ تعالیٰ نے یتیم پیدا کر کے یہ پیغام دیا کہ لوگو! جس کا دنیا میں ''اب'' نہیں ہوتا اس کا ''رب'' ہوتا ہے اور جس کا رب ہوتا ہے اس کا سب ہوتا ہے۔

؎ اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سائبانِ عالم

یتیم ایسے ہی درِ یتیم بنتے ہیں...... اللہ اکبر!

؎ وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیماں نے گدائی کی

دلِ یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے
وہ دن آیا کہ پورے ہوگئے تورات کے وعدے
مبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے

یتیم درِ یتیم بن گئے:

اللہ کی شان دیکھیے کہ آپ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے تین ماہ پہلے آپ ﷺ کے والد ماجد کی وفات ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ یتیم پیدا ہوئے..... یتیم اسے کہتے ہیں جس کے والد کی وفات اس کے بالغ ہونے سے پہلے ہو جائے، بلوغ کی عمر کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا۔ چاہے ولادت سے پہلے فوت ہو جائیں چاہے بلوغ سے پہلے فوت ہو جائیں..... تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں تشریف لائے اس وقت والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔

ولادت کے بعد آپ ﷺ کے دادا آپ ﷺ کو بیت اللہ کی طرف لے کر گئے، مگر دادا کو معلوم نہیں تھا کہ یہ وہ شخصیت ہے جس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی۔

؎ قدم قدم پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا

جب ساتواں دن آیا تو......:

جس نے بھی بچے کو دیکھا، اس نے اسے بہت پیار کیا اور تعریف کی، چنانچہ جب ساتویں دن نام رکھنے کا وقت آیا تو عبد المطلب نے کہا کہ میرے اس بیٹے کی ہر بندے

نے تعریف کی ہے، لہٰذا میں اس کا نام "محمد" رکھوں گا..... محمد کا مطلب ہے وہ ذات جس کی کائنات میں سب سے زیادہ تعریفیں کی گئی ہوں..... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام محمد بھی تھے اور احمد بھی تھے..... احمد کا مطلب ہے وہ ذات جو اللہ کی اتنی تعریفیں کرے کہ اللہ کی اتنی تعریف کسی اور نے نہ کی ہو..... یہ دونوں نام اس سے پہلے کبھی نہیں رکھے گئے تھے۔ سبحان اللہ! اتنا خوبصورت نام رکھا گیا!

بچے کو گود میں لینے کے لیے عورتوں کی آمد:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ ہوئی، اس وقت طائف کے قریب ایک گاؤں میں بنو سعد قبیلہ رہتا تھا، اس قبیلے کی دس عورتیں مکہ مکرمہ کی طرف چلیں، تاکہ وہ اپنی اپنی گود میں بچہ لیکر آئیں، بچے کو پالیں گی اور اس کے والد سے انعام کی مستحق بنیں گی۔ ان دس عورتوں میں سے ایک عورت کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ ان کے پاس ایک اونٹنی تھی اور ایک گدھی تھی، گدھی کے اوپر سامانِ سفر تھا اور اونٹنی کے اوپر حلیمہ اور اس کے خاوند تھے۔ حلیمہ کے پاس دودھ پینے والا ایک اور بچہ بھی تھا۔ ان کی اونٹنی بہت ہی لاغر اور کمزور تھی، جب دس عورتیں چلیں تو نو عورتیں آگے نکل گئیں اور حلیمہ پیچھے رہ گئیں۔ دو تین مرتبہ تو ان عورتوں نے رک کر حلیمہ کے آنے کا انتظار کیا، بعد میں انہوں نے کہا: تمہاری وجہ سے تو سفر میں بہت دیر ہو رہی ہے۔ ہمارا تو سارا سفر کھوٹا ہوگا۔ اس لیے ہم تو چلتی ہیں، چنانچہ نو عورتیں آگے چلیں اور حلیمہ سعدیہ سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔

ان میں سے ہر عورت چاہتی تھی کہ میں امیر باپ کے بیٹے کو اپنی گود میں لوں، تاکہ مجھے میری محنت کا زیادہ پھل ملے۔ چنانچہ سب عورتوں نے امیر لوگوں کے بیٹوں کو گود میں لے لیا۔ عورتیں آتیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد کے بارے میں پوچھتیں کہ اس کے والد

کہاں ہیں؟ جب پتہ چلتا کہ وہ تو فوت ہو چکے ہیں اور یہ بچہ یتیم ہے تو وہ سوچتیں کہ پھر ہمیں تو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ واپس چلی جاتیں۔ جب آنے والی عورت واپس چلی جاتی تو وہ بی بی آمنہ کے دل پر ایک زخم لگا جاتی، بی بی آمنہ کا غم بڑھ جاتا، انہیں حضرت عبداللہ کی یاد آجاتی۔ اداس اور غمگین تو پہلے ہی تھیں اور اداس بندے کو ایک لفظ ہی سننا پڑے تو وہ پھوٹ پڑتا ہے۔ تو ان عورتوں کا آنا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر ویسے ہی چلے جانا بی بی آمنہ کے دل پر ایک بھاری ضرب لگاتا۔ وہ سوچتی ہوں گی: کاش! آج عبداللہ ہوتے وہ اس کے لیے اچھا لباس لاتے، کھلونے لاتے اور اس کو سیر پر لے کر جاتے۔

بی بی آمنہ اپنے غم میں یہ باتیں سوچ رہی تھیں اور ان کو کیا پتہ تھا کہ یہ وہ ہستی ہے کہ......

- ......جن کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان کے چاند کو کھلونا بنا دیں گے۔
- ......جن کو سیر کروانے کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں عرش پر بلا لیں گے۔
- ......جن کو اللہ رب العزت دنیا کے اندر بھی شاہی عطا فرما دیں گے۔

پرورش کے لیے حلیمہ کے انتخاب میں راز:

جب حلیمہ مکہ مکرمہ میں آئیں تو انہیں اور تو کوئی بچہ نہ ملا۔ پتہ چلا کہ صرف ایک بچہ ہے جو باقی رہ گیا ہے......واہ میرے مولا! جس نے ایک کی عبادت کرنی تھی وہ ایک ہی رہ گیا۔ جس نے ایک قرآن کی طرف بلانا تھا وہ ایک ہی رہ گیا۔ جس نے ایک شریعت کی طرف بلانا تھا، وہ ایک اللہ کو ماننے والا، ایک ہی رہ گیا......اب بی بی حلیمہ کے پاس کوئی آپشن ہی نہ تھا۔

اس کے دل میں یہ بات آئی کہ میں دیکھوں تو سہی کہ یہ بچہ کیسا ہے؟ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سوئے ہوئے تھے اور اوپر چادر اوڑھائی گئی تھی۔ بی بی حلیمہ نے

جیسے ہی چادر اتاری تو بچے نے آنکھیں کھول لیں۔ اور وہ اس کو دیکھ کر مسکرایا...... اس کی مسکراہٹ میں ایسی جاذبیت تھی، ایسی کشش تھی، ایسا انجذاب تھا کہ بی بی حلیمہ اپنا دل ہی دے بیٹھی...... چنانچہ وہ اپنے خاوند سے پوچھنے لگی: اگر چہ ہمیں اس بچے کا انعام زیادہ تو نہیں ملے گا کیوں کہ یہ یتیم ہے، مگر اس بچے کی مسکراہٹیں میرے دل کو تو تسلی دے دیا کریں گی۔ ان کے خاوند نے ان کو یہ مشورہ دیا: ہاں! بے شک تم اس بچے کو لے لو، پھر یہ بھی کہا:

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ لَنَا فِيْهِ بَرَكَةً (سیرۃ حلبیۃ: ۱/۱۴۶، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۶۲)

''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرمائے''

یہاں علما نے ایک نکتہ لکھا۔ دس عورتوں میں سے نو آئیں ان کی نظر اسباب پر تھی، ان کی نظر لوگوں پر تھی کہ ان کے والدین ہمیں انعام دیں گے۔ ایک حلیمہ ہی ایسی تھی جس کے خاوند کی نظر اللہ کی بھیجی ہوئی برکت پر تھی، کیونکہ اس نے کہا:

((عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ لَنَا فِيْهِ بَرَكَةً))

''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرمائے''

انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلیمہ کا انتخاب اس لیے کیا کہ

(1) ایک تو وہ حلم والی تھیں، ان کی طبیعت میں حلم تھا۔ کئی دفعہ ماں کی طبیعت میں حلم نہیں ہوتا تو وہ بچے کی ذرا سی بات پر غصے میں آکر تھپڑ لگا دیتی ہے۔ وہ بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگ جاتی ہے اور یہ تو اللہ کے محبوب ﷺ کی پرورش ہونی تھی۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے ایسی عورت کو پسند کیا جس کا ظرف بڑا تھا، جس کا حوصلہ بڑا تھا۔ جلدی غصے میں نہیں آتی تھیں، وہ حلم والی تھی جس کی وجہ سے اس کا نام ہی حلیمہ پڑ چکا تھا۔

② اور دوسری بات یہ کہ اس کی نظر مخلوق پر نہیں تھی، بلکہ اس کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر تھی۔

''لوگو! اس میں ہمارے لیے ایک بڑا سبق ہے۔ جو مخلوق کی جیب پر نظر رکھتا ہے وہ عام بچوں کو لے کر گھر آتا ہے اور جو اللہ رب العزت کی ذات پر نظر رکھتا ہے وہ حسنِ بے مثال کو لے کر اپنے گھر واپس آتا ہے۔''

رب نے بنایا جب اس کو خود آپ کہا: سبحان اللہ!:

حلیمہ سعدیہ نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ حلیمہ اتنی خوش ہوئی کہ میں نے تو اتنا خوبصورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بار بار اس کی تعریف کرنے لگتیں کہ میں نے تو اتنا خوبصورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ بی بی آمنہ نے جواب دیا: حلیمہ! تم گاؤں کی رہنے والی ہو، تم نے کیا بچے دیکھے ہوں گے، میں مدینہ میں بھی رہی اور مکہ میں بھی رہی، میں شہروں کی رہنے والی ہوں، میں نے ایسا خوبصورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب پاس کھڑے تھے وہ کہنے لگے: تم شہروں کی بات کرتی ہو میں ملکوں میں ہو کے آیا ہوں، بلادِ شام کا سفر کر کے آیا ہوں، میں نے ملکوں میں ایسا بچہ نہیں دیکھا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے گاؤں میں ایسا بچہ نہیں دیکھا۔ بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شہروں میں ایسا بچہ نہیں دیکھا۔ عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں نے ملکوں میں ایسا بچہ نہ دیکھا۔ اور اگر میں چشمِ تخیل سے دیکھوں کہ اگر جبرائیل امین پاس ہوتے تو جواب میں کہتے: حلیمہ! تم نے گاؤں میں ایسا بچہ نہیں دیکھا...... بی بی آمنہ! تم نے شہروں میں نہ دیکھا...... عبدالمطلب! تم نے ملکوں میں نہ دیکھا، اور میں نے پوری کائنات میں کہیں کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھا۔

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آزری
ہر چند آفاق ہا بسیار خوباں دیدہ ام

اگر جبرائیل علیہ السلام یہ کہتے ،تو میرا تصور بھی یوں کہتا ہے: حلیمہ !تو نے کہا: میں نے گاؤں میں نہ دیکھا، بی بی آمنہ نے فرمایا: میں نے شہروں میں نہ دیکھا،عبد المطلب نے فرمایا: میں نے ملکوں میں نہ دیکھا اور جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: میں نے پوری کائنات میں نہ دیکھا تو اللہ رب العزت اس وقت یوں فرماتے ہیں: میں خود مخلوق کو پیدا کرنے والا ہوں، میں نے پوری مخلوق میں کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھا۔

واللیل سیاہی زلفوں کی چہرہ والضحیٰ اس کا
سارے جہاں کا پیارا ہے آپ محب ہے خدا اس کا
رب نے بنایا جب اس کو خود آپ کہا سبحان اللہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے حبیب!

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

آپ آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور محبوب! ہم آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے تھے۔

ماں کی دعاؤں کے ثمرات:

جب بچہ ماں سے رخصت ہونے لگتا ہے تو وہ اسے دعائیں دیتی ہے، ماں کے دل پر بچے کی جدائی کی خاص کیفیت ہوتی ہے۔ چنانچہ بی بی آمنہ کے دل سے دعائیں نکلیں۔ یہ ماں کی دعائیں بڑی نعمت ہوتی ہیں۔ آیئے! تاریخ پر نظر ڈالیے۔ پہلے بھی ایسا ہوا کہ ماؤں نے اپنے بچوں کو دعاؤں سے رخصت کیا...... نتیجہ کیا نکلا؟...... ذرا قرآن سے پوچھیے!

بی بی ہاجرہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بچے کو تیار کر دو، کسی بڑے سے ملنا ہے۔ بی بی ہاجرہ بچے کو نہلاتی ہیں کپڑے پہناتی ہیں اور اپنے خاوند کے ساتھ ان کو روانہ کرتی ہیں، ماں دعاؤں سے روانہ کر رہی ہے۔ جب بچہ چلا تو اسمٰعیل تھا۔ اور جب لوٹ کر واپس آیا تو ذبیح اللہ بن چکا تھا، یہ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں۔

.....سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے بچے کو ایک چھوٹے سے بکسے میں ڈال کر پانی میں بہا دیتی ہیں۔ ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ ماں کتنی دعائیں دے رہی ہوگی!! لیکن ماں نہیں جانتی یہ میرا بیٹا آج مجھ سے رخصت ہو رہا ہے تو یہ موسیٰ ہے اور جب لوٹ کر آئے گا تو اللہ وہ مقام دے گا کہ یہ کلیم اللہ بن چکا ہوگا۔

.....عبدالمطلب جب اپنی ماں سلمیٰ کے پاس رہتے تھے تو اس وقت ان کا نام شیبہ تھا، جب ان کے چچا لینے گئے تو سلمیٰ نے رو کر اور دعائیں دے کر اپنے بیٹے کو رخصت کیا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ جب بیٹا ماں کے پاس سے چلا تو شیبہ تھا اور جب مکہ مکرمہ پہنچا تو اللہ نے وہ مقام دیا کہ یہ والی بیت اللہ بن گیا۔

اب ذرا غور کیجیے کہ ایک بچہ ماں کے پاس سے چلتا ہے تو اسمٰعیل ہوتا ہے اور واپس آتا ہے تو ذبیح اللہ بن چکا ہوتا ہے۔ ایک بچہ ماں کی دعاؤں سے چلتا ہے تو موسیٰ ہوتا ہے، واپس آتا ہے تو کلیم اللہ کا رتبہ مل چکا ہوتا ہے۔ ایک بچہ چلتا ہے تو شیبہ نام ہوتا ہے اور جب مکہ پہنچتا ہے تو والی بیت اللہ بن جاتا ہے۔ آج بی بی آمنہ اپنے بچے کو دعاؤں سے رخصت کر رہی ہے۔ نہیں جانتی تھیں کہ آج یہ بیٹا محمد ہے، جب لوٹ کے آئے گا تو اللہ وہ مقام دیں گے کہ محمد رسول اللہ بن جائے گا۔

عزیز طلبا! ماں کی دعاؤں سے اپنے آپ کو محروم نہ کیا کرو۔ کچھ نوجوان ضد کرتے ہیں۔ بے جا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ماں کا دل دکھاتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعام سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ماں کی دعائیں لے کر چلو پھر دیکھو کہ اللہ رب العزت کی کیا رحمتیں ملتی ہیں۔ کیا برکتیں ملتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقامِ صدارت:

بہر حال بی بی آمنہ نے اپنے فرزند ارجمند کو رخصت کیا اور حلیمہ ان کو لے کر واپس ہونے لگیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ جب اونٹنی پر سوار ہونے لگے تو حلیمہ کے خاوند نے ان کو پہلے بٹھا دیا اور بعد میں پھر آگے خود سوار ہوا کہ میں اونٹنی کو چلاؤں جب وہ خود سوار ہوا تو اونٹنی نہ چلی۔ حیران ہو کر نیچے اترا جیسے ہی وہ نیچے اترا اونٹنی چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر آگے بیٹھا تو اونٹنی پھر نہیں چلتی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اصل مسئلہ کیا ہے، اس نے کہا کہ حلیمہ! تم آگے بیٹھو میں پیچھے بیٹھتا ہوں۔ حلیمہ اس پیارے بچے کو سینے سے لگا کر آگے بیٹھ گئی اور اس کا خاوند پیچھے بیٹھا۔ سواری اس وقت چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ سواری نے سمجھا دیا:

''اے حلیمہ کے خاوند! یہ وہ مقدس ہستی ہے کہ اگر تم اسے اپنی پشت کی طرف بٹھاؤ گے تو میں کبھی تمہیں لے کر نہیں جاؤں گی، میرے قدم پہ چلنا حرام ہے۔ اگر چلانا چاہتے ہو تو یہ کائنات کا صدر نشیں ہے اس کو آگے صدر مقام پر بٹھاؤ۔''

چنانچہ اونٹنی نے بھاگنا شروع کر دیا، اللہ کی شان کہ اونٹنی ایسی تیز رفتاری کے ساتھ بھاگی کہ حلیمہ ان عورتوں سے جا ملیں جو بہت پہلے سے اپنا سفر شروع کر چکی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حلیمہ کی سواری تو قدم آگے بڑھا رہی ہے۔ حیران ہو کر پوچھتی ہیں: حلیمہ! تم نے سواری بدل لی ہے؟...... حلیمہ نے جواب دیا:

''میں نے سواری تو نہیں بدلی، البتہ سواری کا سوار بدل گیا ہے۔''

دن بدل گئے:

حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے سینے میں دودھ محسوس کیا، جبکہ کھانے پینے کی کوئی چیز بھی نہیں تھی ۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میرے خاوند نے جو کہا تھا: عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ لَنَا فِيْهِ بَرَكَةً... مجھے وہ برکت نظر آنے لگی ۔فرماتی ہیں کہ جب ہم گھر پہنچے تو دیکھا کہ بکریوں کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ گھر میں جتنے برتن تھے وہ سب انہوں نے دودھ سے بھر لیے ۔حلیمہ سعدیہ نے یہ کہا کہ اس بچے کی وجہ سے آج ہمارے دن بدل گئے ،آج ہمارے گھر کے اندر برکتیں آگئیں ،شاہی محل میں کیوں نہ پالا؟

طالب علم کے ذہن میں ایک نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے بعض انبیائے کرام کو شاہی محلات میں پالا، ذرا غور کیجیے!

.....حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پلے، جب فرعون کی بیوی نے ان کو دیکھا تو کہنے لگی:

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (القصص:۹)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں پل رہے ہیں۔

.....حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو۔عزیز مصر نے خریدا اور اپنی بیوی سے کہا:

﴿عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾

چنانچہ وہ بھی محل میں پلے......تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیائے کرام کو محلات میں پالا ،لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلیمہ کے غربت کدے میں پالا ۔اس کی وجہ کیا تھی؟

اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر محل کی آسائشیں ہوتیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے جو برکتیں آتیں لوگوں کو سمجھنے میں مشکل ہو جاتی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غربت کدے میں

بھیجا...... بکریوں کے تھنوں میں دودھ نہیں ...... ماں کی چھاتی میں دودھ نہیں ...... پریشان حال ہیں......اب اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے حالات بدلے تو دنیا نے تسلیم کرلیا کہ دیکھو! جو کچھ بھی نہیں رکھتے تھے، آج اللہ نے ان کو لاکھوں والا بنا دیا......اب یہ برکتیں کس وجہ سے ہیں؟ ...... یہ اس بچے کی وجہ سے ہیں، حتیٰ کہ حلیمہ کے خاوند نے ان سے کہا: حلیمہ!

((لَقَدْ أَخَذْتِ نَسَمَةً مُّبَارَكَةً)) (الروض الانف:۱/۲۸۵)

''یقیناً تو کوئی مبارک بچہ لے کر آئی ہے''

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حلیمہ سعدیہ کے غربت کدے میں تشریف آوری کی وجہ سے اتنی برکتیں ظاہر ہوئیں کہ قریب کی عورتیں آتیں اور کہتیں: حلیمہ! تم اپنی بکریاں کہاں چراتی ہو؟ وہ کہتی: فلاں پہاڑی پر، تو وہ عورتیں بھی اپنی بکریاں وہاں بھیجتیں، لیکن ان کی بکریوں میں پھر بھی اتنا دودھ پیدا نہ ہوتا جو حلیمہ کی بکریوں میں پیدا ہوتا تھا۔ دودھ اتنا زیادہ تھا!!

دوسرے پستان سے دودھ نہ پینے کی وجہ:

حلیمہ نے ایک عجیب بات دیکھی، وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دائیں پستان سے دودھ پلاتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کا جی چاہا کہ میں دوسری طرف سے بھی دودھ پلاؤں، مگر بچہ دودھ ہی نہیں پیتا تھا۔ حلیمہ نے اس چیز کو نوٹ کیا کہ یہ بچہ ایک پستان سے دودھ پیتا ہے...... اس میں کیا حکمت تھی؟......حکمت یہ تھی کہ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے پستان سے بھی دودھ پی لیتے تو بعد میں آنے والی دنیا کہتی کہ خود تو بچپن میں بھائی کے حق کا دودھ پیتے رہے اور آج دنیا کو عدل و انصاف کا درس دینے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اس سے

پتہ چلا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو نبوت کا فطری مزاج لیکر دنیا میں آتے ہیں۔ بچپن میں ہی اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو وہ فطرت سلیمہ دے دی تھی کہ اپنے بھائی کے حق کی طرف منہ ہی نہیں کیا کرتے تھے...... اللہ اکبر کبیرا!!

حسن و جمال میں کشش اور جاذبیت:

حلیمہ کی بیٹی کا نام شیما تھا۔ ایک دن ایک عجیب بات ہوئی۔ حلیمہ نے بیٹی سے کہا: شیما! دیر ہو رہی ہے بکریوں کو چرانے کے لیے لے کر جاؤ۔ شیما کہنے لگی: امی! بکریاں زیادہ ہیں، میں اکیلی ہوں۔ میں ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھک جاتی ہوں۔ مجھ سے سنبھالی نہیں جاتیں، کسی اور کو میرے ساتھ بھیجو تب میں جاؤں گی۔ حلیمہ نے کہا: بیٹی! گھر میں تو کوئی اور ہے نہیں، تیرا باپ بھی بوڑھا ہے اور میں بھی بوڑھی ہوں۔ لہٰذا اب تیرے ساتھ اور تو کوئی نہیں جا سکتا، تمہیں اکیلے ہی لے کر جانا پڑے گا۔ شیما کہنے لگی: اماں! میرے بھائی محمد کو میرے ساتھ بھیج دیجیے۔ حلیمہ نے کہا: بیٹی! تم بکریوں کو سنبھالو گی یا بھائی کو سنبھالو گی، وہ تو گود میں رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: امی! اگر آپ مجھے اکیلا بھیجیں گی تو بکریاں مجھ سے نہیں سنبھلیں گی اور اگر بھائی کو ساتھ بھیج دیں گی تو میں بکریوں کو بھی سنبھال لوں گی اور بھائی کو بھی سنبھال لوں گی۔ حلیمہ یہ جواب سن کر حیران ہو گئی۔ پوچھا: بیٹی! کھل کر بتاؤ اصل بات کیا ہے؟ اب شیما نے بتایا:

اماں! میں ایک دو مرتبہ بھائی کو لے کر گئی۔ ایک تو میں نے دیکھا کہ پورا دن بادل نے مجھ پر سایہ کیے رکھا، مجھے دھوپ میں جانا ہی نہیں پڑا اور دوسری بات میں نے یہ دیکھی کہ جو مسافر قریب سے گزرتے تھے ان میں سے کئی راہب بھی ہوتے تھے۔ وہ اس بچے کو دیکھ کر پہلے بچے کو پیار کرتے تھے، پھر مجھ سے پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے......

اور تیسری بات یہ ہے کہ جب میں بھائی کو لے کر گئی تو میں نے یہ دیکھا کہ میری بکریوں نے جلدی سے گھاس چرلیا۔ پھر جہاں میں بیٹھی تھی یہ بکریاں آکر میرے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئیں۔ میں بھی اپنے بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی اس کا چہرہ دیکھتی رہیں...... اللہ اکبر!

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا حسن و جمال عطا فرمایا تھا......!!!

وَأَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ

''اے محبوب! آپ سے بہتر خوب صورت چہرہ کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔''

وَأَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

''اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی عورت نے کوئی بچہ جنا نہیں ہے''

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ

''آپ اس طرح عیبوں سے پاک اس دنیا میں پیدا ہوئے''

کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ (دیوان حسان بن ثابت: ص ۲)

''جیسا کہ اللہ نے آپ کو آپ کی مرضی کا حسن و جمال دے کر پیدا فرما دیا ہو۔''

اللہ کے محبوب ﷺ کے حسن و جمال میں وہ کشش اور جاذبیت تھی کہ جو بھی دیکھتا تھا اپنے دل کا سودا کر لیا کرتا تھا۔

شیما کی محبت بھری لوری:

آپ ﷺ کی بہن شیما آپ کو گود میں لے کر لوری دیتی تھی ...... ہمارے ہاں بھی عورتیں لوریاں دیتی ہیں۔ وہ اپنی اپنی زبان میں دیتی ہیں۔ ہماری والدہ جب کسی بچے کو گود میں لیتی تو یوں کہتی تھی:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہُ　　　مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہِ

یہ پڑھ کر بچے کولوری دیتی تھی۔ ہمارے ہی گھر میں بعض عورتیں بچوں کو گود میں لے کے اپنی زبان میں یوں لوری دیتی تھیں:

؎ اللہ اللہ لوری دودھ بھری کٹوری
سیفی دودھ پیے گا نیک بن کر جیے گا

یعنی جب عورتیں بچے کو گود میں لیتی ہیں تو دعائیہ کلمات کہہ رہی ہوتی ہیں، اس میں اللہ کی یاد بھی ہوتی ہے اور دعا بھی ہوتی ہے...... شیما بھی اپنے بھائی کو گود میں لے کر بیٹھتی تو وہ بھی لوری دیتی تھیں۔ بعض سیرت نگاروں نے لوری کے وہ الفاظ اپنی کتابوں میں برکت کے لیے لکھے ہیں۔ اس لوری میں ایک فقرہ یہ بھی تھا:

رَبَّنَا! أَبْقِ أَخِیْ مُحَمَّدًا (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/ ۳۸۰)

"اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس بھائی محمد کو ہمیشہ سلامت رکھنا"

بی بی آمنہ کے پاس واپسی:

تین یا چار سال کی عمر میں حلیمہ سعدیہ نے یہ محسوس کیا کہ اب بچہ بڑا ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ساتھ کوئی انہونا واقعہ پیش آ جائے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ میں اسے اس کی والدہ کے سپرد کر کے آؤں۔ چنانچہ انہوں نے آ کر بی بی آمنہ کو ان کا لختِ جگر سپرد کر دیا۔

بے سہارا ہونے میں حکمت:

اللہ کی شان دیکھیے کہ ولادت سے پہلے نبی علیہ السلام کے والد فوت ہو گئے۔ پھر جب چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ اس کے بعد اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت

میں آ گئے، کچھ عرصہ بعد دادا بھی فوت ہو گئے۔ پھر اپنے چچا کی کفالت میں آ گئے اور اپنی جوانی کے کچھ عرصہ بعد جب دعویٰ نبوت فرمایا تو چچا بھی فوت ہو گئے۔

ایسا کیوں ہوا؟......سب سہارے ہٹتے گئے کٹتے گئے......اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر اس طرح کسی کے سائے میں پرورش پاتے تو دنیا کہتی کہ سہاروں میں پلنے والے، سہاروں میں زندگی گزارنے والے آج سہاروں کی نفی کر کے اللہ کو سہارا بنانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شروع ہی سے یہ معاملہ کر دیا...... باپ سے بھی بے سہارا...... ماں سے بھی بے سہارا...... دادا سے بھی بے سہارا...... چچا سے بھی بے سہارا...... یہ پیغام دینا تھا کہ لوگو! جس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہوتا، اس کا سہارا اس کا پروردگار ہوتا ہے۔ اور جس کا سہارا اللہ بن جاتا ہے پھر اللہ رب العزت دنیا میں اس کے قدموں کو جما دیا کرتے ہیں۔

آیت ''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی'' کے معارف:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی﴾

''کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا کہ ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا؟''

یہ لفظ تو تھوڑے سے ہیں، لیکن ان میں حقیقت بہت بڑی ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ وہ یہ کہ:

- ......آپ یتیم تھے، ہم نے ٹھکانہ دیا۔
- ......آپ بے سہارا تھے، ہم نے آپ کو سہارا دیا۔
- ......آپ غربت کدے میں پیدا ہوئے، ہم نے آپ کو فاتح مکہ بنا دیا۔
- ......جب آپ پیدا ہوئے تھے اس وقت گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل بھی نہ تھا

اور ہم نے آپ کو ایسا بنا دیا کہ آپ کی برکت کی وجہ سے پوری دنیا میں ہدایت کا نور پھیل گیا۔

اٰوٰی کا لفظی مطلب ہے ٹھکانہ دینا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرماتے ہیں:

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ''اور یاد کرو اس وقت کو جب تم تھوڑے تھے''

مُسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ ''زمین پر بڑے کمزور تھے''

تَخَافُوْنَ ''تم ڈرتے تھے''

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ''وہ لوگ تمہیں کہیں اچک نہ لیں''

فَاٰوٰكُمْ ''اس اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا''

یہاں ٹھکانے سے مراد یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مکہ سے مدینہ بلایا اور مدینہ میں لاکر ان کے قدموں کو جما دیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ (کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا اور ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا؟)...... یعنی ہم نے آپ کے قدم جما دیے۔ ہم نے آپ کو دنیا و آخرت کی سرخروئی عطا فرما دی۔ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا...... کیسا ذکر بلند ہوا؟...... سبحان اللہ!

وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے

اس میں ایک پیغام پوشیدہ ہے کہ اے دنیا کے غریبو! دنیا کے بے سہارا لوگو! دنیا کے محروم لوگو! دنیا میں اپنے آپ کو یتیم کہلانے والے لوگو! تمہارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں، میرے محبوب ﷺ کی زندگی کو دیکھو! اگر تم ان کے نقشِ قدم پر چلو گے تو میں پروردگار تمہارے سر پر اپنی رحمت کا تاج رکھ دوں گا۔

اسلام میں یتیم کا مقام:

آپ ﷺ کو یتیموں کے ساتھ بڑی محبت تھی، حدیث پاک میں آیا ہے: عید کا دن ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عید پڑھنے کے لیے اپنے گھر سے چل پڑے۔ گلی میں کچھ بچے کھیل رہے تھے، انہوں نے نہا دھو کے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان بچوں کی آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالا ہوا تھا، تیل بھی لگا ہوا تھا۔ ان سے ذرا آگے ایک بچہ اکیلا بیٹھا تھا، وہ بڑا غم زدہ سا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کو دیکھا تو آپ رک گئے۔ پوچھا: بچے! کیا ہوا؟ اتنے غم زدہ کیوں بیٹھے ہو؟...... بچے نے جواب دیا: اے اللہ کے پیارے حبیب! میں یتیم مدینہ ہوں، میرے والد نہیں جو میرے لیے آج کپڑے لاتے، اور میری والدہ مجھے نہلا کر وہ کپڑے پہنا دیتی۔ یہ بچے آپس میں کھیل کر خوش ہو رہے ہیں اور میں بیٹھا اپنے والد کو یاد کر رہا ہوں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو اس بات سے خوش ہوگا اگر میں تیرا باپ بن جاؤں اور عائشہ تیری ماں بن جائے؟...... بچے کی آنکھوں میں چمک آگئی، وہ خوش ہوگیا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بچے کو پکڑا اور اسے لے کر اپنے گھر تشریف لائے۔ فرمایا: حمیرا! اس بچے کو نہلاؤ۔ وہ بچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر کا تھا، چنانچہ جتنی دیر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کو نہلایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنی دیر میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کپڑے منگوا لیے۔ جب بچے نے نہا لیا تو اسے دھلے ہوئے کپڑے پہنائے، سر پر تیل لگایا، پھر اس کی کنگھی کی، خوشبو لگائی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا، اس سے وہ بچہ خوش ہوگیا۔

اب وہ خوشی خوشی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور بچے کو اشارہ کیا کہ تو اپنے آپ کو یتیم کہتا ہے۔ آج تو میرے ساتھ

پیدل چل کر نہیں جائے گا، بلکہ میرے کندھے پر سوار ہو کر جائے گا۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ اس بچے کو کندھے پر سوار کر لیتے ہیں۔ جب اللہ کے نبی ﷺ اسے لے کر باہر گلی میں تشریف لائے تو جو بچے کھیل رہے تھے وہ حیران ہوئے کہ یہ بچہ تو چل کے جارہا تھا اور اب اللہ کے حبیب ﷺ کے کندھوں پر بیٹھ کر آ رہا ہے۔ جب وہ بچہ ان کے قریب ہوا تو اس نے خوشی سے بتایا کہ مجھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا بیٹا بنالیا ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا میری ماں بن گئیں۔ اس بچے کی بات سن کر ان کھیلنے والے بچوں میں سے ایک نے ٹھنڈی سانس لی اور یوں کہنے لگا: کاش! میں بھی یتیم ہوتا اللہ کے نبی مجھے بھی اپنا بیٹا بنا لیتے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بچے کو لیکر اس جگہ پر تشریف لاتے ہیں۔ جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر کے اوپر بیٹھے، وہ بچہ نیچے بیٹھنے لگا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: نہیں! تو آج نیچے نہیں بیٹھے گا، بلکہ میرے ساتھ اس منبر کے اوپر بیٹھے گا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بچے کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور پھر اس بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے ہیں:

''لوگو! جو یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے گا اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہوں گے اللہ اتنی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھوا دیگا۔''

آج یتیموں کا حق مارا جاتا ہے، ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور ان کو دنیا میں جینے کا حق ہی نہیں دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ خلق عطا فرمادے۔ ہمیں بھی یتیموں کا سرپرست اور والی بنادے۔ (آمین)

شیما کی عزت افزائی کا واقعہ:

فتح مکہ ہونے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حنین کی طرف جاتے ہیں اور وہاں پر غزوہ حنین پیش آتا ہے۔ لمبی تفصیل ہے، البتہ اپنی بات کو مختصر کرنے کے لیے اتنا عرض کرتا

ہوں کہ غزوہ حنین میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھ ہزار قیدی ملے اور بارہ ہزار بکریاں ملیں، جب اتنے قیدی آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادہ فرمایا کہ ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

اتنے میں ایک صحابی نے آ کر کہا: اے اللہ کے نبی! ایک عورت آئی ہے، وہ ذرا پکی عمر کی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہن ہوں، مجھے ان سے ملاؤ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حیران ہوئے کہ عبداللہ اور آمنہ کا میں ایک ہی بیٹا ہوں، ان کا تو کوئی اور بچہ تھا ہی نہیں۔ یہ کیسے کہتی ہے کہ میں بہن ہوں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: جی وہ کہتی ہے: مجھے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس لے جاؤ۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اچھا اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ خاتون آتی ہے اور کہتی ہے: میں تمہاری بہن ہوں۔ پوچھا: کیسے؟ کہنے لگی: میرا نام شیما ہے، میں حلیمہ کی بیٹی ہوں، میں آپ کو گود میں لیتی تھی اور آپ کو لوریاں دیتی تھی...... رَبَّنَا! أَبْقِ أَخِي مُحَمَّدًا...... میرے رب نے میری دعا قبول کی اور میرے رب نے آج مجھے یہ منظر دکھا دیا ہے، میرے بھائی! میں قیدی بن کر آپ کے پاس آگئی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اللہ آپ کو یہ شان دیں گے۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا: شیما! تم میری بہن ہو، آؤ! نبوت کی اس چادر کے اوپر بیٹھ جاؤ۔ دنیا نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہن کی کیا عزت افزائی کی! پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا: شیما! اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو میں تمہارا کفیل بنوں گا اور اگر واپس رشتہ داروں میں جانا چاہو تو تمہیں جانے کی اجازت ہے۔ انہوں نے کہا: میں واپس جاؤں گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی سو بکریاں بھی دیں اور کچھ غلام بھی دیے۔ پھر دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا: جاؤ میری بہن کو اپنے گھر پہنچا کر آؤ۔

شیما جانے کے لیے کھڑی تو ہوگئی، مگر چلتی نہیں تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: شیما! آپ جانہیں رہیں؟ بہن کہنے لگی: آپ نے مجھے تو آزاد کر دیا، لیکن یہ چھ ہزار بندے بھی ہیں، اگر میں اکیلی چلی گئی تو لوگ کہیں گے کہ خود واپس آ گئی اور باقیوں کا خیال نہ رکھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہن کی اس بات کو قبول کر کے صحابہ کے مشورے سے سب قیدیوں کو آزاد فرما دیا......اللہ اکبر!......

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾

اور میرے محبوب! ہم نے آپ کو یتیم پایا اور پھر آپ کے قدم جما دیے، ہم نے آپ کو فاتح مکہ بنا دیا۔ اور ہم نے ہزاروں لوگوں کو آپ کے قدموں میں غلام بنا دیا۔ اسی کو کہنے والے نے کہا:

اے رسول امین، خاتم المرسلین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
تیرا سکہ رواں کل جہاں میں ہوا، اس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عرب، کیا عجم، سب ہیں زیر نگیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اللہ رب العزت ہمیں اس پیارے حبیب ﷺ کی مبارک سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوستو! ایسے بن جاؤ کہ جب موت کا وقت آئے اور فرشتے آ کر ہمارے دلوں کو ٹٹولیں تو وہ اسے عشق نبی ﷺ سے بھرا ہوا پائیں۔ ہمارے دماغ کو ٹٹولیں تو علم نبوی سے بھرا ہوا پائیں۔ ہمارے اعضاء کو ٹٹولیں تو سنت نبوی سے بھرا ہوا پائیں۔ اور اسی طرح ہم اپنے اللہ رب العزت کے حضور پیش ہو جائیں۔



يا صاحب الجمال و يا سيد البشر

من وجهك المنير لقد نور القمر

لا يمكن الثناء كما كان حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر





حسن بے مثال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ﴾ (البقرۃ: ۱۴۴)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ٭ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ٭

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٭

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

محبوب کل جہاں ﷺ:

سید الاولین و الآخرین، امام الانبیاء، حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ محبوب کل جہاں ہیں۔ خالق کے بھی محبوب، مخلوق کے بھی محبوب، مثلاً: جمادات کے بھی محبوب

ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ'' (بخاری، حدیث:۱۴۸۲)

''احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''

...... نباتات کے بھی محبوب ہیں، استوانہ حنانہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں رویا۔

...... حیوانات کے بھی محبوب ہیں، جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر قربانی دی تو اونٹوں کو قربانی کے لیے لایا گیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اونٹ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے اپنی گردنوں کو لمبا کر دیتے تھے، تاکہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں پہلے قبول فرمالیں۔ (الشفا للقاضی عیاض:۱/ ۳۱۴)

...... انسانوں کے بھی محبوب ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشاق کی جماعت تھی۔

...... جنوں کے بھی محبوب ہیں، اس لیے جنوں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشاق میں شمولیت حاصل کی۔

...... فرشتوں کے بھی محبوب ہیں، جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام آسمانوں میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیر، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت فرمانے والے ہیں۔

اس طرح مخلوق تو ساری مکمل ہوگئی۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، جنات اور فرشتے۔ اب رہ گئی اس پروردگارِ عالم کی ذات بابرکات، تو اس نے تو اعلان فرمادیا: اے میرے محمد! آپ میرے محبوب ہیں۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوبِ کل جہاں ہیں۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھانے کا ذریعہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں علم جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی محبت بڑھے

گی۔ اس لیے کوئی آدمی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت باقی دنیا کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے۔

''لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ''

(بخاری، حدیث:۱۵)

''تم میں سے کوئی بندہ بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے ہاں اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ٹھہروں۔''

اب اس محبت کو بڑھانے کے لیے آج نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے سراپا کا تذکرہ کرنا ہے۔

؎ زباں پہ بار خدایا! یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

جب محبوب کا نام آتا ہے تو منہ میں مٹھاس آ جاتی ہے

فیض چشم حضور کیا کہنا!
ساغر دل چھلک چھلک جائے
نام پاک ان کا ہو لبوں سے ادا
شہد گویا ٹپک ٹپک جائے

کہنے والے نے تو یہاں تک کہا:

؎ ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبیست

''اگر میں ہزار مرتبہ اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھولوں تو (اے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم!) پھر بھی آپ کا نام نامی، اسم گرامی لینا میرے لیے تو بے ادبی ہی ہے''

بے مثال حسن و جمال:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو وہ حسن و جمال عطا کیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی

رسولِ ہاشمی نبیوں میں ختم الانبیا ٹھہرے
حسینوں میں حسیں ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

حسن بے مثال کے بارے میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"لَمْ يَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، لِأَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا أَطَاقَتْ أَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" (سبل الہدی والرشاد: ۲/۸)

"اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن بے مثال کو ہمارے لیے پورا ظاہر نہیں فرمایا، کیونکہ اگر اس سارے حسن کو ظاہر فرما دیتے تو ہماری آنکھوں میں یہ استطاعت ہی نہیں تھی کہ محبوب کا دیدار کر سکیں"

لہٰذا اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے حسن کو کم ظاہر فرمایا۔ چنانچہ اب اس حسن کو الفاظ میں بیان کرنا بہت مشکل کام ہے

جمال و حسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن

حسنِ بے مثال کا تذکرہ کرنے کے مقاصد:

آج کی اس محفل میں اس حسن بے مثال کا تذکرہ کرنے کے دو مقصد ہیں:

①.....ایک مقصد تو یہ ہے

ع ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوگا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات۔

②.....اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل جب اچھی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وجمال کے بارے میں جان لیں گے تو پھر آنکھ میں دنیا کے حسینوں کی کوئی قدر ہی نہیں رہے گی۔ پھر ساری محبتیں اللہ کے لیے اور اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہونگی

ے کوئی لغزش نہ ہوجائے الٰہی! اس سے ڈرتا ہوں
بھروسے پر ترے اس کام کا آغاز کرتا ہوں

چنانچہ دل چاہتا ہے

ع ہوتی رہے ثنا تیرے حسن وجمال کی

حسن بے مثال......صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں

آیئے! بچپن سے شروع کرتے ہیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی نظر میں:

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

جب میں اس بچے کو لینے کے لیے اس گھر میں گئی تو وہ آرام کر رہا تھا اور اس کے اوپر ایک کپڑا ڈالا گیا تھا۔

میں نے سوچا کہ میں بچے کی شکل تو دیکھوں، تو فرماتی ہیں:

"فَأَشْفَقْتُ أَيْ خِفْتُ أَنْ أُوقِظَهُ مِنْ نَوْمِهِ، لِحُسْنِهِ وَجَمَالِهِ فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى

صَدْرِہٖ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا فَفَتَحَ عَیْنَیْہِ یَنْظُرُ إِلَیَّ فَخَرَجَ مِنْ عَیْنَیْہِ نُوْرٌ حَتّٰی دَخَلَ خِلَالَ السَّمَآءِ" (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/ ۱۴۷)

"میں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر گھبرائی کہ اس بچے کی کہیں آنکھ نہ کھل جائے۔ (چنانچہ میں آہستہ سے اس کے قریب ہوئی) اور میں نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس بچے کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ بچہ مسکرا دیا اور اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں، اس کی آنکھوں سے ایسا نور نکلا کہ وہ اس سے لے کر آسمان تک پھیل گیا"

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بچپن میں ہیں۔ یہ بچپن کے زمانے کے کمالات ہیں، حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"وَلَمَّا دَخَلْتُ بِہٖ إِلٰی مَنْزِلِی لَمْ یَبْقَ مَنْزِلٌ مِّنْ مَنَازِلِ بَنِی سَعْدٍ إِلَّا شَمَمْنَا مِنْہُ رِیْحَ الْمِسْکِ" (سبل الہدیٰ والرشاد: ۱/ ۳۸۷)

"جب میں اس بچے کو لے کر اپنے گھر میں داخل ہوئی تو بنو سعد کے گھرانوں میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس گھر والوں نے اس کی مشک جیسی خوشبو کو نہ سونگھا ہو"

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو پوری بستی میں پھیل گئی۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و جمال کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا۔ ہر بندے کے اپنے تاثرات ہوتے ہیں۔ کوئی کسی چیز سے تشبیہ دیتا ہے کوئی کسی چیز سے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"إِنَّ بِمَکَّۃَ أَرْبَعَۃَ نَفَرٍ مِّنْ قُرَیْشٍ أَرْبَأُ بِھِمْ عَنِ الشِّرْکِ وَأَرْغَبُ لَھُمْ فِی الْإِسْلَامِ"

''مکہ میں چار بندے ایسے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ شرک کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں'' (اسد الغابۃ:۱/۱۷۱)

یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمنا تھی۔ ان چار افراد میں سے ایک جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے والد کا نام مطعم تھا۔ یہ جبیر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدر کے قیدی چھڑوانے کی بات کرنے کے لیے آئے، تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو دیکھ کر کہا:

''لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ''

(بخاری، حدیث:۳۱۳۹)

''اگر تمہارے باپ مطعم زندہ ہوتے اور وہ مجھ سے ان کافر مرداروں کے بارے میں بات کرتے تو میں سب کو آزاد کر دیتا''

نبی علیہ السلام نے مطعم کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں بتائی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نبی علیہ السلام پر دو احسانات تھے۔

(1)...... جب قریش مکہ نے نبی علیہ السلام کو شعب ابی طالب میں بند کر دیا تھا تو اس میں سے نکلوانے میں سب سے مرکزی کردار مطعم کا تھا۔

(2)...... جب نبی علیہ السلام طائف سے واپس تشریف لائے تو اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا۔ مطعم نے نبی علیہ السلام کو اپنی امان دی تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تھے۔ ان دو احسانات کی وجہ سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

طبرانی شریف کی روایت ہے کہ یہ جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اِلْتَفَتَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَوَجْهُهٗ مِثْلُ شُقَّةِ الْقَمَرِ''

''نبی علیہ السلام نے ہماری طرف توجہ فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور ایسے تھا جیسے کوئی چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے'' (المعجم الکبیر، حدیث: ۱۵۵۴)

ان صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کے ٹکڑے کی مثال دی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ہم عمر تھے۔ بدر میں ان کو چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ یہ بڑے بہادر تھے۔ مشہور شہر ''رے'' کے فاتح تھے۔ ان سے تین سو (300) سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ یہ بھی نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو بہت مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں:

''سُئِلَ الْبَرَاءُ أَكَانَ وَجْهُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ''

(بخاری، حدیث: ۳۵۵۲)

''ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور تلوار کی طرح چمکتا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: نہیں! وہ تو چاند کی طرح چمکتا تھا۔''

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کا ٹکڑا کہا اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کے ساتھ تشبیہ دی۔ سبحان اللہ!

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نظر میں:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام چھ مشہور فقہاء صحابہ میں سے ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: ''میری عائشہ آدھا دین ہے۔'' مزید فرمایا: کھانوں میں سے جو ثرید کو فضیلت حاصل ہے بقیہ کھانوں پر، وہ عورتوں میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے

بقیہ عورتوں پر۔ (جامع الاصول: ۹/ ۱۲۴) ان کی پاکدامنی کی گواہی خود اللہ رب العزت نے قرآن میں بیان فرمائی۔ یہ حبیبہ حبیبِ خدا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ إِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهُ بِالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ“ (الخصائص الکبریٰ: ۱/ ۱۱۶)

”نبی علیہ السلام کا چہرہ سب انسانوں سے زیادہ خوب صورت اور ان کا رنگ سب سے زیادہ منور ہے، کوئی تعریف کرنے والا ان کی تعریف نہیں کرسکتا، اتنا کہہ سکتا ہے کہ ان کی تشبیہ چودھویں رات کے چاند کی طرح دی جاسکتی ہے“

تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کا ٹکڑا کہا۔ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے چاند کہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چودھویں کا چاند کہا۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے نواسے اور صحابی ہیں۔ دونوں شہزادوں کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ“ (ترمذی، حدیث: ۳۷۶۸)

”دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں“

ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو فرمایا:

”هُمَا رَيْحَانَتَايَ“ (بخاری، حدیث: ۵۹۹۴)

”یہ دونوں میرے پھول ہیں“

جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک سات سال تھی، ان کو بچپن کی کچھ باتیں تو یاد تھیں، مگر انہیں بڑی عمر کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بات پوچھنے

میں زیادہ مزہ آتا تھا کہ میرے نانا جان کیسے تھے؟

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ رشتے میں ان کے ماموں تھے۔ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی جو پہلی شادی تھی اس سے ان کے ایک بیٹے تھے، اس بیٹے کا نام ہند تھا، جب نبی علیہ السلام سے شادی ہوئی تو وہ بیٹے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت میں آ گئے، ایسے بچے کو تربیت کی وجہ سے ربیب کہتے ہیں، یعنی بیوی کے وہ بیٹے جو پہلے خاوند سے تھے۔ گویا رشتے میں تو بیٹے ہی بن گئے۔ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی اولاد بھی ہوئی، گویا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بھائی بنے۔ ماں ایک تھی، اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کو کہتے تھے: ''میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ۔'' حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حُلْيَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

''وہ نبی علیہ السلام کے حلیہ مبارکہ کو مزے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے''

''وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَّصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهٖ''

''اور میرے دل کی تمنا رہتی تھی کہ وہ میرے سامنے محبوب کا تذکرہ کریں، تا کہ میری محبت نانا جان سے اور زیادہ بڑھ جائے''

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

''يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ'' (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۱/۲۶۸)

''نبی علیہ السلام کا چہرہ انور اس طرح چمکتا تھا جس طرح کہ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہوتا ہے''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ یہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا، مگر منظر اس طرح بنا کہ سامنے ایک طرف اللہ کے حبیب ﷺ کا چہرۂ انور ہے اور دوسری طرف چودھویں رات کا چاند ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر فرماتے ہیں:

"فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ"

''میں کبھی نبی علیہ السلام کے چہرۂ انور کو دیکھتا اور کبھی چودھویں رات کے چاند کو دیکھتا''

"فَإِذَا هُوَ عِنْدِيْ أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ" (ترمذی، حدیث:۲۸۱۱)

''میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ اللہ کے حبیب چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ حسین ہیں''

؎ چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس کے منہ پہ چھائیاں، مدنی کا چہرہ صاف ہے

ویسے بھی علما نے لکھا ہے کہ چاند کی روشنی تو مستعار تھی، لیکن اللہ کے حبیب ﷺ کے چہرے کا نور ذاتی وصف تھا، اس لیے چاند سے تشبیہ دے ہی نہیں سکتے۔ کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی:

کوئی منظر حسین نہیں لگتا
اب تو یہ دل کہیں نہیں لگتا
چاند اچھی طرح سے دیکھ لیا
چاند تجھ سا حسین نہیں لگتا

انہی جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا نبی علیہ السلام کا چہرۂ انور تلوار کی طرح چمکتا تھا؟ تو جواب میں فرمایا:

"لَا بَلْ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ" (جامع الاصول، حدیث:۸۸۰۲)

"نہیں، بلکہ آقا ﷺ کا چہرۂ انور تو چاند اور سورج کی طرح چمکتا تھا"

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی نظر میں:

ایک صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا عجیب گھرانہ تھا۔ ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔ جب ان کو ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سزا دے رہے ہوتے تو نبی علیہ السلام ارشاد فرماتے:

"صَبْرًا يَا آلَ يَاسِرٍ! فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ" (المستدرک للحاکم:۳/۳۸۳)

"اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلَى ثَلٰثَةٍ: عَلِيٍّ وَّعَمَّارٍ وَّسَلْمَانَ))

(کنز العمال، حدیث:۳۳۱۱۲)

"تین بندے ایسے ہیں کہ جنت ان کی مشتاق ہے، علی، عمار اور سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم)"

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے ایک صحابیہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے بارے میں پوچھا تو وہ فرمانے لگیں:

"لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً" (المعجم الکبیر، حدیث:۶۹۶)

"اگر کوئی بندہ نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کو دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے"

؎ رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے جو انوار ظاہر تھے
انہی انوار کی کچھ بھیک ہے ان چاند تاروں میں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چھٹے نمبر کے صحابی تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بارے میں فرماتے تھے:

"لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَادِسَ سِتَّةٍ" (اسد الغابۃ:۱/۶۷۱)

"میں نے اپنے آپ کو چھٹے نمبر کا مسلمان پایا"

یہ نبی علیہ السلام کے سفر کے خادم تھے۔ نعلین مبارک سنبھالتے تھے، مسواک پیش کرتے تھے، بستر بچھاتے تھے، وضو کرواتے تھے، خیال رکھتے تھے، انہی کو اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کا سر کاٹنے کی سعادت عطا کی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے حکم فرمایا: ابن مسعود! قرآن سناؤ۔ تو انہوں نے سورۃ نساء کی کچھ آیتیں نبی علیہ السلام کے سامنے پڑھیں۔ (اسد الغابۃ:۱/۶۷۲)

وہ فرماتے ہیں:

"كُنْتُ إِذَا رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قُلْتُ كَأَنَّهٗ دِيْنَارٌ هِرَقْلِيٌّ"

(کنز العمال، حدیث:۱۸۵۳۹)

"جب بھی میں نبی علیہ السلام کے چہرہ انور کو دیکھتا تو مجھے یوں لگتا کہ جیسے کوئی چمکدار دینار ہے"

پہلے زمانے میں چاندی کا نیا نیا سکہ بہت چمک دار ہوتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ دینار ہوتے تھے اس لیے انہوں نے دینار کے ساتھ تشبیہ دی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سید المحدثین ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَبْيَضَ كَأَنَّمَا صِيْغَ مِنْ فِضَّةٍ" (شمائل ترمذی:ص۴۰)

''اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا جمال ایسا تھا کہ جیسے چاندی سے کوئی چیز ڈھلی ہوئی ہوتی ہے''

جب رسول اللہ ﷺ کا ایسا حسن و جمال ہے تو پھر محبت انہی سے کرنے کا مزہ ہے۔ ہم اگر تصور بھی کریں تو دنیا کی شکلوں کے بجائے اللہ کے حبیب ﷺ کا تصور کریں

کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں
تجسس چار سُو ہے اور میں ہوں
ترے قربان او میرے تصور!
وہ گویا رو برو ہے اور میں ہوں
تجھے ہرگز نہ جانے دوں گا دل سے
خیالِ یار! تو ہے اور میں ہوں

اگر انسان تہجد کے وقت میں نبی علیہ السلام کا خیال دل میں جمائے تو پھر محبت کی کچھ لہریں اٹھ رہی ہوتی ہیں۔ اسی لیے عاشقوں کے لیے تہجد کا وقت بہترین وقت ہوتا ہے۔

؎ رات کا خاموش منظر اور تصور یار کا
ہے یہی اک وقتِ راحت عشق کے بیمار کا

اس وقت عشق کے بیمار کو راحت مل رہی ہوتی ہے۔

دنیا کا طلب گار رہا ہے نہ رہے گا
سرکار کے قدموں کے نشاں ڈھونڈنے والا
نظروں میں رہے جس کے جمالِ رخِ سرکار
اس شخص کا دنیا میں اجالا ہے اجالا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک ایسے صحابی ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کی۔ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو چھوٹی عمر میں ہی نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، یہ نبی علیہ السلام کے لیے سبزی توڑ کے لاتے تھے۔ چنانچہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ''ابوحمزہ'' رکھی یعنی سبزی توڑنے والا۔

ایک مرتبہ ان کی خدمت سے خوش ہو کر نبی علیہ السلام نے ان کی عمر میں، مال میں اور اولاد میں برکت کی دعا دی۔ حدیث پاک میں ہے کہ ان کے مال میں ایسی برکت آئی کہ لوگوں کے باغ سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے تھے اور ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ ان کے پاس سونے کی اینٹیں ہوتی تھیں اور وہ ان اینٹوں کو لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے کے ساتھ توڑا کرتے تھے۔ اب سوچیں کہ اگر لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے کے ساتھ سونے کو توڑا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تولے ماشے کی بات نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بھی برکت دی۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد اور ان کے بچے ایک سو پچیس (125) کی تعداد میں دیکھے۔ بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں۔

اللہ رب العزت نے ان کی عمر میں ایسی برکت دی کہ وہ ایک سو تین (103) سال تک زندہ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے تینوں چیزوں میں برکت دی۔ (اسد الغابۃ: ۱/ ۷۹)

ایک مرتبہ ایک صاحب ان کے ہاں مہمان آئے تو باندی نے ان کے ہاتھ دھلوائے، بعد میں ہاتھ صاف کرنے کے لیے کپڑا نہیں تھا، چنانچہ وہ ایک تولیہ لائیں جو

میلا تھا، یہ دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ میلا تولیہ لے کے آئی ہو۔ وہ کہنے لگی: ابھی لاتی ہوں، وہ دوڑی ہوئی گئیں، سامنے ایک تنور تھا، جس میں آگ جل رہی تھی، اس نے وہ تولیہ تنور میں ڈال دیا پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کو باہر نکال کر لے آئی تو وہ بڑا صاف ستھرا اور گرم گرم تھا۔ اس نے مہمان کو پیش کیا اور کہا: جی اب آپ اس تولیے سے ہاتھ صاف کرلیں۔ یہ دیکھ کر مہمان حیران ہوا اور پوچھنے لگا: بھئی! یہ مسئلہ کیا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام ہمارے گھر میں تشریف لائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تولیے سے اپنے مبارک ہاتھوں کو صاف کیا تھا، اس کے بعد آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا۔ چنانچہ جب یہ میلا ہوجاتا ہے تو ہم اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں، آگ میل کچیل تو کھالیتی ہے، مگر تولیے کو نہیں جلاتی اور ہم صاف تولیہ باہر نکال لیتے ہیں۔ (حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از افادات مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: ص ۷۳)

وہ انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں:

''كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَبْيَضَ الْوَجْهِ'' (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۶۱۱۸)

''نبی علیہ السلام کا رنگ سفید، گورا چٹا تھا''

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک نوجوان پٹھان عالم دورۂ حدیث کرکے آئے اور انہوں نے درس حدیث دینا شروع کر دیا۔ لوگ تین چار دن تک تو ان کا درس سنتے رہے، پانچویں دن ایک بوڑھا کھڑا ہوگیا۔ اس نے کہا: خبردار! آج کے بعد تو نے درس نہیں دینا۔ اس نے کہا: کیوں؟ میں حدیث کا درس دے رہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا: میں نے اتنے دن صبر کیا ہے کہ تو روز بیٹھ کر کہتا ہے: کالا کالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کالا ہوگا تیرا باپ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو گورے چٹے تھے۔ وہ بوڑھے میاں قال قال کو کالا کالا سمجھے۔ یہی انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں:

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَسَنَ الْجِسْمِ" (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث:۳۶۱۲۹)

"نبی علیہ السلام کا جسم مبارک بہت خوب صورت تھا۔"

ابوطفیل رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

ابوطفیل رضی اللہ عنہ ایسے صحابی ہیں جو صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں:

"کَانَ أَبْیَضَ مَلِیْحًا" (ابوداود، حدیث:۴۸۶۶)

"نبی علیہ السلام سفید تھے، مگر ملیح تھے"

ملیح ملح سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے نمکین، جیسے کوئی بندہ نمکین چیز کو کھائے تو پھر چھوڑنے کو دل نہیں کرتا۔ "نمکین چہرہ" اردو کا ایک لفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چہرہ جس سے نظر ہٹائی نہ جاسکے۔ ایک دفعہ دیکھو تو پھر دیکھنے کو جی چاہے، چنانچہ پھر دیکھے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بڑا نمکین چہرہ ہے۔ ابوطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا مبارک چہرہ ایسا ہی تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ:

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے
یہ کہکشاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی دھول ہے

کسی اور شاعر نے کہا:

اے کہ تیرا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات!
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی زکات

نبی علیہ السلام کے حسن کی زکوۃ نکلی تو وہ دنیا میں خوبصورتی بن کے پھیل گئی۔
چنانچہ کسی نے عجیب بات کہی:

آپ آئے تو دو عالم میں بہار آئی ہے
پھول مہکے ہیں ستاروں نے ضیا پائی ہے
آپ کے حسن کی قرآن میں خود خالق نے
کئی رخ سے رخِ انور کی قسم کھائی ہے

جس چہرۂ انور کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ (البقرة:۱۴۴)

''میرے محبوب! جب آپ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم آپ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

پنجابی میں کسی نے نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو الفاظ کی لڑی میں یوں پرویا ہے:

حسن بے مثال ویکھ کے، آمنہ دا لال ویکھ کے
حسیناں دے تے مان ٹٹ گئے سوہنے دا جمال ویکھ کے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مرادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ چالیسویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت لمبی قمیص پہنی ہوئی ہے اور باقی لوگوں نے اپنے جسم کے سائز کے مطابق قمیص پہنی ہوئی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟ نبی علیہ السلام نے تعبیر دی کہ یہ قمیص ہر بندے کے دین کی مثال ہوتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے تمہیں اتنا دین عطا کیا کہ تمہاری قمیص سب سے زیادہ لمبی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"إِنَّ إِسْلَامَ عُمَرَ كَانَ فَتْحًا وَإِنَّ هِجْرَتَهُ كَانَتْ نَصْرًا وَإِنَّ إِمَارَتَهُ كَانَتْ رَحْمَةً"

(المعجم الکبیر، حدیث:۸۸۰۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بِأَبِي وَأُمِّي لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحَدًا مِثْلَهُ"

"میرے ماں باپ قربان، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اور بعد میں آپ جیسا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا" (کنزالعمال، حدیث:۱۸۵۷۱)

ایک نکتہ:

یہاں ایک نکتہ سمجھ لیجیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال اتنا کیوں تھا؟

توجہ فرمایئے! حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جنتی جنت میں جائیں گے تو ان کی حور و غلمان پر جو پہلی نظر پڑے گی تو ان کے حسن کو دیکھ کر یہ اتنے زیادہ حیران ہونگے کہ ستر سال تک یہ ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھتے رہیں گے، ان کو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا، پھر وہ جنت میں رہنا شروع کر دیں گے۔

پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو نور کی ایک بارش ہوگی اور وہ نور ہر جنتی کے چہرے کے اوپر لگ جائے گا۔ جیسے آندھی میں چہرے پر مٹی جم جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے دیدار کی وجہ سے چہرے پر ایسا نور آ جائے گا کہ جب یہ جنتی واپس لوٹ کر آئیں گے تو جنتی مخلوق ان کو دیکھ کر اتنی حیران ہوگی کہ ستر سال تک وہ ان کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہ جائے گی۔ جب جنتی لوگ

اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اس کی وجہ سے ان کا حسن اتنا ہوگا کہ حور وغلمان بھی ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھیں گے تو جس اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں اللہ رب العزت کا دیدار کیا تو سوچیں کہ ان کا حسن کتنا بڑھا ہوگا! ان کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا!

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت:

ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ اندھیرا تھا اور سوئی کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اتنے میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمرے میں تشریف لائے۔

"فَتَبَیَّنَتِ الْإِبْرَۃُ مِنْ شُعَاعِ نُوْرِ وَجْھِہٖ" (تاریخ ابن عساکر: ۳/۳۱۰)

جیسے ہی میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے، چہرے کا ایسا نور تھا کہ مجھے اس کی وجہ سے اپنی سوئی نظر آ گئی اور میں نے اپنی وہ سوئی اٹھالی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَرٰی بِاللَّیْلِ فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی بِالنَّھَارِ مِنَ الضَّوْءِ))

(دلائل النبوۃ للبیھقی: ۶/ ۲۲۴)

"(اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرنے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بینائی ایسی ہوگئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جیسے لوگ دن کی روشنی میں دیکھا کرتے تھے"

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَلَا أَجَلَّ فِيْ عَيْنَيَّ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ“

”اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ مجھے نبی علیہ السلام سے بڑھ کر اس سے محبت ہوتی، میری آنکھوں میں ان سے زیادہ کوئی بزرگی والا بھی نہیں تھا، اور میں جب جاتا تھا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا نور اتنا ہوتا تھا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی“

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

”جواہر البحار“ میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”لَمَّا نَظَرْتُ إِلٰى أَنْوَارِهٖ وَضَعْتُ كَفِّيْ عَلٰى عَيْنَيَّ خَوْفًا مِّنْ ذِهَابِ بَصَرِيْ“

”میں ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ایسا نور تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کہ کہیں میری بینائی ہی نہ چلی جائے۔“

جب دنیا میں سورج کو دیکھیں تو آنکھ تاب نہیں لاسکتی۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا نور ایسا ہی تھا۔

یہی حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

؎ وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

؎ خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

''إِنَّ جَمَالَ نَبِیِّنَا کَانَ فِیْ غَایَۃِ الْکَمَالِ لٰکِنَّ اللّٰہَ سَتَرَ عَنْ اَصْحَابِہٖ کَثِیْرًا مِنْ ذٰلِکَ الْجَمَالِ الزَّاہِرِ وَالْکَمَالِ الْبَاہِرِ إِذْ لَوْ بَرَزَ إِلَیْہِمْ لَصَعُبَ النَّظْرُ إِلَیْہِ عَلَیْہِمْ''
(جمع الوسائل:۲/۷)

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس جمال کو چھپایا تھا۔ اگر وہ جمال ان پر ظاہر کر دیا جاتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نگاہیں محبوب کے چہرے کی طرف دیکھ ہی نہ سکتیں''

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نشر الطیب'' میں ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا عَدَمُ تَعَشُّقِ الْعَوَامِ عَلَیْہِ کَمَا کَانَ عَلٰی یُوْسُفَ u فَلِغَیْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی حَتّٰی لَمْ یُظْہِرْ جَمَالَہٗ کَمَا ھُوَ عَلٰی غَیْرِہٖ کَمَا اَنَّہٗ لَمْ یُظْہِرْ جَمَالَ یُوْسُفَ u کَمَا ھُوَ إِلَّا عَلٰی یَعْقُوْبَ أَوْ زُلَیْخَا''

یوسف علیہ السلام کو تو دیکھنے والوں نے دیکھا تو وہ عاشق ہو گئے۔ اب نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کو اللہ نے چھپالیا۔ فرماتے ہیں: کہ چھپانے کی وجہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی غیرت تھی۔ اللہ کی غیرت نے پسند نہ کیا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو تم میں سے کوئی دیکھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے جمال کو بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ يَقُوْلُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (ترمذی، حدیث: ۳۶۳۸)

''جو شخص نبی علیہ السلام کو اچانک دیکھتا تو وہ مرعوب ہو جاتا' جو نبی علیہ السلام سے میل جول رکھتا وہ محبت کرنے لگ جاتا۔ وہ ان کی تعریف میں یوں کہتا: ایسا حسین نہ میں نے کبھی پہلے دیکھا اور نہ میں نے کبھی اس کے بعد دیکھا۔''

خواہش پری کی ہے نہ تمنا ہے حور کی
آنکھوں کے آگے بس رہے صورت حضور کی
سو بار صدقے ہو کے بھی یہ چاہتا ہے دل
سو بار اور آپ کے قربان جایئے

کہنے والے نے کہا:

ے ہمیں اس لیے ہے تمنائے جنت
کہ جنت میں ان کا نظارہ کریں گے

محبوبۂ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''زلیخا اور زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انگلیاں کاٹیں'' ''لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهٗ'' اگر وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی کا نور دیکھ لیتیں تو وہ اپنے دل کے ٹکڑے کر لیتیں۔ (روح البیان: ۴/۱۶۱)

سراپائے انور کا تذکرہ:

یہ تو نبی علیہ السلام کے حسن و جمال کا اجمالی تذکرہ تھا۔ اب ذرا تفصیل میں جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ترتیب سے سنیئے، تاکہ تصور بنانا آسان ہو جائے۔

پر جمال قد مبارک:

قد مبارک کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا قد مبارک بہت لمبا نہیں تھا، البتہ جب مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا'' (ترمذی، حدیث: ۳۶۳۸)

نہ پستہ قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے
مگر مجمع میں ہوتے تھے کبھی جب حضرت والا
نمایاں اور اونچا تھا سروقد بالا

اللہ رب العزت نے مہربانی یوں فرمائی کہ بہت اونچا قد نہیں بنایا تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ بھی عیب کہلاتا ہے۔ ہمارے ہاں اونچے قد والے کو ''لم ڈھینگ'' کہہ دیتے ہیں۔ زیادہ لمبا قد حسن و جمال کے خلاف ہوتا ہے۔ تو نبی علیہ السلام کا مبارک قد میانہ، مگر مائل بہ درازی تھا۔ جب مجمع میں ہوتے تھے تو سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ لوگو! جس طرح ظاہر میں تم سے ان کا قد اونچا نظر آتا ہے حقیقت میں انسانوں میں سب سے زیادہ رتبہ بھی اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔

میانہ جسمِ اطہر:

جسمِ اطہر بہت زیادہ فربہ اور موٹا ہرگز نہیں تھا، پیٹ نکلا ہوا نہیں تھا، بہت خوبصورت پرسنیلٹی (شخصیت) تھی۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا کی ساخت معتدل، بدن مبارک نہ موٹا نہ ڈھیلا، بلکہ گٹھا ہوا مضبوط اور توانا تھا'' (جامع الاصول: ۱۲/ ۹۴)

قربان جاؤں آپ کی اس چال ڈھال کے
رکھ دوں قدم قدم پہ کلیجہ نکال کے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا جسمِ اطہر انتہائی خوبصورت تھا'' (ترمذی، حدیث: ۱۷۵۴)

پرکشش رنگت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک رنگت سفیدی مائل تھی۔ ایک ہوتی ہے برص کی سفیدی، وہ بھبھوکی سفیدی ہوتی ہے، وہ اچھی نہیں لگتی۔ اور ایک ہوتی ہے ذرا گندمی مائل سفیدی، وہ خوبصورت لگتی ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت مبارک ایسی ہی تھی۔

''دلائل النبوۃ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔''

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا وہ سرخی مائل معلوم ہوتا تھا اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا وہ سفید اور چمکدار معلوم ہوتا تھا۔''

نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھے اجلے بھبھوکے سے
سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے
کبھی جب مسکرادیتے تو بجلی کوند جاتی تھی
در و دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی
نمایاں حسنِ یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی
یہاں سرخی تھی گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

ہمارے ہاں اگر کوئی ایسا بچہ ہو تو اس کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ گویا محبوب ﷺ کے رنگ مبارک کو سیب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

خوبصورت سر مبارک:

آپ ﷺ کا سر مبارک کیسا تھا؟ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا''

یعنی نہ اتنا بڑا کہ عیب بنے اور نہ ہی بالکل چھوٹا۔

موئے مبارک:

مبارک سر پر جو موئے مبارک تھے، ان کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی زیادہ پیچ دار۔ جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں، جیسے ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا کے چلنے سے لہریں ابھر آتی ہیں۔'' (دلائل النبوۃ: ۱/۲۹۸)

یعنی بال نہ تو ایسے کرلی (گھنگریالے) تھے جیسے حبشہ کے لوگوں کے ہوتے ہیں اور

نہ اتنے سیدھے جیسے ہم میں سے بعض لوگوں کے ہوتے ہیں۔ آقا ﷺ کے بال مبارک ایسے تھے کہ ان کے اوپر لہروں کی شکل میں سلوٹیں بن جاتی تھیں۔ جس سے خوبصورتی نمایاں ہوجاتی تھی۔

سینہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل ودیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جس کے پرتو سے

رخِ انور:

نبی علیہ السلام کا چہرہ انور گول اور ہلکا سا درازی مائل تھا۔ بالکل گول نہیں تھا، لیکن گول درازی مائل تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كَانَ فِي وَجْهِهِ تَدْوِيرٌ'' (جامع الاصول:۱۱/ ۲۲۴)

''نبی علیہ السلام کے چہرے میں گولائی تھی۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کا چہرہ مسرت کی حالت میں ایسا چمکتا تھا گویا کہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ اس چمک کو دیکھ کر ہم آپ ﷺ کی خوشی کو پہچان لیتے تھے۔''

نبی علیہ السلام کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب نے نبی علیہ السلام کے حسن وجمال کے بارے میں اشعار کہے۔ ان اشعار میں انہوں نے بڑا ہی عجیب مضمون باندھا۔ ان اشعار میں وہ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں''

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہمارے پاس سے ایک ایسا آدمی گزرا جو چمکتے رنگ، دمکتے چہرے والا تھا۔''

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرۂ انور
مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کم تر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہو جاتا
مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہو جاتا

پرنور پیشانی:

اب نبی علیہ السلام کی منور پیشانی کا ذکر سنیے! سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی یا پو پھٹنے کا وقت آتا تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص آپ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی'' (دلائل النبوۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی اتنی روشن اور تابندہ تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں''

کشادہ اور نورانی مبارک پاک پیشانی
کہ جس سے عاریت شمس و قمر نے لی ہے تابانی

خوبصورت ابرو:

نبی علیہ السلام کے ابرو مبارک کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابرو قوس کی طرح خمدار، باریک اور گنجان تھے، لیکن دونوں جدا

جدا۔ ان کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا۔'' (شمائل)

یعنی دونوں ابرو الگ الگ تھے، درمیان میں بال نہیں تھے۔ بالکل قوس کی طرح تھے۔ پہلی کے چاند (Cresent) کی طرح تھے۔

گھنے باریک اور خمدار تھے مثلِ کماں ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلالِ ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابروؤں کے درمیان میں تھی
جو غصے میں ابھر آتی تھی تیر اک دوکماں میں تھی

دونوں ابروؤں کے درمیان میں ایک رگ تھی، جب آپ ﷺ کبھی جلال میں آتے اور خاموش ہوتے تو وہ ابھر آتی تھی۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جیسے دوکمانوں میں ایک تیر پڑا ہوتا ہے ایسے تیر نظر آیا کرتا تھا۔

دلنشین آنکھیں:

نبی علیہ السلام کی دلنشین آنکھوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی آنکھیں سُرمگیں تھیں'' ''أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ''

یعنی سرمہ ڈالے بغیر ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے نبی علیہ السلام نے سرمہ ڈالا ہوا ہوتا تھا۔

(کنز العمال، حدیث: ۱۷۸۱۵)

چمکدار اور سیاہ پتلی بڑی آنکھیں حسین آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرگیں آنکھیں

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں''

ان آنکھوں میں ایسی حیا تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں وہ حیا دیکھی جو مجھے مدینے کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نظر نہیں آتی تھی''

اللہ جو حسن دے تو حیا بھی ضرور دے
کس کام کی وہ آنکھ کہ جس میں حیا نہ ہو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں میں جو پتلی تھی وہ خوب کالی تھی اور جو سفیدی تھی وہ خوب سفید تھی، مگر سفیدی کے اندر سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا:

نہیں آنکھوں میں آپ کے ڈورے
یہ محبت کا جال ہے شاید

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی حسین آنکھیں عطا فرمائی تھیں کہ

خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قرباں
حسیں وہ بے پیے رات دن مخمور رہتا ہے

جاذبِ نظر پلکیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پلکوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام أَهْدَبَ الأَشْفَارِ (لمبی پلکوں والے) تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۲۴۶۵)

حسین رخسار:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار مبارک کیسے تھے؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے۔ جن میں ابھار تھا، نہ کہ بلندی'' (دلائل النبوۃ)

یعنی رخسار مبارک ایسے نہیں تھے کہ گوشت اوپر آنکھوں پر چڑھا جارہا، اور نہ ایسے تھے کہ گوشت لٹک رہا ہو، بلکہ ہموار تھے۔

خوبصورت ستواں ناک:

نبی علیہ السلام کے ناک مبارک کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا ناک مبارک بلندی مائل سامنے سے قدرے جھکا ہوا تھا۔ اس پر نورانی چمک تھی، جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑا اونچا معلوم ہوتا تھا'' (شمائل)

نبی علیہ السلام کے ناک مبارک پر ایک خاص نور تھا۔

وہ بینی مبارک جس پہ نور اک جگمگاتا تھا
کہ جو ظاہر میں بینی کی بلندی کو بڑھاتا تھا

دہن دلربا:

پھر آپ ﷺ کا دہن مبارک ہے، جسے منہ کہتے ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام اعتدال کے ساتھ فراخ دہن تھے'' (جامع الاصول: ۱۲/ ۹۴)

بعض لوگوں کے منہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کے منہ بہت چوڑے ہوتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ یہ وہی منہ مبارک ہے جس کے اندر سے اللہ کا قرآن نکلا، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم)

؎ گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

دندان مبارک:

نبی علیہ السلام کے دندان مبارک کیسے تھے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہنستے تھے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی، ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی''

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ إِذَا تَكَلَّمَ رُؤِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ)) (شمائل ترمذی: ص ۴۱)

''نبی علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک سے ایک نور نکلتا تھا''

مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک کو چمکدار موتیوں سے تشبیہ دی:

؎ كَأَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنِيْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسِمٍ
(دیوان البوصیری: ص ۲۴۲)

فراخی تھی دہن میں اور دو دنداں کشادہ تھے
جمال و حسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ نوری کوئی سانچا تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا
بوقتِ گفتگو ریخوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

خوبروکان:

نبی علیہ السلام کے کان مبارک بھی خوبصورت تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان مبارک خوبصورت اور متناسب تھے''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''تَخرُجُ الْأُذُنَانِ بِبَيَاضِهِمَا مِنْ تَحْتِ تِلْكَ الْغَوَائِرِ كَأَنَّمَا تُوقَدُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيَّةُ بَيْنَ ذٰلِكَ السَّوْدَاءِ''

''نبی علیہ السلام کی مبارک زلفوں میں سے جب کبھی کان ظاہر ہوتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے اندھیرے میں سے چمکتا ہوا کوئی روشن ستارہ نکل آیا ہو۔''

مونچھیں مبارک:

نبی علیہ السلام کی مبارک مونچھیں کیسی تھی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لبوں کے زائد بالوں کو کاٹ دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے لبوں کے بالوں کو کتر دیا کرتے تھے''

ریش مبارک:

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی ریش مبارک کے بال بھرپور تھے''

بعض لوگوں کی پتلی سی داڑھی ہوتی ہے۔چند بال اِدھر اور چند بال اُدھر۔نہیں، ریش مبارک کے بال بھرپور تھے، مگر تقریباً ایک قبضہ (مٹھی) کے برابر لمبے تھے۔اگر اور

زیادہ لمبے ہو جاتے تھے تو اللہ کے نبی ﷺ برابر فرما دیتے تھے۔

گردن مبارک:

آپ ﷺ کی گردن مبارک کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''نبی علیہ السلام کی گردن مبارک لمبی، پتلی اور چمکدار تھی، دیکھنے سے چاندی کی صراحی نظر آتی تھی'' (طبقات ابنِ سعد)

بلند و دلفریب و خوشنما تھی آپ کی گردن
بت سیمیں کی جیسے ہو تراشی یا ڈھلی گردن

خوبصورت کندھے:

اللہ کے محبوب ﷺ کے مبارک کندھے کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''نبی علیہ السلام کے دوش مبارک بڑے بڑے اور درمیانی جگہ پر گوشت تھا''

یعنی کندھے بڑے بڑے تھے۔ گویا جسم کے اعضا مضبوط اور بڑے تھے، کمزور نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی: ص ۳۲)

نورانی و معطر بغلیں:

آپ ﷺ کی مبارک بغلیں کیسی تھیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام دعا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا کرتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی'' (بخاری)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی بغلوں کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا''

بغل میں تھی سفیدی جسمِ اطہر کی طرح تاباں
بدن تھا مشک و عنبر سے بھی خوشبودار بے پایاں

فراخ سینہ بے کینہ:

آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ (چوڑا) تھا۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی علیہ السلام کا سینہ مبارک، کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا۔''

تھے چوڑے دونوں شانے، فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ، پاک اور کشادہ تھا

شکمِ اطہر:

نبی علیہ السلام کے شکمِ اطہر کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کا پیٹ اور سینہ ہموار تھے'' (جامع الاصول: ۱۲/ ۹۴)

یعنی پیٹ آگے کو نکلا ہوا نہیں تھا، بلکہ پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ یہ اچھی صحت اور خوبصورتی کی علامت ہوتی ہے۔

شکم اور سینہ ہموار اک نمائش تھی جمالوں کی
تھی سینے سے لکیر اک ناف تک باریک بالوں کی

سینۂ انور سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر آتی تھی۔ باقی پورے جسم پر ایسے بال نہیں تھے، جیسے بعض لوگوں کے زیادہ بال ہوا کرتے ہیں۔جسمِ اطہر بالکل شفاف تھا۔ جہاں بال ہونے چاہییں، وہاں تھے۔

تھے کچھ بال اوپری حصے میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے باگ تھا مثلِ آبگینے کے

متوازن ناف:

نبی علیہ السلام کی مبارک ناف متوازن تھی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے لے کر ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔''

(شمائل ترمذی:ص ۳۲)

بازو مبارک:

نبی علیہ السلام کے بازو مبارک کے متعلق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو موٹے اور کلائیاں اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں''

(دلائل النبوۃ)

جیسے بڑے اور سٹرانگ (مضبوط) مسلز ہوتے ہیں، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بازو مبارک کے مسلز سٹرانگ ہوتے تھے۔

خوبصورت اور نرم ہتھیلیاں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہتھیلیاں بہت ہی نرم اور خوبصورت تھیں۔شمائل میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی ہتھیلیاں کشادہ اور پر گوشت تھیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا وَّ لَا حَرِيْرًا وَ لَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ''

(شمائل ترمذی:ص ۲۸۶)

''میں نے ریشم کو بھی چھو کر دیکھا، مگر ریشم بھی اتنا نرم نہیں تھا جیسے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں تھیں۔''

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے

یہ وہ مبارک ہاتھ تھے جن کو اللہ رب العزت نے قرآن میں اپنے ہاتھ سے تشبیہ دی، فرمایا:

﴿یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ﴾ (سورۃ الفتح)

ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں کے اوپر جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ہے، حقیقت میں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

انگشت ہائے دل آویز:

نبی علیہ السلام کی مبارک انگلیاں بہت خوبصورت تھیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔
ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں''

''یہ وہ مبارک انگلیاں ہیں جن کے اشارے سے اللہ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تھا''

اشارے سے ٹکڑے ہوئے تھے قمر کے
یہ دستِ نبی کا مقام اللہ اللہ

اعضا کے جوڑ:

نبی علیہ السلام کے اعضا کے جوڑ کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔'' (شمائل)

کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پرگوشت تھے اعضا
تھے لمبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب و زیبا

سڈول کمر:

نبی علیہ السلام کی کمر مبارک پتلی سی تھی۔ حضرت محرّش کعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا۔ جب نبی علیہ السلام نے اوپر کی چادر لپیٹی تو اس وقت مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر دیکھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سفیدی اور چمک میں چاندی سے ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔'' (مسند احمد، حدیث: ۱۵۵۱۲)

کسرتی پنڈلیاں:

نبی علیہ السلام کی مبارک پنڈلیاں ٹھوس تھیں۔ جیسے ورزش کرنے والے بندے کی پنڈلیاں ٹھوس ہوتی ہیں، لیکن بہت موٹی بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں زیادہ بھاری بھرکم اور پر گوشت نہ تھیں۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ)

تھیں ان کی پنڈلیاں ہموار اور شفاف
لطافت کا وہ عالم شاخِ طوبیٰ جس سے شرمندہ

خوشنما پاؤں:

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں کیسے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کے دونوں پاؤں نرم اور پر گوشت تھے۔''

تراشی ہوئی ایڑیاں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیاں ایسی تھیں جیسے تراشی ہوئی ہوتی ہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔'' (مسلم)

ے قدم آئینہ سا ، قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے
تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

سفید نقرئی بال:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ موئے مبارک تو سیاہ تھے، مگر کچھ سفیدی بھی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور ریش مبارک میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں تھے۔'' (بخاری)

یعنی زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے۔

سوچیے! وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی محبت کے ساتھ تکتے رہتے ہونگے کہ جنہوں نے بالوں کو بھی گنتی میں لے لیا۔ اللہ اکبر کبیرا! ایسے لگتا ہے کہ وہ ٹکٹکی باندھ کر اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے۔

رفتار باوقار:

نبی علیہ السلام کی رفتار باوقار کیسی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام چلتے وقت آگے کی طرف جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے، ایسے لگتا تھا جیسے اونچائی سے نیچائی کی طرف اتر رہے ہوں۔'' (شمائل ترمذی: ص ۳۲)

مہرِ نبوت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت کیسی تھی؟ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختمِ نبوت کی نشانی کے طور پر ''مہرِ نبوت'' عطا فرمائی تھی۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی''

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب دیکھا تو اس وقت مہر نبوت غائب ہو چکی تھی۔ (بخاری)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''مہرِ نبوت پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا''

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق:

''مہرِ نبوت گھٹتی بڑھتی تھی اور اس کا رنگ بھی بدلتا تھا، سرخ نظر آتی تھی۔''

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مہرِ نبوت کبوتری کے انڈے جیسی سرخ رسولی کے مانند تھی'' (شمائل)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس مہر نبوت کو دیکھنے کے لیے ترستے تھے۔ مثال کے طور پر:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے مہر نبوت کو دیکھنا چاہا۔ باقی نشانیاں پوری ہو چکی تھیں۔ نبی علیہ السلام نے دیکھ کر پہچان لیا، چنانچہ جب وہ قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا: اچھا! مہرِ نبوت دیکھنا چاہتے ہو۔ چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مہر نبوت کو دیکھا اور کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے۔

ایک مزے کا واقعہ سنیے!

ایک صحابی اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ذرا جولی فیلو تھے۔ یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو باتیں کر کے ہنساتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی محفل میں کوئی بات سنائی تو لوگ زیادہ ہنسنے لگ گئے۔ نبی علیہ السلام نے اپنی مبارک انگلی ان کے پیٹ میں چبھوئی۔ جیسے کوئی پیٹ میں انگلی چبھو کر کہتا ہے: اب بس بھی کرو۔ نبی علیہ السلام نے ان کو اس طرح انگلی چبھو کر چپ کروایا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ ایک دن نبی علیہ السلام نے وعظ فرمایا اور آخیر میں فرمایا:

''لوگو! اگر تم میں سے میں نے کسی کا حق دینا ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے''

یہ سن کر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا حق آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر۔ پوچھا: کونسا؟ کہنے لگے: جی! ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پیٹ میں انگلی چبھوئی تھی اور مجھے درد ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! تم بھی انگلی چبھولو۔ کہنے لگے: نہیں اے اللہ کے حبیب! میرے جسم پر اس وقت کپڑے پورے نہیں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اپنی انگلی میرے پیٹ میں چبھوئی تھی اور ڈائریکٹ میرے جسم میں چبھوئی تھی اور آپ کے جسم مبارک پہ تو کرتہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! میں بھی کرتہ ہٹا دیتا ہوں اور تم انگلی چبھو کر اپنا بدلہ لے لو۔

چنانچہ اب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بدلہ لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حیران ہیں کہ یہ نبی علیہ السلام کا عاشق اور دیوانہ اور جان قربان کرنے والا، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلہ مانگتا ہے۔ سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حیران ہو کر دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جی چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر کہیں: اسید! میرا جسم حاضر ہے، تم میرے جسم پر جو چاہتے ہو چبھو ڈالو، لیکن میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدلہ نہ لو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دل بھی یہی چاہتا ہے، مگر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے سب خاموش ہیں۔ حیران ہیں کہ یہ چاہتا کیا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی علیہ السلام نے اپنے جسم مبارک سے کپڑا اٹھایا تو

((فَاحْتَضَنَهُ ثُمَّ جَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَدْتُ هٰذَا))

(المستدرک للحاکم: ۳/۲۸۸)

''اسید رضی اللہ عنہ آ کر نبی علیہ السلام کی کمر مبارک سے لپٹ گئے اور مہرِ نبوت کو بوسہ دے کر کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تو اس کو بوسہ دینے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا''

پسینہ مبارک:

نبی علیہ السلام کا مبارک پسینہ کیسا تھا؟ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بچوں کو بھیجتی

تھیں کہ وہ نبی علیہ السلام کے مبارک پسینے کو شیشی میں جمع کریں۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: ام سلیم! اسے کیا کرتی ہو؟ عرض کیا:

((هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيْبِنَا وَهُوَ أَطْيَبُ الطِّيْبِ))

(جامع الاصول:۱۱/۲۴۵، المعجم الکبیر، حدیث:۲۸۹)

’’(اے اللہ کے نبی!) آپ کے مبارک پسینے کو ہم خوشبو میں ملا لیتے ہیں، اس طرح ہماری خوشبو کی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے‘‘

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی تھی۔ جہیز کا باقی سامان خرید لیا گیا تھا، خوشبو نہیں تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم میرے پسینے کے قطرے لے جاؤ۔ وہ پسینے کے قطرے لے گئے، دلہن کے جسم پر استعمال کیے گئے۔ اس کے بعد اس گھر سے اتنی خوشبو آتی تھی کہ صحابہ اس کو ’’خوشبو والا گھر‘‘ کہا کرتے تھے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ابھی لڑکا تھا۔ نبی علیہ السلام میرے قریب سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے رخسار پر ہاتھ رکھا، جس کی وجہ سے ایسی ٹھنڈک پڑ گئی کہ مجھے لگا کہ عطار کی دکان سے ابھی خوشبو لے کر کوئی بندہ باہر نکلا ہے۔

؎ مشک و عنبر کیا کروں اے دوست! خوشبو کے لیے
مجھ کو رخسارِ محمد کا پسینہ چاہیے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے میں ایسی خوشبو تھی کہ کہنے والے نے کہا:

پھول کھلتے ہیں پڑھ پڑھ کے صلِ علیٰ
جھوم کر کہہ رہی ہے یہ بادِ صبا
ایسی خوشبو چمن کے گلوں میں کہاں؟
جو نبی کے پسینے میں موجود ہے

اب ذرا آپ ﷺ کے سراپا کو تصور کی آنکھ سے دیکھیے تو دل کہتا ہے:

سر سے پا تک وہ گلابوں کا شجر لگتا ہے
باوضو ہو کے بھی چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے

شعراکے ہاں عشقِ رسول ﷺ کا مقام:

ایک شاعر نے نبی علیہ السلام کی منقبت میں چالیس ہزار اشعار لکھے۔ کتنے اشعار لکھے؟ چالیس ہزار، اور اتنے اشعار لکھنے کے بعد آخر میں جو اشعار لکھے ان کا اردو میں ترجمہ ہے:

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

چالیس ہزار اشعار لکھنے والے بندے نے بھی کہا کہ میں آپ ﷺ کے حسن و جمال کا حق ادا نہیں کر سکا۔ اب دل کی ایک تمنا ہے اس کو کسی نے شعر میں کہا ہے:

کوئی طلب ہے مجھے زیست میں تو اتنی ہے
نبی کی چاہ ملے اور بے پناہ ملے

جس دل میں نبی علیہ السلام کا تصور ہو وہ مبارک دل ہوتا ہے۔ کہنے والے نے کہا:

اے جنت! تجھ میں حور و قصور رہتے ہیں
میں نے مانا ضرور رہتے ہیں
میرے دل کا طواف کر جنت
میرے دل میں حضور رہتے ہیں

ایک اور شاعر نے تو بہت ہی عجیب شعر لکھا:

آپ سے عشق میرے دل کی شریعت آقا
آپ سے عشق میری جاں کی عبادت آقا
آپ کے ادنی غلاموں کے غلاموں کا غلام
ہے شرف میرے لیے اتنی ہی نسبت آقا

شعرا کو بھی عجیب عجیب خیال آتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اور بھی عجیب بات کہی، کہتے ہیں:

محل مینار کیا کرنے ہیں مجھ کو؟
مدینے کے خس و خاشاک لوں گا
ملی جاگیر جنت میں جو کوئی
تو دہلیزِ شہِ لولاک لوں گا

کہ مجھے محل مینار نہیں چاہییں، مجھے تو مدینے کی گلی کے تنکے ہی چاہییں۔ اگر اللہ نے جنت میں مجھے کوئی ملکیت دی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کو میں ملکیت کے طور پر لے لوں گا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے
پڑے ہوئے سر راہ گزر ہم بھی ہیں
جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اللہ اکبر! اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک جوتے سر پر رکھنے کو مل جائیں تو ہم اپنے آپ کو تاجدار سمجھنے لگ جائیں۔

عشقِ بلالی شاعرِ مشرق کی نظر میں:

صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ السلام سے کیا محبت تھی؟ ذرا اس کا اندازہ چند اشعار سے لگا لیجیے، جو اس عاجز کے پسندیدہ اشعار میں سے ہیں۔ کہنے والے کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے وہ عاشق صادق تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ اقبال نے ایسے اشعار لکھے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ جب بھی یہ اشعار پڑھتا ہوں تو لکھنے والے کے لیے دل سے بخشش کی دعا نکلتی ہے، فرماتے ہیں:

ے چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خادم تھے، عاشق صادق تھے، غلام بے دام تھے۔ ان کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں کہ تو تو حبشہ کا رہنے والا تھا، تیرے مقدر کا ستارہ چمکا کہ تجھے حبشہ سے اٹھایا اور حجاز میں پہنچا دیا۔

ہوئی اسی سے تیرے غمکدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

نبی علیہ السلام کے ذریعے سے تیرے دل کی آبادی ہوئی۔ یہاں دل کو غمکدہ کہا۔ اے بلال! تیری غلامی پر ہزار مرتبہ آزادی کو قربان کر دیا جائے۔

وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے عشق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جب محبت ہوتی ہے تو اس محبت کی وجہ سے اگر کوئی ستائے تو اس ستانے کا بھی مزہ آتا ہے۔ اے بلال! نبی علیہ السلام کے ساتھ عشق کی وجہ سے کافر جو تجھ پہ ستم ڈھاتے تھے تو

نے اس ستم کے مزے اٹھائے۔

؎ جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

آگے فرماتے ہیں:

نظر تھی صورتِ سلمانؓ ادا شناس تیری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تیری

اے بلال! جس طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نظر تھی کہ اس نے نبی علیہ السلام کو پہچان لیا تھا اسی طرح تیری نظر بھی ادا شناس تھی۔ تو دید کی شراب پیتا تھا اور تیری پیاس اور بڑھ جاتی تھی۔ ایک بار دیکھا ہے اور بار بار دیکھنے کی طلب ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کی حالت ایسی ہی تھی۔

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
تیرے لیے تو یہ صحرا بھی طور تھا گویا

اے بلال رضی اللہ عنہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تجلی ملی تھی اور تجھے تو اللہ نے مدینے کے صحرا میں ہی وہ تجلی عطا فرمادی تھی۔

تیری نظر کو رہی دید میں بھی حسرت دید
خنک دلے کہ شپید و دے نیا سائید

اے بلال! تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا دیکھتا تھا تیرے دل میں دیکھنے کی اور حسرت ہوتی تھی۔ ٹھنڈا دل جب گرم ہو گیا تو گرم ہونے کے بعد اس کو ایک پل کے لیے بھی آرام نہیں آیا۔ تمہارا دل جو ٹھنڈا تھا اسے اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے گرما دیا اور گرمانے کے بعد زندگی بھر اس دل کو قرار نہیں آیا، وہ بے قرار دل تھا۔

ے تپش زشعلہ گرفتند و بردل تو زدند
چہ برق جلوہ بخاشاک حاصل تو زدند

آہا! کیا عجیب بات کہی، شعلے سے انہوں نے تپش کو لیا اور اس تپش کو تیرے دل پر لا ڈالا۔ شعلے سے مراد ''اللہ کی تجلی'' ہے کہ نبی علیہ السلام نے اللہ کے نور سے محبت کی اس حرارت کو حاصل کیا اور یہ محبت کی حرارت تیرے دل میں ڈال دی۔ تو بھی کیسا ہے کہ تو نے اپنے تنکوں پر جلوے کی بجلی کے انوار کو حاصل کر لیا۔ اللہ اکبر کبیرا!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اے بلال! جب آپ نبی علیہ السلام کو دیکھتے تھے تو بڑی عاجزی کے ساتھ دیکھتے تھے۔ عاشق کی کیفیت واقعی ایسی ہوتی ہے کہ محبوب کو دیکھتے رہنا ہی اس کی نماز ہوتی ہے۔

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

اے بلال! یہ جو تو اذان دیتا تھا یہ تیرے عشق کا ترانہ تھا۔ اور پھر فرمایا کہ نماز اس عشق کے اظہار کا ایک بہانہ بنی۔ اللہ اکبر!

خوشا! وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا! وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

کیسا دور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار عام تھا۔ جو آتا تھا وہ دیدار حاصل کر کے جاتا تھا۔

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرما دے۔ ہم سر سے لے کر پاؤں تک نبی علیہ السلام کی سنتوں سے اپنے آپ کو مزین کر لیں۔ جیسے عورت

زیور پہنتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ میرے حسن میں اضافہ ہوگیا، اسی طرح جب انسان اپنے وجود کو نبی علیہ السلام کے سراپائے انور کے مطابق بناتا ہے تو اس کا حسن اس کے پروردگار کی نظر میں بڑھ جایا کرتا ہے۔

عشقِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پُرکیف کلام:

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے عشق نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عجیب اشعار کہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ملے قطرہ عشقِ محمد دا بئ تخت شاہی دی لوڑ نہیں
دل مست رہے وچ مستی دے بئ عقل دانائی دی لوڑ نہیں
میڈے قلب سیاہ گنہگار دے وچ تیڈی یاد دا ڈیوا بلدا رہے
ول ایں جگ، اوں جگ، قبر حشر، کسے بئ روشنائی دی لوڑ نہیں
کر اپنے حبیب دا عشق عطا، جگ سارے توں بے نیاز چا کر
سر جھکدا رہے در تیرے اتے، در در دی گدائی دی لوڑ نہیں
ایں عبد دا عرض قبول تھیوے دربار الٰہی دے اندر
لوں لوں وچ ہووے عشقِ نبی، کسے بئ آشنائی دی لوڑ نہیں

اللہ رب العزت ہمیں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پکی محبت عطا فرمادے اور قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے بندوں میں ہمیں بھی شامل فرمادے۔ (آمین بحرمۃ سید المرسلین)





آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (الم نشرح: ۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی امتیازی شان:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (الم نشرح: ۴)

''اے میرے حبیب! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا''

ہم نے آپ کی شان کو اونچا کیا، اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو وہ شان

عطا فرمائی کہ آپ امام الانبیاء بنے۔

چنانچہ قرآن مجید میں جتنے انبیا کا ذکر آیا ہے ان کو ان کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا۔

یَا مُوسٰی!... یَا عِیْسٰی!... یَا إِبْرَاهِیْمُ!... یَا یَحْیٰی!

تو نام لے کر خطاب فرمایا، لیکن قرآن مجید میں جب اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمانا تھا تو فرمایا:

یَآ أَیُّهَا الرَّسُوْلُ!... یَآ أَیُّهَا النَّبِیُّ!...

یَآ أَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ!... یَآ أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ!...

تو ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا شان عطا فرمائی!

شانِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دفاع:

چنانچہ جتنے بھی انبیا آئے، ان کی قوم کے بعض لوگوں نے ان کی مخالفت کی، ان پر اعتراضات کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان اعتراضات کے جوابات ان انبیا کی زبانی ان کو دلوائے، مثلاً: ان انبیا نے کہا:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

(سورۃ اعراف:٦٦)

"کہا: اے قوم! میں کسی حماقت میں مبتلا نہیں، بلکہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بنایا گیا ہوں"

اگر قوم نے طعنہ دیا کہ آپ گمراہ ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا:

﴿لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ﴾

گویا قوم کو وہ خود اپنی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ جبکہ نبی ﷺ کے بارے میں اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھیے کہ اس قوم کے لوگوں نے نبی ﷺ کے اوپر بھی اسی طرح کی بات کی تو جس بندے نے مجنون کہا، اللہ رب العزت نے خود قرآن مجید میں اس کا جواب عطا فرمایا، خود دفاع فرمایا۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (سورۃ یٰسین: ۶۹)

''اور ہم نے انہیں شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے''

لوگوں نے کہا: یہ تو شاعر ہے، اللہ تعالیٰ دفاع فرماتے ہیں کہ یہ شاعر نہیں ہے شعر تو ان کو زیب بھی نہیں دیتا۔

شانِ نبوت ﷺ کی امتیازی خصوصیات کا ایک جائزہ:

چنانچہ پچھلے انبیا کرام کو اللہ رب العزت نے جتنی بھی فضیلتیں عطا فرمائیں وہ سب فضیلتیں اور ان سے بھی بڑھ کر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائیں۔ آج کی اس مجلس میں اس کا Word eye view (سرسری جائزہ) پیش کرنا ہے، تاکہ یادیں تازہ ہو جائیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو کیا شان عطا فرمائی۔

جسمانی معراج:

چنانچہ سابقہ انبیا کو معراج ہوا، مگر روحانی تھا یا منامی تھا، جبکہ نبی علیہ السلام کو معراج حاصل ہوا تو وہ جسمانی معراج تھا، بنفس نفیس اللہ کے حبیب ﷺ آسمانوں پر تشریف لے

گئے۔ اور اگر پہلے انبیا کو جسمانی معراج ہوا تو وہ بھی درمیانی تھا، مثلاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے آسمان پر اٹھائے گئے۔ اسی طرح ادریس علیہ السلام بھی آسمان پر لے جائے گئے، مگر اللہ رب العزت کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج نصیب ہوا تو کہاں تک ہوا؟

﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ (النجم:۱۴-۱۵)

﴿سدرۃ المنتہیٰ﴾ کے پاس جس کے پاس جنت ماویٰ ہے"

اتنا قرب حاصل ہوا۔

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ (النجم:۸-۹)

"پھر قریب ہوا اور بھی قریب پھر فاصلہ دو کمان کے برابر تھا یا اس سے بھی کم"

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا معراج عطا فرمایا!

عالمی دعوت:

سابقہ انبیا کی دعوت علاقائی تھی، یا اس قوم کو تھی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت عالمی دعوت تھی۔ پوری انسانیت کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۱)

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے والوں کو، تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

جہانوں کے لیے رحمت:

سابقہ انبیا محدود حلقے تک باعثِ رحمت تھے اور ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد



مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا''

تمام انسانوں کے لیے ہادی:

سابقہ انبیا کو فقط اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا، ان کے لیے فرمان تھا:

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد:۷)

''ہر قوم کے لیے ایک ہدایت بتلانے والا ہوتا ہے''

مگر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو فرمایا:

﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (الفرقان:۱)

''تا کہ آپ جہانوں والوں کے لیے ڈرانے والے بن جائیں'' پھر فرمایا:

﴿كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾

''جتنے بھی انسان ہیں سب کے لیے آپ بشیر اور نذیر بن کے آئے''

ظاہری اور باطنی علوم کے حامل:

سابقہ انبیا کو اگر شریعت ملی تو ظاہری شریعت ملی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب کو علم ظاہر بھی عطا کیا علمِ باطن بھی عطا کیا، شریعت بھی اور طریقت بھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی علیہ السلام سے دو علوم سیکھے، ایک وہ علم کہ جس کو ظاہر کر دوں تو گلے پہ چھری پھر جائے۔ (بخاری، حدیث:۱۲۰)

تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس امت کو ظاہری علوم بھی پہنچائے اور باطنی علوم بھی پہنچائے۔

تمام نمازوں کے جامع:

سابقہ انبیا کرام علیہم السلام کو ایک ایک نماز ملی: آدم علیہ السلام کو فجر کی نماز ملی، ابرہیم علیہ السلام کو ظہر کی نماز ملی، عزیر علیہ السلام کو عصر کی نماز ملی، داود علیہ السلام کو مغرب کی نماز ملی، جب کہ اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں عطا فرما دیں۔ چار نمازیں سابقہ انبیا والی اور عشاء ان سے زائد بھی عطا فرمائی۔

پوری زمین مصلیٰ:

سابقہ انبیا کرام علیہم السلام کے لیے خاص جگہیں ہوتی تھیں جو مصلیٰ بنتی تھیں۔ چنانچہ ''خصائص کبریٰ'' کی روایت ہے:

((وَلَمْ یَکُنْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِیَاءِ یُصَلِّی حَتّٰی یَبْلُغَ مِحْرَابَهٗ))

''کوئی بھی نبی جب تک اپنے مصلے کی جگہ تک نہیں پہنچتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے''

لیکن اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے پوری زمین کو مصلیٰ بنا دیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا))

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنی زمین کو پاک بھی بنا دیا اور میرے لیے اس کو مصلیٰ اور مسجد بھی بنا دیا۔''

اوّل و آخر کے علوم کے حامل:

سابقہ انبیا کا علم مخصوص تھا۔ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء ملا، یوسف علیہ السلام کو تعبیر الرؤیا ملی،

سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر، عیسیٰ علیہ السلام کو حکمت ملی، اور نبی علیہ السلام کے بارے میں ''سیرت حلبیہ'' میں لکھا ہے:

((فَأَوْرَثَنِي عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ))

''مجھے اول و آخر کے تمام علوم عطا کیے''

ختم نبوت کے حامل:

سابقہ انبیا کو فقط نبوت ملی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت ملی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:۴۰)

''لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں''

خاتم النبیین بھی اللہ رب العزت نے آپ کو بنایا۔

انبیا علیہم السلام کے نبی:

سابقہ انبیا عوام کے نبی اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عوام کے بھی نبی اور انبیا علیہم السلام کے بھی نبی بنے۔

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ﴾ (آل عمران:۸۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے''

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب انبیا سے عہد لیا کہ جب

میرے محبوب ﷺ آئیں گے تو تم ان کی تصدیق کرنا۔

امام الانبیاء بنے:

سابقہ انبیا علیہم السلام عابد تھے اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ امام العابدین تھے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، نسائی شریف کی روایت ہے:

((ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَجُمِعَ لِيَ الْاَنْبِيَاءُ فَقَدَّمَنِي جِبْرِيْلُ حَتّٰى اَمَمْتُهُمْ))

''پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، سارے انبیا موجود تھے، مجھے جبرئیل علیہ السلام نے آگے بڑھایا اور میں نے ان تمام انبیا کی امامت فرمائی۔''

ازل سے نبی تھے:

سابقہ انبیا علیہم السلام پیدائش کے بعد نبی بنے، لیکن آقا ﷺ دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی نبوت سے سرفراز تھے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ))

''میں اس وقت بھی نبی تھا جب ابھی آدم علیہ السلام روح اور مٹی کی حالت میں تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۳۷۷۰۸)

سابقہ انبیا کی نبوت حادث تھی، لیکن نبی ﷺ کی نبوت قدیم، چنانچہ حاکم کی روایت ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

((مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟))

اے اللہ کے حبیب ﷺ آپ کو نبوت کب ملی؟

((قَالَ: فِيْمَا بَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ وَنَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهِ)) (المستدرک للحاکم: ۲/ ۶۰۹)

"کہ جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان میں روح ڈالی گئی تھی مجھے اس سے پہلے بھی نبوت ملی ہوئی تھی۔"

سببِ تخلیق کائنات:

سابقہ انبیا کائنات کے لیے دنیا میں تشریف لائے جبکہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سببِ تخلیقِ کائنات بن کر تشریف لائے، مستدرک کی روایت ہے:

((فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ اٰدَمَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ))

"اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو بھی پیدا نہ کرتا، نہ جنت اور جہنم کو"

(المستدرک للحاکم: ۲/ ۶۱۵)

اول المقربین:

سابقہ انبیا مقرب تھے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّل المقربین تھے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے میثاق لیا جس کا تذکرہ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں روحوں سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو فرمایا:

((كَانَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلَ مَنْ قَالَ: بَلٰى)) (الخصائص الکبری: ۱/ ۵)

"سب سے پہلے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلیٰ کا لفظ استعمال فرمایا۔"

غلبۂ دین اور حفاظتِ دین:

سابقہ انبیا کو دین ملا، لیکن اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلبۂ دین بھی نصیب ہوا۔ چنانچہ انبیائے سابقین نے دین کی دعوت میں اپنی زندگیاں لگائیں، لیکن پیروکاروں کی محدود جماعت ہی بنی جن کا دین پر عمل اپنی حد تک تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو اللہ نے غالب فرما

دیا اور ایسی ریاست وجود میں آ گئی کہ جس میں باقاعدہ طور پر نفاذِ دین ہوا۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (صف:۹)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے''

اور پھر سابقہ انبیا کے دین میں وقت کے ساتھ تحریف ہوتی چلی گئی اور آقا ﷺ کے دین کو اللہ رب العزت خود محفوظ فرما رہے ہیں۔

عملی اور علمی معجزے:

سابقہ انبیا کو عملی معجزات نصیب ہوئے:

- چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا، ید بیضا ملا۔
- عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔
- ابرہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو ٹھنڈا فرما دیا گیا تھا۔
- صالح علیہ السلام کو ناقہ ملی۔
- یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس لوٹ آئی۔

تو ان انبیا کے معجزات عملی معجزات تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو عملی معجزات بھی دیے اور علمی معجزات بھی دیے۔ عملی معجزے کی مثال جیسے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (سورۃ القمر:۱)

''قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا''

دیکھو! عملی ظاہری حسی معجزہ ملا۔

اور علمی معجزہ، قرآن مجید۔ یہ بھی نبی ﷺ کا معجزہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمایا۔

اسی لیے سابقہ انبیا کے معجزے ختم ہو گئے اور اللہ کے حبیب ﷺ کے معجزے ابھی تک باقی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (سورۃ الحجر:۹)

چنانچہ سابقہ انبیا کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی تو آقا ﷺ کو جامع کتاب عطا فرمائی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((كَانَ الْكِتَابُ الْأَوَّلُ يَنْزِلُ مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ عَلٰى حَرْفٍ وَّاحِدٍ وَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ مِنْ سَبْعَةِ أَبْوَابٍ وَّسَبْعَةِ أَحْرُفٍ))

''پہلی کتابیں ایک باب اور ایک زبان میں نازل ہوئی تھیں جبکہ قرآن سات ابواب اور سات زبانوں میں اترا'' (کنز العمال، حدیث:۲۴۵۹)

سابقہ انبیا کے معجزوں نے قوم کو جھکایا، آقا ﷺ کے معجزے نے پورے عالم کو جھکا دیا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (سورۃ الاسراء:۸۸)

''کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں''

پورے انسانوں کو دعوت دی گئی کہ اگر تم اس کے مقابلے میں اگر کچھ لا سکتے ہو تو لا کے دکھاؤ تم کبھی بھی نہیں لا سکو گے۔

متبوع الانبیاء:

چنانچہ سابقہ انبیا دنیا میں آئے تو قوم نے ان کی اتباع کی اور نبی ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو انبیا نے ان کی اتباع کی۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی ﷺ کی شریعت کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔

تو آقا ﷺ متبوع الانبیاء کہلائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِيْ))

''اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا''

(کنز العمال، حدیث: ۱۰۱۰)

شفاعتِ کبریٰ کے حامل:

چنانچہ سابقہ انبیا قیامت کے دن کہیں گے: ''لَسْتُ لَهَا لَسْتُ لَهَا'' جیسے انسان نفسی نفسی کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے کام نہیں آسکتا، لیکن نبی ﷺ اس دن فرمائیں گے: ''أَنَا لَهَا أَنَا لَهَا''... ''أُمَّتِي أُمَّتِي''۔

چنانچہ سابقہ انبیا قیامت کے دن'' شفاعتِ صغریٰ'' فرمائیں گے، ایک محدود شفاعت۔ اور آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ''شفاعت کبریٰ'' عطا فرمائیں گے، فرمائیں گے:

((يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ))

(ترمذی، حدیث: ۳۱۴۸، الاسماء والصفات للبیہقی)

''اے محمد ﷺ! سر اٹھائیے! جو آپ کہیں گے، ہم آپ کی مراد کو پورا فرما دیں گے۔''

نبی علیہ السلام کے معجزات اور انبیائے سابقین کے معجزات کا موازنہ:

یہ تو تھا ایک جنرل تذکرہ انبیا کے مقابلے میں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کیا شان عطا فرمائی تھی۔ اب ذرا ایک ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے ساتھ انبیا کے معجزات کو بھی کمپیئر کرتے چلے جائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

❁ حضرت آدم علیہ السلام کی تحیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ

﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾

تو انسان محسوس کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی بڑی شان ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم سجدہ کرو۔ دوسری طرف دیکھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ نے سب کو حکم دیا کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو''

تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، درود نازل فرماتے ہیں۔

❁ آدم علیہ السلام کو حجرِ اسود ملا، یہ جنت کا پتھر تھا اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے (روضۃ من ریاض الجنۃ) جنت کا ایک ٹکڑا ہی عطا فرما دیا۔

❁ آدم علیہ السلام کا جو شیطان تھا وہ اپنا کام دکھا گیا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر یقین دلا گیا کہ اس شجر کے پھل کو کھا لو گے تو آپ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے پھل کھا

لیا تو ان کا شیطان اپنا مکر چلا گیا۔ جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے میرے شیطان کو مسلمان بنا دیا۔

- آدم علیہ السلام کی زوجہ مکرمہ سے بھول ہوگئی، لیکن نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کارِ نبوت میں مددگار بنیں۔ چنانچہ بیہقی کی روایت ہے:

((وَكُنَّ أَزْوَاجِي عَوْنًا لِي))

"اللہ نے میری بیویوں کو دین کے کام میں میرا معاون بنا دیا"

حضرت نوح علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت نوح علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے۔

- چنانچہ نوح علیہ السلام کو شریعت کی ابتدائی شکل نصیب ہوئی اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کی انتہائی شکل عطا فرمائی۔ نوح علیہ السلام کو جب تکلیف پہنچی تو قوم کے لیے بددعا کی، اور اللہ کے حبیب ﷺ نے تکلیف پہنچنے کے باوجود اپنی قوم کے لیے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ! اهْدِ قَوْمِي، فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)) (شعب الایمان، حدیث:۱۳۷۵)

- نوح علیہ السلام کے زمانے میں پانچ بت تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان بتوں کو نکال دیں، قوم نے نہیں نکلوایا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے زمانے میں بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ نے اللہ کی رحمت سے تمام بتوں کو بیت اللہ سے نکلوا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دیکھیے کہ ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ ابراہیم عطا ہوا۔

﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ:۱۲۵)

''مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ''

یہ دنیا کے اندر ان کو مقام ملا اور نبی ﷺ کو اللہ رب العزت نے ''مقامِ محمود'' عطا فرمایا:

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾(الاسراء:۷۹)

''قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقامِ محمود عطا کرے گا''

❁ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾(الانعام:۷۵)

''اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین میں نشانیاں دکھائیں، تاکہ وہ خوب یقین حاصل کرنے والے ہو جائیں''

لیکن جب نبی ﷺ کے بارے میں معاملہ ہوا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾(سورۃ النجم ۱۸)

''تحقیق انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''

ادھر زمین اور آسمان کی نشانیاں دکھائیں، یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی نشانیاں دکھائی گئیں۔

❁ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہیں جلا سکی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ (الانبیاء:۶۹)

''ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا ابراہیم پر اور سلامتی والی بن جا''

ادھر نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آگ نہیں جلا سکی۔ چنانچہ فرمایا گیا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ أُمَّتِنَا مِثْلَ إِبْرَاهِیْمَ الْخَلِیْلِ))

''تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی مثال بنادی'' (الخصائص الکبریٰ:۲/ ۱۲۲)

❁ ابراہیم علیہ السلام کو محشر میں اللہ رب العزت جنتی پوشاک پہنائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ جنتی پوشاک پہنائیں گے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى إِبْرٰهِيْمُ ثُمَّ يَقْعُدُ مُسْتَقْبِلَ الْعَرْشِ ثُمَّ أُوْتٰى بِكِسْوَتِيْ فَأَلْبَسُهَا فَأَقُوْمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ مَقَامًا لَا يَقُوْمُهٗ أَحَدٌ غَيْرِيْ يَغْبِطُنِيْ فِيْهِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ

(الخصائص الکبریٰ:۲/ ۳۲۴)

''قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو پوشاک پہنائی جائے گی، پھر وہ عرش کی طرف رخ کرلیں گے، پھر مجھے پوشاک پہنائی جائے گی اور میں ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا کہ وہاں کوئی اور نہ ہوگا اور ساری کائنات کے لوگ مجھ پر رشک کر رہے ہوں گے۔''

❁ اللہ رب العزت نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام کے لیے زم زم کا پانی جاری فرما دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ دیکھیے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے پانی جاری فرما دیا۔

❁ ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ نے مکہ کو بسایا جو حرم بنا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ نے مدینہ طیبہ کو بسایا، وہ بھی حرم بنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

اب حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیات کو ذرا دیکھیے:

❁ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے حسین بنایا، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے ملیح بنایا۔

❁ یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی نکلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میری بینائی پہلے والی آنکھ سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

❁ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں کاٹی تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر یہ عورتیں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور کو دیکھ لیتیں یہ اپنے دل کے ٹکڑے کر دیتیں۔

❁ یوسف علیہ السلام کی برأت کی گواہی ایک بچے نے دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی برأت کی گواہی اللہ رب العزت نے خود قرآن مجید میں فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھیے:

❁ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر ہم کلامی فرمائی اور اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سدرۃ المنتہی پر ہم کلامی فرمائی۔

﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ (النجم:۱۰)

''پھر ہم نے اپنے بندے کی طرف القا کیا جو کچھ القا کیا''

❁ موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چشمے پھوٹے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے اللہ نے پانی کو جاری فرما دیا۔

❁ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو جواب میں فرمایا:

﴿لَن تَرَانِي﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''اے میرے پیارے موسیٰ! تم مجھے نہیں دیکھ سکتے''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے معراج پر اپنا دیدار عطا فرمایا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی

روایت ہے، فرماتے ہیں:

((رَاٰی رَبَّہٗ مَرَّتَیْنِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَمَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ))(الخصائص الکبریٰ:۱/۲۶۷)

''ظاہری آنکھ سے بھی دیکھا اور دل کی آنکھ سے بھی''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ رب العزت کو دل کی آنکھ سے بھی دیکھا اور ظاہری آنکھ سے بھی دیدار کیا۔

❁ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام سے مشرف فرمایا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے کلام سے اور دیدار دونوں سے مشرف فرمایا۔ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اِبْرٰھِیْمَ بِالْخُلَّۃِ وَاصْطَفٰی مُوْسٰی بِالْکَلَامِ وَاصْطَفٰی مُحَمَّدًا بِالرُّؤْیَۃِ))(الخصائص الکبریٰ:۱/۲۶۷)

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوستی کے لیے چنا، موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے لیے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے دیدار کے لیے''

اللہ رب العزت نے ان کو اپنا دیدار عطا فرمایا۔

❁ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کے صحابہ نے دریائے نیل کو عبور کر لیا اور اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو ان کے گھوڑوں سمیت دجلہ کا دریا عبور کروا دیا۔

❁ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فلسطین کی زمین عطا فرمائی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ نے کیا معاملہ فرمایا؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ))(سیرت حلبیہ:۱/۳۶۹)

''اللہ نے زمین کے سب خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دیں''

❁ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا ظاہری مقابل لایا گیا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا جو اژدھا بن گیا، اب ظاہری طور پر جادوگروں نے اس کے مقابلے میں رسیاں پھینکیں، وہ بھی سانپ بن گئے، تو ظاہری طور پر کچھ تو مقابلے میں لایا گیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے قرآن مجید کا جو معجزہ دیا، اس کے مقابلے میں آج تک کفار کوئی ایک سورت بھی پیش نہ کر سکے، چند آیتیں بھی پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ﴾ (طٰہٰ:۲۵)

''اے اللہ! میرے سینے کو کھول دیجیے''

اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان دیکھیے کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الم نشرح:۱)

''میرے حبیب! کیا ہم نے آپ کو شرح صدر نہیں عطا فرما دیا؟''

❁ موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملاقات کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ (الاعراف:۱۴۳)

''جب موسیٰ ہماری ملاقات کے لیے آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا۔''

اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ فرماتے ہیں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (بنی اسرائیل:۱)

تو معلوم ہوا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات ملے تھے اللہ تعالیٰ نے اس بہتر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے تھے۔

یوشع بن نون علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آفتاب کی حرکت کو روک دیا تھا اور حدیث پاک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کام میں مصروف تھے، سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تھا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو سورج پیچھے کی طرف لوٹا

((فَرَدَّ عَلَيْهِ الشَّمْسَ حَتّٰى صَلَّى الْعَصْرَ)) (المعجم الکبیر، حدیث:۳۹۱)

''اللہ نے سورج کو لوٹا دیا، حتیٰ کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) اپنی عصر کی نماز کو ادا فرما لیا۔''

یوشع علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورج کے دو ٹکڑے کیے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ تو جوان کو نصیب ہوا اللہ نے اس سے بہتر حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثالیں دیکھیے:

- اللہ رب العزت نے ان کو ایک انگوٹھی دی تھی جس سے ان کو جنوں کی تسخیر حاصل ہو گئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے مہرِ نبوت دی جس سے آپ کو دلوں کی تسخیر حاصل ہو گئی، دلوں کو اللہ نے مسخر فرما دیا۔
- سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منطق الطیر (پرندوں کی بولی کا علم) دیا، پرندوں نے سلیمان علیہ السلام سے بات کی۔ اور نبی علیہ السلام کا معاملہ دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اونٹ نے گفتگو کی، بکری نے کی، چڑیا نے کی، گدھے نے کی، ہرنی نے کی۔
- سلیمان علیہ السلام کے وزیر زمین تک محدود تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دو وزیر زمین میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اور دو وزیر آسمانوں میں ہیں، اللہ نے میکائیل اور جبرئیل علیہما السلام

کو میرا وہاں پر وزیر بنا دیا۔

❖ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو بات سمجھائی تو ہدہد کو بات سمجھ آ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ ایک بھیڑیا آیا نبی علیہ السلام نے بھیڑیے کو بات سمجھائی وہ بھیڑیا بات کو سمجھ کر واپس چلا گیا۔

❖ سلیمان علیہ السلام نے مانگ کر ملک لیا تھا۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص:۳۵)

''کہا: اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ بعد میں کسی کو ایسی نہ ملے بے شک تو بڑا عنایت کرنے والا ہے''

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بن مانگے ملک عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ مُلْكَ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا)) (ابوداود، حدیث: ۴۲۵۴)

''اللہ تعالیٰ نے اتنا ملک میری امت کو عطا فرمایا اور وہ مجھے دکھا بھی دیا''

❖ سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے ہوا کو مسخر کیا جو انہیں لے کر جاتی تھی اور اللہ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے براق کو مسخر کیا جو پلک جھپکنے میں آپ کو حرم سے لے کر بیت المقدس تک لے گئی۔

تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سلیمان علیہ السلام کو ملا اللہ نے اس سے بہتر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے موازنہ:

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثالیں دیکھیے:

❁ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے احیائے موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا، وہ مردوں کو تھوڑی دیر کے لیے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اور اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احیائے قلوب کا معجزہ عطا فرمایا۔ کافر آتے تھے ایک نظر ان کے اوپر پڑتی تھی ان کے دل زندہ ہو جاتے تھے، کافر آتے تھے، اللہ کے فضل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان بن کر واپس جاتے تھے۔

❁ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کھانے پینے سے مستغنی فرما دیا، وہ آسمان پر ہیں اور کھانے پینے سے مستغنی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتیوں میں سے کچھ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ کھانے پینے سے مستغنی فرما دیں گے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب یاجوج ماجوج کا زمانہ ہوگا تو میرے کچھ امتی اپنی جگہ پر چھپے ہوئے ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ ''سبحان اللہ'' کے ذریعے سے رزق عطا فرمائے گا، یہ سبحان اللہ پڑھا کریں گے ان کی بھوک پیاس مٹ جایا کرے گی۔

❁ عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے پرندے زندہ ہوتے تھے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے اللہ نے ایک لکڑی کے تنے کو زندہ کر دیا۔ چنانچہ اسطوانۂ حنانہ کا واقعہ آج بھی کتابوں کے اندر موجود ہے اور مسجد نبوی میں وہ جگہ مخصوص کی ہوئی ہے جہاں ایک کھجور کا خشک تنا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے اندر اتنا رویا تھا جیسے بچہ اپنے باپ کی جدائی میں رویا کرتا ہے۔ تو پرندوں کو زندہ کرنا تو ایک آسان کام ہے کہ پہلے بھی زندگی تھی لے لی گئی، اب دوبارہ تھوڑی دیر کے لیے مل گئی، لیکن کھجور کے تنے کا بچوں کے مانند رونا یہ اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا وہ کھجور کا تنا اس طرح چپ ہوا جیسے ایک بچہ سسکیاں لیتا ہوا، روتا روتا چپ ہو جایا کرتا ہے۔



عیسیٰ علیہ السلام کے محافظ روح القدس تھے اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ روح القدس کے خالق تھے، خود اللہ رب العزت تھے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة:٦٧)

''اے میرے محبوب! اللہ تعالیٰ ہی آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔''

نبی علیہ السلام تمام انبیا کے کمالات کے جامع:

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رب العزت نے وہ تمام کمالات دیے جو باقی انبیا کو عطا فرمائے، شاعر نے کہا:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

''یوسف علیہ السلام کا حسن، عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ کرنا، موسیٰ علیہ السلام کا روشن ہاتھ، سب میں یہ خوبیاں اپنی اپنی ہیں، مگر تو اکیلا یہ سب خوبیاں رکھتا ہے''

کہ پہلے انبیا کو اللہ نے جو معجزات عطا کیے، کمالات عطا کیے، اے میرے حبیب! ہم نے وہ تمام کمالات آپ اکیلے کو عطا فرما دیے۔

روزِ محشر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ امتیاز:

یہ تو وہ چیزیں تھی جو باقی انبیا کو بھی ملیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑھ کر ملیں۔ کچھ چیزیں ایسی تھیں جو پہلے انبیا کو نہ ملیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیازی شان عطا فرمائی۔ وہ کیا تھی؟

❁ قیامت کا دن ہوگا سب سے پہلے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جائے گا

چنانچہ فرمایا:

((فَیَکُوْنُ أَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی مُحَمَّدًا فَذَالِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا)) (تفسیر مظہری سورۃ بنی اسرائیل)

''سب سے پہلے جنہیں پکارا جائے گا وہ محمد ﷺ ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے گا''

❁ چنانچہ قیامت کے دن ساری مخلوق اللہ کے سامنے کھڑی ہوگی، لیکن سب سے پہلے اللہ رب العزت کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ سجدہ فرمائیں گے۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ)) (مسند احمد، حدیث: ۲۱۷۳۷)

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب سجدے کا حکم فرمائیں گے تو سب سے پہلے میں ہی سجدہ کروں گا۔''

یہ شرف بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔

❁ قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے سے اللہ کے حبیب ﷺ سر اٹھائیں گے۔ چنانچہ نبی نے فرمایا:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ یَّرْفَعُ رَأْسَہٗ)) (مسند احمد، حدیث: ۲۱۷۳۷)

''سب سے پہلے سجدے سے میں ہی پہلے اٹھوں گا''

❁ اور قیامت کے دن آقا ﷺ أَوَّلُ الشَّافِعِیْنَ وَالْمُشَفَّعِیْنَ ہوں گے۔

چنانچہ ابونعیم کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَّأَوَّلُ مُشَفَّعٍ))

''میں پہلا سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا ہوا ہوں گا''

میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ یہ شفاعت کا حق بھی اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائیں گے۔

❖ پھر آقا ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن سب سے پہلے پل صراط کو عبور کروں گا۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

((یُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُّجِيْزُ))(بخاری، حدیث:۶۵۷۳)

''جہنم کے اوپر پل صراط بنی ہوگی اور اس پل صراط کو سب سے پہلے (اللہ رب العزت کے اذن سے) میں ہی عبور کرنے والا بنوں گا''

❖ اور قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ کے حبیب ﷺ ہی جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائیں گے۔ ابونعیم کی روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ))

''میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا''

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں جنت کے دروازے پر پہنچوں گا اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا کہ اس کو کھول دیا جائے، پھر آقا ﷺ کے لیے جنت کے دروازے کو کھولا جائے گا۔

چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ تُفْتَحُ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ))(معجم ابن عساکر، حدیث:۳۲۹)

''میں ہی ہوں گا جس کے لیے قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔''

❁ اور پھر اللہ کے حبیب ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ بیہقی شریف کی روایت ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيمَةِ وَلَا فَخْرَ))

''میں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور مجھے اس کے اوپر کوئی فخر نہیں ہے۔'' (شعب الایمان، حدیث:۱۴۰۹)

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا:

تو ان تمام احادیث اور آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے انبیا کو جتنے معجزے عطا فرمائے، وہ سارے کے سارے معجزے، بہترین شکل میں اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی عطا فرمائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے بھی معجزات عطا فرمائے کہ جو پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان کو بلند فرمایا۔ اور ان کو اللہ نے وہ شان دی جو شان مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اللہ کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو وہ شان عطا فرمائی۔ سچ بات تو یہ ہے کہ

کتابِ فطرت کے سر ورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح و قلم نہ ہوتا
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفلِ کن فکاں نہ ہوتی اگر وہ شاہِ امم نہ ہوتا

ایمانی غیرت کا فطری تقاضا:

اب ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایک جذباتی تعلق رکھتے ہیں، یہ ایمانی غیرت کہلاتی ہے۔ عام لوگوں میں سے اگر کسی بندے کو باپ کی گالی دے دو، ماں کی گالی دے دو، تو اس کی غیرت جاگتی ہے، یہ انسان کی فطرت ہے۔ کہ کون ہوتا ہے میرے ماں باپ کو بات کرنے والا؟ تو یہ ایک فطری غیرت ہر انسان کے اندر ہوتی ہے کہ وہ ماں باپ کے لیے گالی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ فطری کے ساتھ ایمانی غیرت بھی شامل ہو گئی۔ چنانچہ جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے اندر کوئی بندہ گستاخی کرے۔

دینِ اسلام کی اعتدال پسندی:

دینِ اسلام اعتدال کا دین ہے، فطرت کا دین ہے۔ سنیے دین اسلام کی کیا خوبصورت تعلیمات ہیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾
(سورۃ الانعام: ۱۰۸)

”کہ اے ایمان والو! تم ان کافروں کے معبودوں کو برا نہ کہو کہ یہ اپنی جہالت کی وجہ سے بے علمی کی وجہ سے خدا کو برا نہ کہنے لگ جائیں“

تو شریعت نے منع کر دیا کہ دیکھو! دوسرے لوگ اگر اس بات سے Heart (دل آزاری) ہوتے ہیں تو تم ایسی بات نہ کرو۔ اب دیکھو! دین اسلام کی کتنی خوبصورت تعلیم ہے! ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آج کے دور میں جو بڑے تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے زیادہ با اخلاق لوگ ہیں تو ان کو بھی اس بات کی رعایت کرنی چاہیے کہ اگر کسی بات کے کرنے سے دوسرا بندہ ہرٹ ہوتا ہے تو وہ اس بات کو نہ کریں۔

کفار کا مشغلہ:

لیکن لگتا یوں ہے کہ آج کے زمانے میں کفار نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے، ہر تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد جان بوجھ کر (Intentionaly) وہ ایسا کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے ہیں جس سے کہ مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ دراصل وہ مسلمانوں کی غیرت کو ناپتے ہیں، تولتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ یہ لٹمس ٹیسٹ بنالیا ہے انہوں نے۔ قصائی جب کسی بکری کو ذبح کرتا ہے تو وہ اس کے گھٹنے کے اوپر چھری مار کر دیکھتا ہے کہ ابھی زندہ ہے یا مردہ ہے، یہ اس کا ٹیسٹ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح آج مادی اعتبار سے کفر نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ وہ سمجھتا ہے اب ہمارے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے، ہم جو چاہیں کسی کے ساتھ کریں، ہم سے کوئی بھی پوچھنے والا نہ ہو۔ مسلمانوں کی غیرت کو للکارنے کے لیے وہ بار بار خاکے چھاپتے ہیں اور پھر اس کو کہتے ہیں کہ ہماری تو یہ زبان کھلی ہونے کی دلیل ہے۔ ہم تو جی اس میں (Freedom of Speach) آزادئ اظہار کے قائل ہیں۔ تو بھائی! یہ آزادی اظہار تو سب کے لیے ہونی چاہیے۔ ذرا غور کریں! یہودیوں کو

ایک مرتبہ بہت مارا پیٹا گیا تھا اور اس کا نام انہوں رکھا ہوا ہے ہولو کاسٹ۔ اب یہ ہولو کاسٹ کے بارے میں امریکہ کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی بندہ کہے کہ ہولو کاسٹ غلط تھی، نہیں تھی، جھوٹی تھی، اس بات کے کرنے پر اس بندے کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اب بتائیں! ایک بات کے کرنے سے کسی بندے کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ تو قانون کے مطابق گیا جیل میں اور ہمارے آقا ﷺ جن کے ساتھ ہمیں ایک جذباتی لگاؤ ہے، محبت ہے، ان کی شان میں اگر کوئی گستاخی کرے تو ہمارے دل پر کیا بیتتی ہے اس کا احساس کسی کو نہیں ہوتا۔

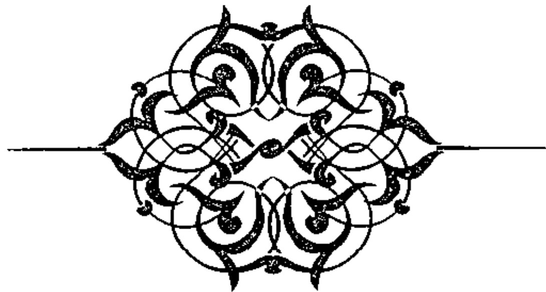
گلہ تو اپنوں سے ہے:

اور اس پر رونے کی بات یہ ہے کہ کفار کا تو کیا گلہ کرنا وہ تو ہیں بد بخت کافر، ان کی طاقتوں سے مرعوب ہو کر جو ہمارے حکمران ہیں وہ بھی انہیں کو خوش کرنے کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اللہ ہمارے حکام کو سمجھ عطا فرمائے اور ان کو یہ عقل عطا فرمائے کہ یہ کفار تمہارے دوست نہیں، یہ نہ موت کے وقت کام آئیں گے، نہ تمہیں قبر میں کام آئیں گے، نہ حشر میں کام آئیں گے، تم اکیلے رہ جاؤ گے۔ وہ ہستی جس کی شفاعت پر اللہ رب العزت تمہیں آخرت میں کامیابی دیں گے، وہ میرے آقا، حضرت محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ لہٰذا ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں، ہم ان کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

ایک دردمندانہ گزارش:

ہم اپنے حکام کی خدمت میں یہی گزارش کرتے ہیں کہ ایک قانون بن چکا ہے،

جسے ناموسِ رسالت کا قانون کہا جاتا ہے، قانون بنا دیا بنانے والوں نے، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اب یہ اتنی بڑی غلطی نہ کریں کہ اب یہ اس قانون کو بدلنے کی کوشش کریں۔ اگر یہاں بدلو گے اللہ کے دفتروں میں تمہارے ناموں کو بدل کر رکھ دیا جائے گا۔ پھر روؤ گے، تمہیں کوئی چپ کروانے والا نہیں ہوگا۔ پھر تم اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کر سکو گے۔ اللہ رب العزت ہمیں سمجھ عطا فرمائے، ہم نبی ﷺ کی حرمت کے اوپر، عزت کے اوپر، ناموسِ رسالت کے اوپر قربان ہونے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور یہ گزارش کرتے ہیں کہ یہ ایک نازک مسئلہ ہے، عقل مندی سے کام لینا چاہیے اور فقط کفار کی خوشنودی کے لیے اسلامی قوانین میں ترامیم کرنے کی حماقت ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پوری زندگی ہمیں اپنے آقا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ اللہ ہمارے دلوں میں ان کی محبت کو بھر دے، اس محبت کو ہم زندگی کا سرمایہ سمجھتے ہیں، اسی محبت پر ہم جینا چاہتے ہیں، اسی محبت کے اوپر ہم مرنا چاہتے ہیں اور قیامت کے دن اسی محبت کے ساتھ ہم اپنے آقا ﷺ کے ساتھ پیش ہونا چاہتے ہیں۔





نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائمی معجزے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ (ال عمران:۱۷۳)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

وقت کے تقاضوں کے مطابق معجزے:

اللہ رب العزت نے لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنا سکھانے کے لیے انبیائے کرام کو دنیا میں بھیجا۔ پھر ان انبیا کی مدد و نصرت کے لیے معجزات عطا فرمائے۔ ہر نبی کو ان کے دور کے مطابق معجزے ملے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری بڑے عروج پہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

ان کو یہ معجزہ دیا کہ ان کا عصا اژدہا بن جاتا تھا۔لہٰذا جب جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرمادیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا فن اپنے عروج پہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے بھی ایسے ہی عطا کیے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (ال عمران:۴۹)

''میں اپاہج کو، برص والے کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔''

قُمْ! بِاِذْنِ اللّٰهِ فرماتے تھے اور مردہ تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہوجاتا تھا۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو عربوں میں زبان دانی کا فن اپنے عروج پہ تھا۔شعرو ادب کا زمانہ تھا۔عکاظ کا میلہ لگتا تھا اور لوگ اس میں ہزاروں اشعار پڑھتے تھے۔ایک ایک بندے کو ہزاروں اشعار یاد ہوتے تھے۔ان کو اپنی زبان پہ اتنا عبور حاصل تھا کہ اپنے آپ کو وہ ''عرب'' کہتے تھے اور باقی دنیا کو ''عجم'' یعنی گونگا کہتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ عربوں جیسی فصاحت و بلاغت کہیں اور نہیں ہے۔ان کو اس بات پر گھمنڈ تھا۔

اس دور میں اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن مجید عطا فرمایا، یہ ایسا معجزہ تھا کہ جس نے لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۸)

''اے انسانوں اور جنوں کی جماعت! اگر تم سب کے سب جمع ہو جاؤ قرآن مجید جیسا کوئی کلام پیش کرنے پر، تو تم ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے، اگر چہ تم میں سے بعض بعض کے



مددگار رہیں''

وہ لوگ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دشمنی اور کینہ رکھتے تھے، مرنے مارنے پر تل گئے تھے، ان لوگوں کے لیے اگر اس چیلنج کو قبول کرنا آسان ہوتا تو وہ اس کو کر گزرتے، مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی، حتیٰ کہ قرآن مجید نے یہ بھی فرما دیا:

﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ (البقرۃ:۲۳)

یعنی اگر اس جیسا پورا قرآن نہیں بنا سکتے تو ایک سورت ہی اس جیسی بنا کے دکھا دو، لیکن وہ اس چیلنج کو بھی قبول نہ کر سکے۔ ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ کیسا کلام ہے۔ ان کے شعرا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔ وہ کہتے تھے: واقعی اس کلام جیسا اور کوئی کلام ہو نہیں سکتا۔

دائمی نبوت اور دائمی معجزے:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سارے معجزات عطا فرمائے۔ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت دائمی ہے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، لہٰذا جو معجزے ملے وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اب ایک دو سادہ سی مثالوں سے اس بات کو واضح کیا جائے گا۔

جمرات سے کنکریاں اٹھ جانے کا معجزہ:

جو لوگ حج پر گئے ہیں، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جب شیطان کو کنکریاں مارتے ہیں تو لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اگر ایک بندہ تیرہ ۱۳ ذوالحجہ تک کنکریاں مارے تو اس کی ستر کنکریاں بنتی ہیں...... اس سال اخبار کے مطابق پچاس لاکھ حاجی ہوائی جہاز کے ذریعے سے آئے اور بیس لاکھ حاجی زمینی راستے سے آئے۔ گویا ستر لاکھ

حاجی تھے......اب آپ اندازہ لگائیں کہ ستر لاکھ بندے ہوں اور ہر بندے نے ستر کنکریاں مارنی ہوں، تو یہ تو کنکریوں کا پہاڑ بن جانا چاہیے، لیکن وہاں پر ایسا نظر ہی نہیں آتا۔ جب بھی کنکریاں مارنے کے لیے جاتے ہیں تو تھوڑا سا ڈھیر نظر آتا ہے اور ایک بلڈوزر دو تین مرتبہ میں وہاں سے ہٹا دیتا ہے۔

یہی بات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھی گئی کہ کنکریاں تو اتنی ماری جاتی ہیں، لیکن وہ نظر نہیں آتیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو کنکری اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جاتی ہے اس کو اللہ کے فرشتے اٹھا لیتے ہیں، اور جو نظر آتی ہیں وہ بچی کھچی کنکریاں ہوتی ہیں۔

اس معجزے کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عقل حیران ہوتی ہے۔ اگر ایک کنکری کا سائز مٹر کے دانے کے برابر بھی ہو تو پھر بھی اگر ستر لاکھ بندے ستر ستر کنکریاں ماریں تو ایک پہاڑ نظر آنا چاہیے، لیکن نظر نہیں آتا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معجزہ قیامت کے دن تک جاری وساری رہے گا۔

آبِ زم زم کا معجزہ:

اللہ رب العزت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زم زم کا پانی عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا نے زم زم کے بند کنویں کو دوبارہ کھودا اور اس میں سے زم زم نکلنا شروع ہو گیا۔ اس زم زم کے پانی کی عجیب برکتیں ہیں۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کے بعد زم زم پیا اور ڈول میں جو بچا ہوا پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واپس کنویں میں ڈال دیا، تاکہ بعد میں آنے والے جتنے بھی حاجی زم زم پییں ان کو میرا جھوٹا پانی پینے کی

سعادت نصیب ہو جائے۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر شفقت کی وجہ سے تھا۔

اب دیکھیے کہ حکومت کو شہر میں پانی پہنچانے کے لیے پانچ چھ ٹیوب ویل، بلکہ بعض شہروں میں تو بارہ بارہ ٹیوب ویل اور اٹھارہ اٹھارہ ٹیوب ویل بھی لگانا پڑتے ہیں، تب جا کر شہر کے لوگوں کی پانی کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ جبکہ زم زم کا تو ایک ہی کنواں ہے۔ اور اس کنویں سے پینے والے کتنے ہیں؟ ستر لاکھ تو حاجی ہیں، کیونکہ جو بندہ بھی حج کے لیے جاتا ہے تو وہ زم زم تو پیتا ہی ہے، اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کے جتنے لوگ ہیں وہ سب زم زم ہی پیتے ہیں، بلکہ ہم نے یہ دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے گرد سو کلومیٹر کے اندر اندر جو شہر اور بستیاں ہیں ان کے لوگ بھی زم زم بھر کے لے جاتے ہیں اور گھروں میں لے جا کر پیتے ہیں۔ پھر سارے حاجی زم زم لے کر بھی جاتے ہیں، بلکہ اب تو ماشاء اللہ! مسجد نبوی میں بھی زم زم پہنچا دیا گیا ہے۔

ایک انجینئر ہونے کے ناتے عقل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایک کنویں سے اتنا پانی نکلنا کیسے ممکن ہے کہ شہر کے بھی لاکھوں لوگ پییں، ستر لاکھ آنے والے بھی پییں، وہ ساتھ گھروں کو بھی لے کے جائیں اور سو کلومیٹر قریب کے ایریا کے ہر شہر اور ہر بستی کے لوگ بھی اس کو پییں۔

یہ کیا چیز ہے؟ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اس زم زم کو ایسا برکت والا بنا دیا ہے کہ یہ سب ضرورتوں کے لیے پورا ہو جاتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حرم میں بیٹھے ہوئے بندے کو کہا جائے کہ آج زم زم ختم ہو گیا ہے، کل دوبارہ ملنا شروع ہو گا، بلکہ جب چاہو، جس وقت چاہو، جتنا چاہو، ٹھنڈا زم زم وہاں ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معجزہ بھی ہر وقت جاری و ساری ہے اور ہر حاجی اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھ سکتا ہے۔ عاجز ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی تو ایسی

جگہ بتاؤ کہ جہاں ایک کنواں لاکھوں بندوں کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہو۔ بڑے بڑے ٹیوب ویل لگے ہوتے ہیں، موٹریں لگیں ہوتی ہیں، مگر پانی پورا کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ اللہ نے اس زم زم کے چشمے کو کیا جاری کر دیا کہ اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا ایک معجزہ ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھا دیا۔

چنانچہ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو معجزے ملے وہ دائمی ہیں اور قیامت تک جاری و ساری رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت بھی رہے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے بھی رہیں گے۔

چار اور دائمی معجزے:

ایک نکتے کی بات جو آج یہ عاجز کہنا چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ ان معجزات کے علاوہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چار معجزات ایسے ہیں جو ہمیشہ کے لیے محفوظ رہیں گے، جاری رہیں گے اور پوری امت ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔

قرآن مجید

پہلا معجزہ اللہ ربُّ العزت کا کلام، قرآن مجید ہے۔ یہ ایک محفوظ کلام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:۹)

''بیشک اس نصیحت نامے کو ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں۔''

چونکہ اللہ رب العزت نے اپنے کلام کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے، اس لیے یہ آج

بھی محفوظ ہے اور رہتی دنیا تک بھی محفوظ رہے گا۔ چودہ سو سال کے اس عرصے میں دنیا میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ دنیا میں کہیں بھی اللہ کا کلام نہ رہا ہو۔ اس طویل عرصے میں تسلسل کے ساتھ ہر وقت اللہ کا کلام کہیں نہ کہیں دنیا میں ضرور موجود رہا ہے۔

یہ کیا چیز ہے؟ یہ اللہ رب العزت کے کلام کا معجزہ ہے۔

قرآن مجید کو مٹانے کی ناکام کوششیں

قرآن مجید کو مٹانے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔

تاتاریوں کی کوشش:

تاتاریوں نے جب مسلمانوں پر فتح پائی تو انہوں نے دجلہ اور فرات میں اتنی کتابوں کو ڈالا کہ وہاں پر پل بن گیا، ایک مہینہ تک دریا کا پانی سیاہ ہو کر چلتا رہا۔ کتابوں کی سیاہی اترتی رہی اور پانی کالا ہو کر بہتا رہا، وہ چاہتے تھے کہ اس کو ختم کر دیا جائے، لیکن وہ خود تو ختم ہو گئے، لیکن اللہ کا قرآن ختم نہ ہوا، دنیا میں موجود رہا۔

فرنگیوں کی کوشش:

اس کے بعد دوسری کوشش اس وقت کی گئی جب یہاں متحدہ ہندوستان تھا۔ فرنگی نے جب یہاں پر آ کر حکومت کی اس نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کا قرآن سے رشتہ توڑ دو۔ بہت کوشش کی گئی، مگر اللہ کا کرم ہوا کہ قرآن آج بھی اسی طرح موجود ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صداقت کے پرچم کو لہرا رہا ہے۔

کمیونسٹوں کی کوشش:

پھر تیسری کوشش اس وقت کی گئی جب ایشیا میں ''کمیونزم'' آیا، چنانچہ انہوں نے

اپنے پورے ملک میں قرآن کو بھی بین کر دیا یعنی پابندی لگا دی۔ اس کی زبان ''عربی'' کو بھی بین کر دیا اور قانون یہ بنا دیا کہ اگر کسی گھر سے عربی زبان میں لکھا ہوا کاغذ بھی نکلے گا تو ہم اس گھر کے ہر فرد کو پھانسی دے دیں گے۔ ستر سال ایسے بھی گزرے کہ مسلمان اپنے گھروں میں قرآن مجید رکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ جہاں سے بھی قرآن مجید کا ایک صفحہ نکل آتا تھا وہاں گھر کے سب لوگوں کو پھانسی دے دی جاتی تھی۔ نسلیں گزرتی گئیں، مگر اللہ کے قرآن کو گھر میں رکھا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روسی عورت کی بے قراری:

مجھے ایک مرتبہ تاشقند جانے کا موقع ملا۔ علما بھی ساتھ تھے۔ ایک خاتون نے جب ہمیں دور سے دیکھا تو وہ قریب آ کر پوچھنے لگی: کیا آپ مسلمان ہیں؟ میں نے کہا: الحمدللہ! مسلمان ہوں۔ وہ کہنے لگی: کیا آپ کے پاس قرآن ہے؟...... میری جیب میں ایک چھوٹے سائز کا قرآن مجید تھا۔ جو عام طور پر سفر میں ساتھ رکھتے ہیں۔ میں نے وہ اسے دکھایا کہ یہ قرآن ہے۔ اس نے پوچھا: کیا میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ ضرور دیکھیں۔ جب اس کو قرآن مجید دیا تو وہ اسے چومنے لگی، آنکھوں سے لگانے لگی، سینے سے لگانے لگی۔ جیسے کوئی بچھڑا ہوا بندہ کسی سے بڑی چاہتوں اور محبتوں کے ساتھ ملتا ہے، ایسے دیوانوں کی طرح وہ قرآن مجید کو پیار کرنے لگی۔

ہمارے ایک عالم نے پوچھا: آپ اس کو اتنا دیوانہ وار پیار کیوں کر رہی ہیں؟ وہ کہنے لگی: میری عمر اس وقت انتالیس سال ہے۔ میرے والدین بھی مسلمان تھے اور انہوں نے مجھے بھی کلمہ پڑھایا تھا، لیکن ان انتالیس سالوں میں آج پہلی مرتبہ اللہ کے کلام کو دیکھ رہی ہوں۔

وہاں ایسی پابندی لگائی گئی، لیکن اللہ کی شان دیکھیں کہ قرآن مجید وہاں پر بھی موجود رہا اور حافظ بھی رہے۔

حکومتِ وقت کی حیرانی:

ہمیں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں جانے کا موقع ملا۔ وہاں کی حکومت نے اس وقت ایک ''قرأت کانفرنس'' منعقد کروائی۔ اس کانفرنس میں شمولیت کے لیے شرط رکھی گئی کہ صرف حافظ اور قاری حضرات درخواست دے سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید ہمارے ملک میں زیادہ سے زیادہ سو نہیں، تو دو سو حافظ ہوں گے، لیکن اللہ کی شان! ان کی آنکھیں اس وقت کھلی کی کھلی رہ گئیں جب چودہ ہزار حفاظ نے قرآن پڑھنے کے لیے درخواستیں جمع کروائیں، وہ حیران ہوئے کہ یہاں تو قرآن تھا ہی نہیں، یہ حافظ کیسے بن گئے؟ جی ہاں! یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے کہ ظاہر میں قرآن نہ ہونے کے باوجود وہاں حفاظ پیدا ہو گئے۔

دو ایمان افروز واقعات:

① ...... ہمارے ایک دوست تھے۔ وہ اسٹیل مل کے اندر ایک بڑے انجینئر تھے۔ چونکہ اسٹیل مل رشیا سے لی گئی تھی، اس لیے سٹاف کو ٹریننگ کے لیے ماسکو بھیجا گیا۔ جب ہمارے وہ انجینئر دوست ماسکو گئے تو وہاں قیام کے دوران جمعہ کا دن آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: میں تو مسجد میں جا کر نماز پڑھوں گا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا: جی، یہاں مسجدیں تو بند ہیں۔ صرف دو مسجدوں کو کھولا گیا ہے، تا کہ سیاح آئیں اور وہ ان کو دیکھ کر چلے جائیں۔

یہ ایک مسجد میں پہنچ گئے، صفائی کی اور نماز پڑھنی شروع کردی۔ وہاں کا دربان کہنے لگا کہ اگر آپ کو کسی نے پکڑ لیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ اس نے کہا: بھئی! میں سرکاری مہمان ہوں، اپنے گھر میں بھی مسلمان تھا اور یہاں بھی مسلمان ہوں، مجھے اپنے پروردگار کی نماز پڑھنے سے کون روک سکتا ہے؟

جب اس نے نماز پڑھی تو ایک چھوٹا سا بچہ اس کے پاس آیا اور اشارے سے کہا کہ آپ کو میرے ابو بلا رہے ہیں۔ جب مسجد سے باہر نکلے تو سامنے ہی ان کا گھر تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں وہاں چلا گیا۔ ان لوگوں نے کنڈی لگا دی۔ اس وقت ان کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ جب انہوں نے کنڈی لگا دی تو ان کے چہروں سے خوف ختم ہو گیا اور وہ خوش ہو کر میری طرف لپکے۔ جب وہ ملے تو کہنے لگے: مسلمان! مسلمان! ہم بھی مسلمان ہیں۔ وہ لوگ اردو اور انگلش زبان نہیں جانتے تھے اور میں رشین نہیں جانتا تھا۔ اس لیے ہم اشاروں میں ہی باتیں کرنے لگے۔ خیر! انہوں نے کھانا کھلایا، چائے پلائی اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

میرے سامنے چند بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا تم قرآن مجید پڑھے ہوئے ہو؟ ایک نے کہا: ہاں۔ میں نے جیب سے قرآن پاک نکال کے اس کے سامنے رکھا اور میں نے کہا: تم ذرا پڑھ کے سناؤ۔ وہ بچہ میرا منہ دیکھتا رہا، پڑھ نہیں رہا تھا۔ میں نے پھر اسے کہا، لیکن وہ پھر بھی نہ پڑھ سکا۔ میں نے جب اس کے والد کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہے تھے۔ میں حیران ہوا کہ وہ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ اس دوران میں نے ایک آیت پڑھنا شروع کردی اور کہا کہ یہاں سے پڑھو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:٦)

کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے دو تین لفظ پڑھنا شروع کیے تو اس بچے نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ میں حیران تھا کہ پہلے پڑھتا نہیں تھا اور اب پڑھنا شروع کیا ہے تو رکتا ہی نہیں ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

پھر اس کے والد نے مجھے کہا: دیکھیں! ہم اپنے گھروں میں قرآن مجید نہیں رکھ سکتے، کیونکہ اس کے رکھنے پر پابندی ہے۔ ہمارے پاس جو پرانے حافظ ہیں، ہم اپنے بچوں کو ان کے پاس بھیجتے ہیں، درزی کا فن سیکھنے کے لیے، یا کوئی اور کام سیکھنے کے لیے، وہ استاد ان کو وہ کام بھی سکھاتے ہیں اور ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا قرآن بھی یاد کراتے رہتے ہیں۔ جیسے نابینا بچے کو روزانہ دو تین آیات زبانی سبق دیا جاتا ہے، ان کو اس طرح سبق بھی دے دیا جاتا ہے، ہمارے بچے یاد کرتے کرتے پورے قرآن کے حافظ بن جاتے ہیں، لیکن چونکہ قرآن دیکھا نہیں ہوتا اس لیے ان کو ناظرہ پڑھنا نہیں آتا۔ اللہ اکبر کبیرا!

وہ کہنے لگے: جب ہم نے اپنی آنکھوں سے قرآن پاک کا معجزہ دیکھا تو دل سے آواز آئی: لوگو! تم کاغذ پر لکھے ہوئے قرآن کو تو بین کر سکتے ہو، سینے میں لکھے ہوئے قرآن کو تم کیسے بین کرو گے؟ تو قرآن مجید کو ختم کرنے کی کئی بار منظم کوششیں کی گئیں، لیکن چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی قرآن پاک اپنی اصل شکل میں موجود ہے، کتابی شکل میں اور حفاظ کی شکل میں بھی۔ آج بھی لاکھوں مرد اور لاکھوں عورتیں قرآن مجید کو اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

......ایک مرتبہ امریکہ میں میرے پاس دو تین علما آئے۔ وہ کہنے لگے: جی! یہاں ایک Interfaith بین المذاہب کونسل بنی ہوئی ہے جہاں مختلف مذاہب کے سربراہ آتے ہیں اور اپنے اپنے مذہب کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم میں سے ایک دو

بندوں نے وہاں جانا شروع کر دیا، لیکن وہ اتنے چالاک ہیں، اتنے سمارٹ ہیں، اتنے عیار ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی دین پڑھا ہوا بندہ جاتا ہے تو اس سے سائنس کی باتیں پوچھتے ہیں اور اگر کوئی سائنس پڑھا ہوا جاتا ہے تو اس سے دین کی باتیں پوچھتے ہیں۔ اور اگر کوئی بندہ جاتا جو دین اور سائنس دونوں کے بارے میں جانتا ہے تو اس سے وہ روحانیت کی باتیں پوچھتے ہیں، اس طرح وہ ہر آنے والے بندے کو عاجز کر دیتے ہیں، اب ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ وہاں جائیں اس فریضہ کو پورا کریں۔

میں نے پہلے تو ان سے بڑی معذرت کی، لیکن وہ کہنے لگے: جی! ہم آپ کے پاس چل کر آئے ہیں اور آپ سے کہہ رہے ہیں کہ اس وقت ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم وہاں جائیں اور اسلام کی نمائندگی کریں۔ خیر! ان کے اصرار پر میں وہاں چلا گیا اور ان کو بتا دیا کہ آئندہ یہ عاجز میٹنگ میں آتا رہے گا اور اگر آپ کو اسلام کے بارے میں کچھ پوچھنا ہوگا تو آپ مجھ سے پوچھیے گا۔ جواب آتا ہوگا تو میں خود بتا دوں گا، اگر نہیں آتا ہوگا تو میں اپنے بڑوں سے پوچھ کر یا کتابوں سے مطالعہ کر کے آپ کو بتا دوں گا۔ اس بات پر وہ مطمئن ہو گئے اور میں نے جانا شروع کر دیا۔

وہاں ایک بات تو میں نے یہ دیکھی کہ ان میں سے جو یہودی عالم تھا جسے ربائی کہتے ہیں، وہ مجھے بڑے غور سے دیکھتا۔ خاص طور پر جب وہ میرے عصا کو دیکھتا تو لگتا یہ تھا کہ اس کا دل گدگداتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ سنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے، یہ مسلمان اس کے وارث بن گئے اور ہم محروم ہو گئے۔ ایک دن مجھے کہنے لگا:

You always come with a different respective look

''آپ ہمیشہ ایک باوقار شخصیت بن کر آتے ہیں''

مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ جو عمامہ تھا، جبہ تھا، عصا تھا، ان کا اس کے دل پر اثر ہو گیا تھا۔
ایک دن سیکرٹری کہنے لگا: جی! اگلی میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہوگا؟ میں نے کہا: جس دین والے کے پاس جو ورڈ آف گاڈ (اللہ کا کلام) ہے جو ان کے نبی پر اترا، ہر ایک وہ پڑھ کر سنائے گا۔ اس کو یہ آئیڈیا بڑا اچھا لگا اور اس نے فوراً کہہ دیا کہ اگلی میٹنگ میں ہر دین والے اپنے اپنے نبی پر اترنے والا اللہ کا کلام پڑھ کر سنائیں گے۔
جب اگلی دفعہ میٹنگ شروع ہوئی تو وہ صاحب مجھے ہی کہنے لگے: جی! آپ نے ہی آئیڈیا دیا تھا، لہٰذا اب آپ ہی شروع کریں...... جیسے ہم کہتے ہیں: جو بولے وہی کنڈی کھولے...... خیر! میں نے سورت فاتحہ پڑھی اور پھر آسان انگریزی میں اس کا ترجمہ ان کے سامنے کر دیا۔

میں نے سورت فاتحہ کیوں پڑھی؟ اس لیے کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلی کتابوں میں جو کچھ نازل کیا وہ سارا کچھ قرآن مجید میں نازل کر دیا۔ پھر جو کچھ پورے قرآن میں اللہ نے نازل کیا، وہ سورۃ بقرہ کے اندر نازل فرما دیا۔ اور جو کچھ سورۃ بقرہ کے اندر نازل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سورۃ فاتحہ میں نازل کر دیا۔ اس لیے اس کو ''فاتحۃ الکتاب'' بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ پورے قرآن مجید کا دیباچہ اور سمری ہے۔ تو چونکہ پورے قرآن مجید کی تعلیمات اس سورت کے اندر سمٹ کے آ گئیں، لہٰذا اس کو پڑھنا گویا پورے قرآن کی تعلیمات ان کے سامنے پیش کرنے کے مانند ہے۔
اس کے بعد ایک پادری (عیسائیوں کا عالم) بیٹھا ہوا تھا، اب اس کی باری تھی۔ اس نے تو اپنی انگریزی والی بائبل کھولی اور اس میں سے اس نے ''پہاڑی کا وعظ'' پڑھنا شروع کر دیا۔ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک پہاڑی کا وعظ ہے جس کو

وہ بہت ہی جھوم جھوم کے پڑھتے ہیں۔...... جب اس نے ایک دومنٹ پڑھا تو میں نے پوائنٹ ریز کیا اور میں نے سیکرٹری سے کہا: کہ میں ایک پوائنٹ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: جی بتائیں۔ میں نے کہا: پچھلی مرتبہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ہر دین والے کے پاس جو ورڈ آف گاڈ (اللہ کا کلام) ہے وہ پڑھ کر سنایا جائے گا، اسی لیے تو میں نے عربی پڑھ کے سنائی، کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ اب میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بائبل، جو ان کے پاس ہے، یہ انگریزی زبان میں نازل ہوئی تھی؟ اب وہ بات کی تہہ تک پہنچا کہ ہم کہاں آ کر پھنسے ہیں۔ چپ ہی رہا۔ اگر کہے کہ عبرانی زبان میں آئی ہے تو ہم نے کہنا تھا آپ تو انگریزی پڑھ رہے ہیں، عبرانی زبان میں بائبل پڑھو۔ تو پھر اس کا جواب یہی ہونا تھا کہ وہ تو ہے ہی نہیں۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر یہودی ربائی آگے بڑھا، کیونکہ آگے اس کی باری تھی، اس کو بھی پتہ تھا کہ میں تورات کا انگریزی ترجمہ لایا ہوں، جبرو زبان میں تو میرے پاس کچھ بھی نہیں، اور یہ مجھ سے بھی یہی سوال کرے گا، تو وہ کہنے لگا: مسٹر احمد!...... وہ مجھے احمد کے نام سے پکارتے تھے اور میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔ وہ مجھے کہنے لگا: مسٹر احمد! میں ایک بات آپ کے سامنے کلیر (واضح) کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں، آج ان میں سے فقط مسلمانوں کے پاس ''اللہ کا کلام'' اصلی شکل میں موجود ہے، باقی کسی کے پاس بھی اللہ کا کلام اصلی شکل میں موجود نہیں ہے۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ! اس دن دل کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ کفر اپنی زبان سے تسلیم کرتا ہے کہ صرف مسلمانوں کے پاس اللہ کا کلام قرآن مجید اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہے۔ یہ جو قرآن مجید محفوظ ہے اس کی بنیادی وجہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معجزہ ہے، جب تک نبوت رہے گی تب تک معجزہ جاری رہے گا۔ کوئی اس کو ختم کر ہی نہیں سکتا۔ جو اس کو ختم

کرنے کا سوچے گا، خود ختم ہو جائے گا قرآن مجید ختم نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی پہاڑ پہ سر مارتا ہے تو اس کی اپنی کھوپڑی دکھتی ہے، پتھر کو کیا ہونا ہوتا ہے؟ تو یہ اللہ کا کلام محفوظ کلام ہے۔

احادیثِ مبارکہ

دوسرا معجزہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے، جسے ہم حدیث مبارکہ کہتے ہیں، کیونکہ حدیثِ مبارکہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب! آپ کو بھیجا گیا کہ آپ پڑھیں اسے ﴿مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِ﴾ جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا۔

آپ اس کو واضح فرمائیں، کھولیں، تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کھولا۔ چونکہ قرآن محفوظ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن کے معنی بیان فرمائے، وہ بھی محفوظ۔ چنانچہ چودہ سو سال کے عرصے میں ایک لمحہ ایسا نہیں آیا کہ پوری دنیا میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی کوئی کتاب موجود نہ ہو۔

حفاظِ حدیث:

بلکہ ہر دور میں، ہر زمانے میں اللہ نے ایسے بندوں کو پیدا کیا جو حدیث کے حافظ بنے۔ آج تو ہم ''حافظ'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں قرآن کے حافظ کے لیے، پہلے زمانے میں حدیث کے حافظ کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیّم، حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہم یہ تمام کے تمام حدیث کے استاد تھے۔ قرآن کے حافظ تو اکثر و بیشتر ہوتے ہی تھے، تاہم قریب کے زمانے میں بھی ایسی ہستیاں گزریں۔ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ہزاروں احادیث یاد تھیں۔ تو یہ احادیث کتابوں میں بھی محفوظ اور دماغوں میں بھی محفوظ۔ اب اس کے واقعات تو

بڑے لمبے ہیں، مگر بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک واقعہ سنا کر آگے چلتے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ:

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث تھے، ان کے ایک شاگرد کی شادی ہوئی اور ابتدائی دنوں میں اسے ایک مرتبہ گھر جانے میں دیر ہوئی۔ بیوی کھانا پکا کے انتظار میں تھی، اس کو غصہ آیا کہ اتنی دیر سے آئے، چنانچہ بولنے لگی: کسی اور کی پروا ہی نہیں، چلے جاتے ہو تو تمہیں کوئی احساس ہی نہیں ہوتا کہ پیچھے والے سبھی مر گئے ہیں یا زندہ؟ جیسے بیویاں اکثر اپنا گانا سناتی ہیں اور خاوند سنتے ہیں کئی مرتبہ۔ تو وہ بھی وہی بولنے لگی۔ خیر! اس نے سمجھایا کہ میں کہیں برے کام کے لیے نہیں گیا تھا، حدیث سننے کے لیے گیا تھا۔ وہ بھی زبان کی ذرا تیز تھی، کئی ہوتی ہیں ناں، مرچ کی طرح۔ وہ کہنے لگی: تمہارے استاد کو کچھ آتا نہیں، تمہیں کیا آئے گا؟ جب استاد کے متعلق بات ہوئی تو یہ بھی غصے میں آ گیا۔ کہنے لگا: اگر میرے استاد کو دو لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو تمہیں میری طرف سے تین طلاق۔ لو جی! اب رات گزری، ذرا بیوی کا بھی دماغ ٹھنڈا ہوا، خاوند کا بھی ٹھنڈا ہوا۔ اندر سے تو دونوں کو یہی تھا کہ طلاق واقع نہ ہو، لیکن حکم کیا ہے؟ یہ پتہ نہیں تھا۔ بیوی نے پوچھا: بتائیں جی! طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ بھئی! یہ بات تو مشروط تھی۔ یہ تو مجھے اپنے استاد سے پوچھنا پڑے گا۔ اگر میرے استاد کو دو لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو پھر طلاق ہوگی۔ خیر! وہ حضرت کے پاس آیا اور پورا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ اب کیا حکم ہے؟ کہ رکھوں یا چھوڑوں۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا: کہ جاؤ میاں! بیوی کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزارو۔ دو لاکھ حدیثیں مجھے اس طرح یاد ہیں جس طرح لوگوں کو سورۃ اخلاص یاد ہوتی ہے۔ (تاریخ بغداد: ۱۰/ ۳۳۵، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۶۸)

فن اسماء الرجال:

قرآن مجید بھی محفوظ اور حدیث مبارکہ بھی محفوظ۔ اللہ نے ایسے بندے پیدا کر دیے جن کو رجال الحدیث کہا گیا۔ وہ حدیث پاک کے حافظ بھی بنے اور ان کی تدوین بھی کر دی۔ انہوں نے ان کو پڑھا اور اس کے لیے انہوں نے چھان پھٹک کر کے اصول بھی بنائے۔ انہوں نے اس کو پڑھا اور جرح اور اسماء الرجال کا ایک پورا فن قائم کیا۔ اگر کوئی آدمی اٹھ کر کہے کہ میں فلاں حدیث جانتا ہوں تو پہلے اس آدمی کو تولا جائے گا کہ یہ اس قابل ہے بھی کہ حدیث بیان کرے، سبحان اللہ! کیا شان ہے اس دین کی! کیا خوبصورتی ہے اس علم کی کہ علما نے اس طرح چھان کے ان احادیث کو محفوظ کیا جس طرح کوئی چھان کے پانی پیتا ہے۔ چنانچہ آج لاکھوں احادیث کتابی شکل میں موجود ہیں اور یہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔ تو قرآن مجید بھی محفوظ اور احادیث مبارکہ بھی محفوظ۔

مدارس عربیہ

تیسرا معجزہ قرآن اور حدیث کو جہاں پڑھایا جاتا ہے، اس جگہ کا نام ''مدرسہ'' ہوتا ہے۔ جب قرآن بھی محفوظ، اور حدیث بھی محفوظ اور مدارس بھی محفوظ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن وحدیث تو محفوظ ہوں اور اس کی حفاظت کی جگہ غیر محفوظ ہو جائے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ دیکھیں! اگر جان دنیا میں موجود ہے تو جسم کے اندر ہی ہے، جسم ہوگا تو اس کے اندر ہوگی۔ اسی طرح یہ مدارس ایک جسم کے مانند ہیں۔ قرآن وحدیث کا علم ان کی روح کے مانند ہے۔ تو اس روح کو یہاں رکھنے کے لیے ان مدارس کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلا مدرسہ:

یہ مدارس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے شروع ہوئے، سب سے پہلا مدرسہ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا اس کا نام تھا۔ ''اصحاب صفہ کا مدرسہ''

صفہ اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ وہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رہتے تھے، وہاں زندگی گزارتے تھے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لاکر ان کو دین سکھاتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلم فرمایا گیا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) (ابن ماجہ، حدیث:۲۲۹)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متعلم۔ یہاں دین کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ اس امت میں دین اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ پھر یہاں سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سیکھ کر دنیا میں نکلے اور انہوں نے پھر تابعین کو سکھایا۔ جو صحابی وہاں گیا وہ خود بخود دین کا ایک مدرسہ بنتا چلا گیا۔ چنانچہ مدرسہ اس عمارت کا نام نہیں ہوتا، استاد اور شاگرد کا بیٹھ کر پڑھنا پڑھانا مدرسہ ہوتا ہے، اگر استاد اور شاگرد کھلے میدان میں جا کر بیٹھ جائیں تو وہ مدرسہ اور اگر انار کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جائیں تو وہ مدرسہ۔ یہ مدارس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے شروع ہوئے اور پوری دنیا میں رہے، آج بھی دنیا میں محفوظ ہیں۔ انہی مدارس کی برکت ہے کہ آج ایک سو سے زیادہ حفاظ کی دستار بندی کے لیے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔

مدارس بند کرنے کی مذموم کوششیں:

ان کو بند کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔

کمیونزم کے ذریعے:

سب سے پہلے رشیا میں جب کمیونزم آیا تو انہوں نے مدرسوں پر بین لگا دیا، چنانچہ

مدرسہ نام کی کوئی چیز رشیا میں موجود نہ رہی، مگر ہوا کیا؟ کہ عمارتیں بند کر دی گئی اور علما جہاں تھے ہر ہر عالم کا گھر ایک مدرسہ بن گیا۔ اس عالم کے پاس نوجوان آتے اور وہ ان کو دین پڑھا دیتے۔

چنانچہ اس عاجز کو سمرقند میں ایک گھر دکھایا گیا اور کہا گیا کہ جب مدارس بند تھے تو ہم نے اس گھر کے درمیان میں ایک بڑا سارا ہال بنایا۔ اور اس میں ضرورت کی ہر چیز پہنچا دی۔ اس کے گرد رہائش کے لیے کمرے بنا لیے، ایک کمرہ جہاں سے اس کا دروازہ تھا، اس کمرے کو ہم نے شراب خانے کی شکل دے دی تھی۔ یہ فلاں بوتل پڑی ہے، یہ فلاں بوتل پڑی ہے اور بے ہودہ قسم کی ننگی تصویریں لگا دیں، کہ جو پولیس والا اس کو دیکھنے آتا وہ سمجھتا کہ یہ شرابی لوگ ہیں۔ انہوں نے گھر میں یہ شراب خانہ بنایا ہوا ہے، لہٰذا یہ کوئی ایسے خطرناک لوگ نہیں، وہ چلا جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہی شراب کی بوتلوں کے پیچھے ہم نے دروازہ بنایا ہوا تھا جو بند کر دیتے تھے۔ استاد اپنے شاگردوں کو لے کے اندر چلا جاتا۔ چھ مہینے کے لیے ہم دروازہ بند کر دیتے، وہ اندر ہی کھاتے پیتے، ضروریات سے فارغ ہوتے، اندر ہی سب کچھ ہوتا۔ صحن میں ماں جھاڑو دے رہی ہوتی تھی اس کا اپنا بیٹا اندر ہال میں ہوتا اور ماں کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ میرا بیٹا رو رہا ہے یا نہیں رو رہا ہے، بھوکا ہے یا اس نے کچھ کھایا ہوا ہے۔ ماں باپ نے قربانی دی۔ چھ مہینے کے بعد پھر ان کو باہر نکالا جاتا تو ایسا بھی ہوتا کہ جاتے ہوئے بچہ ایک لفظ نہیں پڑھا ہوتا تھا، جب واپس آتا تو پورے قرآن کو ناظرہ پڑھنے والا بن جاتا۔ سن کر حیران ہوئے کہ مدرسے ختم کرنے والوں نے اپنی ہمت صرف کر لی، لیکن مدرسے ختم نہ کر سکے۔ ہر عالم نے اپنے گھر کو ہی مدرسہ بنا لیا۔ تو مدارس تو ختم نہیں ہو سکتے۔ عزیز طلبا! مدارس کا وجود اور ان

کا باقی رہنا، موجود رہنا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے، کیونکہ یہی وہ جگہیں ہیں جہاں پہ دین اگلی نسلوں کو سکھایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

فرنگی حکومت کے ذریعے:

ہمارے اس پاک و ہند میں جب فرنگی نے اپنی حکومت سنبھالی، قبضہ کیا تو اس نے کوشش کی کہ مدارس کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے مدرسہ رحیمیہ کو بلڈوزر سے گرا دیا۔ زمین ہی برابر کر دی۔

اس زمانے میں مدارس وقف کی جائیداد سے چلتے تھے، لہٰذا اس وقت جو بندہ مدرسہ بناتا تھا، وہ ایک مربع زمین، دو مربع زمین وقف کر دیتا تھا تو اس کی آمدنی سے طلبا کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، یہ وقف جگہیں تھیں جن سے مدارس چلتے تھے۔ اور رواج ایسا تھا کہ اکثر و بیشتر مدرسے اسی طرح چل رہے تھے۔ اللہ کی شان! اس کافر نے وقف کی تمام جائیدادوں کو سرکاری تحویل میں لے کر مدارس کا گلا گھونٹ دیا۔ ہزاروں مدرسے بند ہو گئے۔

حاکمِ وقت نے یہ سمجھا کہ میں نے تمام مدرسوں کو ختم کر دیا، لیکن علما گھروں میں بیٹھ کے اپنے بچوں کو، ہمسایوں کے بچوں کو، محلے کے بچوں کو، اللہ کا قرآن پڑھاتے رہے، تعلیم کا سلسلہ تو چلتا رہا، مگر مدارس کی عمارتیں نہ رہیں۔

دار العلوم دیوبند کا قیام:

ایسے وقت میں ایک شخصیت تھی، جن کے دل میں دین کا درد تھا۔ ان کا نام تھا حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں سے ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کو دنیا سے محروم کر دیا گیا، یہ تو اتنی بڑی محرومی نہیں ہے، لیکن آنے والی نسلوں

کو دین سے محروم کر دیا جائے گا، یہ تو بہت بڑی محرومی ہے۔لہٰذا دین سے تو امت کو محروم نہیں ہونے دینا۔ چنانچہ اس غم کو دل میں لے کے انہوں نے اپنے سسرال میں جو کہ ایک بستی میں رہتے تھے، جس کا نام تھا ''دیوبند'' وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ شروع کیا۔ ایک انار کا درخت ہے، ایک استاد اور ایک شاگرد، استاد کا نام ملّا محمود، شاگرد کا نام محمود الحسن تھا۔ انار کے درخت کے نیچے طالبِ علمی شروع کر دی گئی، وہ انار کا درخت آج تک اسی جگہ قائم ہے۔ اس عاجز کو وہاں جا کر مراقبہ کی سعادت نصیب ہوئی، میں اس درخت کو دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! اس جگہ سے آپ نے کیسے فیض کو جاری فرما دیا۔ بالآخر انہوں نے یہ سلسلہ اتنا سادگی کے ساتھ چلایا کہ کسی نے نوٹس ہی نہ لیا کہ یہ بھی کوئی مدرسہ ہے۔

شروع شروع میں مدرسہ میں مطبخ کا انتظام بھی نہیں تھا، بستی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں ایک طالب علم کا کھانا پکاتے یا دو کا، وہ طالب علم وہاں جا کر کھانا کھا لیتا۔ یوں مدرسہ اللہ توکل چل رہا تھا اور چلانے والے نے بھی آٹھ اصول بنائے۔ جن کو ''اصول ہشت گانہ'' کہا جاتا ہے، پہلا اصول اس میں یہ تھا کہ: مدرسے کے لیے کسی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔

اللہ کی شان دیکھیں! آج ہمارے ایمان اتنے کمزور کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مدرسہ کے لیے آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ بنا دے۔لیکن ہمارے اکابر کا یہ حال ہے کہ فرمایا: مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ کسی نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: نگاہیں اللہ رب العزت سے ہٹ کر اگر لوگوں پر آ کر جم گئیں تو اللہ کی مدد سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ تو اللہ توکل یہ مدرسہ شروع کیا۔

علم وفن کے مراکز:

اس زمانہ میں علم کے تین مراکز تھے۔

ایک مرکز تھا دہلی میں قرآن وحدیث کا، جہاں خاندانِ ولی اللہ نے بیٹھ کر علم کی شمع روشن کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا، ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر لکھی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ۔ دونوں نے اردو میں ترجمہ کیا، ایک نے تحت اللفظ ترجمہ کیا اور دوسرے نے بامحاورہ ترجمہ کیا، مگر قبولیت دیکھیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ''شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ الہامی تھا'' چنانچہ (علما کی مجلس ہے تو ایک طالب ہونے کے ناطے) ایک دو مثالیں بیان کر دیتا ہوں۔ قرآن مجید کی اس آیت کا ترجمہ اکثر مفسرین نے لکھا:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود: ۱۱۴)

''بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو''

اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا: ''نیکیاں مٹاتی ہیں برائیوں کو'' اور حاشیے میں لکھا کہ جتنی میل اتنا صابن، جیسے صابن میل کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی نیکیاں گناہوں کی ظلمت کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ الہامی بات تھی کہ اس کی حقیقت سمجھ میں آ گئی، مفہوم سمجھ میں آ گیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ (المؤمنون: ۵)

مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا:

''جو حفاظت کرتے ہیں اپنی شرم گاہوں کی''

حضرت شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ لکھا:

''جو تھامتے ہیں اپنی شرم گاہوں کو''

اب حفاظت کرنا وہ معنی نہیں دیتا جو معنی ''جو تھامتے ہیں'' دیتا ہے۔یعنی جذبہ اندر موجود ہوتا ہے، لیکن وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے اس جذبہ کو روکتے ہیں۔تو تھامنے کا لفظ مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت کے الفاظ ہیں:

﴿لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (النسآء:۴۳)

مفسرین نے اس کا ترجمہ لکھا:

''یا تم ہاتھ لگاؤ عورتوں کو''

اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ لکھا:

''یا تم لگو عورتوں کو''

ایسے الفاظ کہے کہ سب اختلافات ہی ختم کر دیے، بات خود بخود سمجھ میں آجائے۔یہ الہامی ترجمہ ہے جو شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

تو قرآن اور حدیث کا ایک مرکز دہلی میں تھا اور ایک مرکز تھا ذکر کا اور اصول فقہ کا لکھنؤ میں۔

ایک خیر آباد میں فنون کا مرکز تھا۔علم النحو کے بہت ہی کامل اساتذہ وہاں گزرے۔

تو یہی تین الگ الگ جگہیں تھیں علوم کے مراکز کی۔

دارالعلوم دیوبند کی قبولیت:

لیکن اللہ کی شان! جب کہ مسلمانوں کو آزادی ملی تو دارالعلوم دیوبند ایک جامعہ بن کر ان تمام علوم کے ایک کامل مدرسے کے طور پر ابھرا۔سارے علوم سمٹ کر اس کے پاس آ گئے، چنانچہ وہاں سے جن حضرات نے فیض پایا انہوں نے ہندوستان میں بھی اپنے مدرسے بنائے اور پاکستان میں بھی مدرسے بنائے، جتنے بڑے بڑے مدارس اس وقت ملک میں ہیں

یہ سب انہی حضرات کے بنائے ہوئے ہیں جنہوں نے وہاں سے علم حاصل کیا۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ایک ایسا بوٹا لگوا دیا جس کا فیض آج بھی پوری دنیا کے اندر موجود ہے۔قبولیت کا عالم یہ تھا کہ پشاور سے لے کر کلکتہ تک کے طلبا دار العلوم دیوبند علم پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ پہلے مہتمم تھے حضرت مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ رب العزت نے اس عالم کو بہت قبولیت عطا فرمائی۔آج دنیا سمجھتی ہے کہ اگر قوم کو فرنگی سے آزادی ملی تو کس وجہ سے ملی؟ دار العلوم دیوبند کی وجہ سے۔ کہنے والے نے کہا:

کوہسار یہاں دب جاتے ہیں
طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اِک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں منارہ ہے

مدرسے ختم کیوں نہیں ہو سکتے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرسے ختم کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں جو ایمان والے لوگ ہیں، ان کا جب تک اللہ پر ایمان مضبوط ہے تب تک مدرسے ختم نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بندہ پوری عوام کو ایمان سے محروم کر دے۔

مدرسے چلتے کیسے ہیں؟

اب مدرسے کیسے چلتے ہیں؟ دیکھیے ذرا:

❖ کسی کو اللہ رب العزت نے بیٹا دیا، اب اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں صدقہ کروں، اب اس کو کسی نے کہا تو کچھ نہیں۔ بیٹا ملنے کی خوشی میں وہ خود ہی یہ سوچتا ہے اور رقم لا کے مدرسے کے مہتمم کے حوالے کر دیتا ہے۔

❖ کسی بندے کے گھر میں اس کی بیوی فوت ہو گئی، اب اس کا جی چاہتا ہے کہ میں اس کو ایصال ثواب کروں، وہ کیا کرتا ہے؟ وہ بکرے خریدتا ہے اور مدرسہ کے مہتمم کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

❖ کوئی بندہ بیمار ہوتا، اب وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے شفا دے دے اور میں ایک بوری گندم کی اس کے راستے میں صدقہ کروں گا۔ نہ خوشی ختم ہو سکتی ہے اور نہ غمی۔ جب ان تمام حالتوں میں ایمان والے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تو مدارس والوں کی تو گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ ضروریات پوری فرما دیتے ہیں۔

❖ کون ان کو روک سکتا ہے؟ تو مدارس ختم نہیں ہو سکتے، ہم اپنے مدارس کو جانتے ہیں کہ جن کے مہتمم رسید بھی نہیں بنواتے اور گھر بیٹھے اللہ تعالیٰ لوگوں کو بھیجتے ہیں جو کہ ان کی ضروریات کو پورا کر دیتے ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ شروع میں وہ زکوٰۃ مدرسے کے طلبا کے لیے قبول کر لیتے تھے، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ زکوٰۃ کا پیسہ لیتے ہی نہیں تھے۔ کہتے تھے کہ میرے پاس لانے ہیں تو صاف مال لاؤ، تو لوگ اتنا صاف مال پیش کرتے کہ اس میں مدرسے کی ضرورتیں پوری ہوتیں، اور آخری وقت میں ان پر اللہ کی اتنی رحمتیں تھیں کہ لوگ اتنا مال لاتے کہ ضرورت سے زیادہ ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے قانون بنا دیا کہ میں صرف رمضان المبارک کے اندر پیسہ لوں گا، اس کے علاوہ تمام وقت نہیں لوں گا، جس کو دینا ہو وہ پنجاب کے دوسرے مدارس میں دے دیں۔ جب

یہ عالم ہوگا تو مدارس کون ختم کرسکتا ہے؟ اللہ جسے رکھنا چاہے اسے کون چکھ سکتا ہے؟

ے فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تو قرآن بھی محفوظ اور حدیث بھی محفوظ اور تیسرا مدارس بھی محفوظ ۔ جب تک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حکومت جاری رہے گی، مدارس بھی دنیا میں محفوظ رہیں گے ختم ہو نہیں سکتے، تین باتیں سمجھ میں آ گئیں۔

علمائے کرام

اب چوتھی بات کہ اگر مدارس محفوظ ہوں تو مدارس میں جنہوں نے پڑھانا ہے، علم آگے پہنچانا ہے تو وہ علما بھی تو ہونے ضروری ہیں۔ عمارت ہو پڑھانے والا کوئی نہ ہو تو وہ مدرسہ کیسا؟ تو مدارس کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب علما بھی محفوظ ہوں گے۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ ان کے علم کی وراثت ہر وقت دنیا میں محفوظ ہے اور یہ علم کی وراثت سینوں میں ہوتی ہے۔

اگر ہماری کشتی ڈوبے گی تو......:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث دنیا میں محفوظ ہیں، کوئی بندہ ان کو ختم کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی ایک مسجد، جس کو ''مسجد اجابہ'' کہا جاتا ہے، اس میں تین دعائیں مانگیں، جن میں سے دو دعائیں قبول ہوئیں۔

پہلی یہ کہ اے اللہ! جیسے پہلی امتوں کے چہروں کو آپ نے مسخ فرما دیا، میری امت کے گناہوں کی وجہ سے کوئی ایسا عذاب ان کے اوپر نہ بھیجنا، اور نبی علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو گئی۔

آپ ﷺ نے دوسری دعا مانگی: اے اللہ! میری امت کے اوپر کوئی ایسا ظالم مسلط نہ کر دینا جو میری امت کو ختم کر دے۔ اللہ نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔

(ابوداود، حدیث: ۴۲۵۴)

تو جب یہ دعا قبول ہے تو کیا ہمیں مسلمان ہونے کے ناطے کوئی مٹا سکتا ہے؟ عزیز طلبا! نہ دین کو کوئی مٹا سکتا ہے، نہ مسلمان کو کوئی مٹا سکتا ہے۔ یاد رکھنا! ''جب ہماری کشتی ڈوبے گی تو پوری دنیا کا جہاز ڈوبے گا'' قیامت سے پہلے ہمیں کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ سمجھ گئے؟

ہم آخری امت ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ)) (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۲۵۷۴۲)

''میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو''۔

علما کھائیں گے کہاں سے؟

لہٰذا قرآن بھی محفوظ، حدیث بھی محفوظ، مدارس بھی محفوظ اور چوتھی چیز علماء بھی محفوظ۔ اور آپ لوگ اب حافظ، قاری، عالم بن رہے ہیں، لہٰذا آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا محافظ خود خدا ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو کہ کمائیں گے کہاں سے؟ بھوکے مر جائیں گے۔ مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا: یہ طلبا کھائیں گے کہاں سے؟ میں نے کہا: جہاں سے انبیا کھاتے تھے۔ بھئی! وہ کہاں سے کھاتے تھے؟ کیا تمہاری فیکٹریوں سے کھاتے تھے؟ ان کو خدا کھلاتا تھا، ان طلبا کو بھی اللہ کھلائے گا۔ اللہ تعالیٰ مہربان ہیں، چنانچہ علما کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں گے۔

علما کو ختم کرنے کی سعی لا حاصل:

اس ملک میں پہلے ایسے حالات آئے کہ فرنگی نے یہ کوشش کی کہ علما کو ختم کر دیا جائے۔ لہٰذا اپنی تاریخ پڑھ کر دیکھیے کہ اس نے علما کو چن چن کر پھانسی پر چڑھایا، انگاروں پر لٹایا۔ جی ٹی روڈ کے دونوں طرف جو درخت تھے ان کے ساتھ ان کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ بادشاہی مسجد کے دروازے پر پھندا لگا کر چوبیس گھنٹے ان کو پھانسی دی جاتی تھی۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ایک بندے کو پھانسی دی جاتی، جب تک اس کی لاش ہلتی رہتی، تڑپتی رہتی، اس وقت تک لوگ تماشا دیکھتے۔ ذرا ٹھنڈے ہوتے تو دوسرے کو پھانسی دی جاتی۔ چوبیس، چوبیس گھنٹے یہ عمل رہا اور کئی مہینے یہ ہوتا رہا۔ مقصد کیا تھا؟ کہ لوگ اتنے ڈر جائیں کہ آج کے بعد کوئی اپنے بچے کو حافظ، عالم بنانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے، مگر اس کی یہ تدبیر ناکام رہی اور ایمان والوں نے خود بھی دین کے اوپر استقامت دکھائی، اور اپنی اولادوں کو بھی دین پڑھا کے دکھایا۔ علما پھر بھی محفوظ رہے۔ میں نے کشمیر میں ایک درخت دیکھا جہاں پہ وہاں کے علما کو پھانسی دی گئی، آج تک وہ درخت محفوظ ہے۔

چنانچہ علما بھی ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ اب اس کی تفصیل تو بہت لمبی ہے، مگر جو بھی آزمائشیں آئیں، میں سلام کرتا ہوں ان علما کی عظمت کو، ان کی استقامت کو، ان کے تقویٰ کو، ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کو۔ انہوں نے تمام تکالیف تو برداشت کر لیں، مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ ثابت کر دیا، لوگو! تم جسم سے جان تو نکال سکتے ہو دلوں سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا کی جیل میں تھے تو ان کو بہت سخت تکلیفیں دی گئیں، حتیٰ کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا: حضرت! کوئی ایسا لفظ بول دیجیے کہ فرنگی آپ کو تکلیف دینا بند کر دے۔ فرماتے ہیں: جب میں نے یہ بات کہی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ حسین احمد! تم کیا سمجھتے ہو؟ میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ یہ لوگ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں، لیکن میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے۔ استقامت کے پہاڑ بن کر دکھا دیا۔ چنانچہ علما نے عجیب قربانیاں دیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بے باکی:

ان کے شاگرد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خالد بن نہال فرنگی نے کراچی میں بلایا اور کہا کہ تم آزادی کے نعرے لگاتے ہو اور ہمیں یہاں سے واپس بھیجنے کی باتیں کرتے ہو تو تمہیں پتہ ہے تمہارا انجام کیا ہوگا؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، فرنگی نے جب پوچھا کہ کیا انجام ہوگا تو انہوں نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا، ایک سفید چادر تھی، کپڑا تھا، جو کندھے پہ تھا۔ اس نے کہا: اس کا کیا مطلب؟ فرمایا: اس کا انجام موت ہے اور میں اپنا کفن لے کے یہاں پہ آیا ہوں۔ تو فرنگی نے کہا: جس کو ہم پھانسی دیتے ہیں اس کو کفن حکومت دیتی ہے، اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی؟ تو فرمایا: مجھے اپنے رب کے سامنے فرنگی کا کفن لے کر جاتے ہوئے حیا آتی ہے۔ یہ استقامت تھی ہمارے اکابر کی

جس کی وجہ سے آج بھی دین ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اللہ رب العزت کی ان پر عجیب رحمتیں تھیں۔

طالبِ علم پوری قوم کا محسن ہے:

سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! یہ چٹائی پہ سونے والا اور روکھی سوکھی کھانے والا طالب علم پوری قوم کا محسن ہے، اس کا پوری قوم کے اوپر احسان ہے۔ وجہ کیا ہے؟ دیکھیے ذرا! دلیل کے ساتھ بات کروں گا۔

○ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ چار وجوہات سے آنے والی مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں، جب مؤذن اذان کے الفاظ کہتا ہے ''اللہ اکبر'' تو یہ اللہ کی عظمت کا بیان کرنا اللہ کو اتنا پسند ہے کہ اتنے الفاظ کہنے کی وجہ سے آبادی سے مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔ یہی طالب علم کل کو اللہ کا نام بلند کرنے والے بنے گے۔

○ جب مؤمن احرام باندھتا ہے محرم بن جاتا ہے، اس وقت جب وہ تلبیہ پڑھتا ہے، لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ! لَبَّیْکَ تو یہ لبیک کا لفظ اللہ رب العزت کو اتنا پسند ہے کہ اس لفظ کے سنتے ہی اللہ اس آبادی پر آنے والی مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں۔

○ جب کوئی مجاہد دین کی سر بلندی کے لیے اللہ کے نام کو بلند کرتا ہے اور ''اللہ اکبر'' کہتا ہے، تو جہاں تک آواز جاتی ہے اللہ رب العزت مصیبتوں کو ٹال دیتے ہیں۔

○ چوتھا فرمایا: قرآن مجید کا حافظ جب اللہ کے قرآن کو پڑھنے کے لیے ''الحمد للہ'' کہتا ہے، تو اس کے الحمد للہ کہنے کے ساتھ اللہ اس آبادی پر آنے والی مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔

آج شہر میں یہ حفاظ اور علما نہ ہوتے تو معلوم نہیں عریانی، فحاشی، زنا، موسیقی اور یہ

فحاشیاں شہروں کی آبادی کو کسی عذاب میں مبتلا کر چکی ہوتیں۔ آج بچے ہوئے ہیں تو کس کی وجہ سے؟ ان طلبا اور علما کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ طالب علم قوم کے محسن ہیں، یہ علما قوم کے محسن ہیں۔ ان کی وجہ سے اللہ نے ہمارے کرتوتوں کو بھی ڈھیل دی ہوئی ہے۔ یہ جو مستیاں کرتے پھرتے ہیں یہ ساری کی ساری ڈھیل ہے۔ اللہ نے عذاب کو ٹالا ہوا ہے ان علماء وطلباء کی وجہ سے۔

کن چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے: چند چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے۔

① بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

② زم زم کے کنویں میں دیکھنا عبادت ہے۔

③ قرآن مجید کو دیکھنا، پڑھنا عبادت ہے۔

④ ماں باپ کے چہرے کو محبت کی، عقیدت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے۔

(کنز العمال، حدیث: ۳۴۷۱۴)

⑤ جو شخص محبت اور عقیدت کے ساتھ عالم کے چہرے کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اس کو اجر عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کو یہ لوگ اتنے محبوب ہیں کہ ان کے چہروں کو دیکھنا اللہ نے عبادت بنا دیا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((کُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُحِبًّا أَوْ مُتَّبِعًا)) (جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/۱۷)

''تم عالم بنو یا متعلم بنو یا ان کے ساتھ محبت رکھنے والے بنو یا ان کے پیروکار بنو''

اگر کوئی عالم نہ بنا، یا طالب علم نہ بنا تو وہ کم از کم ان سے محبت کرنے والا تو بن سکتا ہے۔ تو کیا آپ لوگ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ ان علماء وطلباء سے محبت کرنے والے

بنیں گے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی اس محبت کو قبول فرمائے۔

بروز محشر علما کا اعزاز:

حدیث پاک میں آتا ہے:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علما کو کھڑا کریں گے، فرمائیں گے:

((یَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ! إِنِّی لَمْ أَضَعْ عِلْمِی فِیْکُمْ لِأُعَذِّبَکُمْ))

''اے علماء کی جماعت! میں نے تمہارے دلوں میں علم کو اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں قیامت کے دن عذاب دوں''

((اِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ)) (جامع بیان العلم وفضلہ:۱/۱۰۵)

''تم چلے جاؤ میں نے تمہاری سب کوتاہیوں کو معاف کر دیا''

اللہ کے راستے میں:

پھر پتہ چلے گا کہ اللہ کے ہاں ان علما کا کیا مقام ہے؟ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ))

(مسند البزار، حدیث:۶۵۲۰، کنز العمال، حدیث:۲۸۸۱۹)

''جو علم کی طلب کے لیے اپنے گھر سے نکلا پس وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے یہاں تک کہ گھر واپس لوٹ آئے''

تو یہ جتنے طلبا اپنے گھر سے مدارس جانے کے لیے نکلتے ہیں، یہ کہاں ہوتے ہیں؟ اللہ کے راستے میں، اور یہ الفاظ کس کے ہیں؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیضِ ترجمان سے نکلے ہیں، کہ یہ اللہ کے راستے میں ہوتے ہیں، جتنا ان کا وقت گزرتا ہے اللہ کے راستے میں گزرتا ہے۔

پچھلے گناہوں کا کفارہ:

حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى)) (ترمذی، حدیث:۲۶۴۸)

''جو علم کو حاصل کرتا ہے یہ علم کا حاصل کرنا اس سے پہلے والے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے''

اس لیے آج ان علماء وطلباء کی ہمتوں کو توڑنے کے لیے کئی مرتبہ کئی باتیں سننے میں آتی ہیں۔ آپ اپنی ہمتوں کو بلند رکھیں، آپ کا منصب قرآن کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے، یہ بڑا منصب ہے۔

ہمت بلند کیجیے!

ہمتیں بلند کیجیے اور ساری زندگی قرآن وحدیث سیکھنے، سکھانے میں لگا دیجیے!

بڑے پسند ہیں قافلے نبھا سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کے فاصلے، مٹا سکو تو ساتھ دو
ہزار دکھ یہاں ہزار آزمائشیں
ہزار دکھ، ہزار بار، اٹھا سکو تو ساتھ دو

نیت کر لیجیے کہ ہم نے قرآن مجید کو سینے سے لگانا ہے اور پوری زندگی ہم نے قرآن پڑھنا اور پڑھانا ہے، ہم نے اس کام سے پیچھے نہیں ہٹنا۔

کفر کی سازش ناکام بنا دیجیے!

آج کفر تو چاہتا ہے، علامہ اقبال نے بہت پہلے بتا دیا تھا، انہوں نے کہہ دیا تھا کہ کفر

کیا چاہتا ہے

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے جسم سے نکال دو

مگر ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ ہمارے دلوں سے ایمان کبھی بھی نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم:

- تقویٰ وطہارت کی زندگی اپنائیں۔
- امن وسلامتی کی زندگی اپنائیں۔
- اخلاق اور محبت کی زندگی اپنائیں۔
- ماحول کے اندر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ خلق کا نمونہ بن کر رہیں۔
- اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر رہیں۔

اخلاقِ نبوی کا نمونہ بن جائیں:

طالبِ علم جہاں پہ چلا جائے لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ یاد آجائے، ہمارے کھانے سے لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد آجائے، ہمارے بیٹھنے، اٹھنے سے لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت یاد آجائے۔ عزیز طلبا! ایسا بن جائیے کہ جب موت کا وقت آئے اور فرشتے اگر ہمارے دماغ کو ٹٹولیں تو علم نبوی سے بھرا پائیں، اگر دل کو ٹٹولیں تو اس میں (اللہ کے) عشق کو پائیں اور اگر اعضاء کو ٹٹولیں تو سنت نبوی سے مزین پائیں۔ ایسا بن جائیے! پھر دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی آپ کے اوپر کیسے رحمتیں برستی ہیں۔

مولویت کسے کہتے ہیں؟

مولویت مانگ کے روٹی کھانے کا نام نہیں ہے، بلکہ مولویت نام ہے:

- ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فصاحت کا،
- امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت کا،
- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت کا،
- ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع سنت کا،
- مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صفائی قلب کا،
- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کا،
- شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت کا،
- شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا،
- حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت کا،
- حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصالت کا،
- حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا۔

قافلۂ اہلِ وفا:

یہ قافلۂ اہلِ وفا ہے۔ پہلے بھی انہوں نے دین کے لیے سب کچھ قربان کیا اور دین محفوظ رہا اور آج کے دور میں بھی یہ دین کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور دین کو محفوظ رکھیں گے اور قیامت کے دن اللہ سے اجر کے طالب بنیں گے۔

عزیز طلبا! ریل گاڑی کے کئی ڈبے ہوتے ہیں، ایک فرسٹ کلاس کا ڈبہ، دوسرا سیکنڈ کلاس کا ڈبہ اور ایک تھرڈ کلاس کا ڈبہ۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے کے اندر ائیر کنڈیشنڈ بھی ہیں، خوبصورت چیزیں بھی ہیں، ماحول بھی ستھرا ہے، مزے اور آرام کی جگہ ہے۔ جبکہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ زنگ لگا ہوا، دروازہ ٹوٹا ہوا، چیزیں بھی ہل جل رہی ہوتی ہیں۔ اگر یہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ

اپنی کنڈی کو فرسٹ کلاس کے ڈبے کے ساتھ پھنسائے رکھے تو جہاں پر انجن پہنچتا ہے اور فرسٹ کلاس کا ڈبہ پہنچتا ہے وہاں پر یہ تھرڈ کلاس والا ڈبہ بھی پہنچ جاتا ہے۔

ذرا توجہ فرمایئے! اس امت کی مثال ریل گاڑی کی سی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے انجن کے مانند ہیں اور یہ انجن اللہ کی رضا والے اسٹیشن کی طرف بھاگ رہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس امت کے فرسٹ کلاس کے ڈبے ہیں، اولیائے کرام امت کے سیکنڈ کلاس کے ڈبے اور میں اور آپ اس امت کے تھرڈ کلاس کے ڈبے ہیں۔ حال تو برا ہے، لیکن اگر ہم اپنے اسلاف کے ساتھ نسبت کو پکا رکھیں گے، اپنی نسبت کو سلامت رکھیں گے، اسی پر مٹنے کے ارادے رکھیں گے تو جہاں انجن اپنے اسٹیشن پر پہنچے گا، وہاں تھرڈ کلاس کا ڈبہ بھی اسٹیشن پر پہنچ جائے گا۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمائے۔ لہٰذا

- اے قافلۂ اہلِ وفا کے نقشِ قدم پر چلنے والو!
- داستانِ وفا کی یادیں تازہ کرنے والو!
- عشقِ الٰہی کی جستجو میں زندگی گزارنے والو!
- اسلاف کی نسبتوں کو سینوں میں محفوظ کرنے والو!

چراغ علم جلاؤ! بڑا اندھیرا ہے۔

لوگوں کے دل جیتنے کا نسخہ:

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے مدارس کے اندر تقویٰ وطہارت کے ساتھ بچوں کو ایسا علم سکھائیں کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق سیکھیں اور لوگوں کے دلوں کو جیت لیں، چنانچہ آپ:

- گھر کے اندر اچھا بیٹا بن کر رہیں
- اچھا بھائی بن کر رہیں
- اچھے خاوند بن کر رہیں
- اچھے باپ بن کر رہیں
- اچھے دوست بن کر رہیں
- اچھے مؤمن بن کر رہیں

حتیٰ کہ ماں باپ دیکھیں تو دعائیں دیں کہ یہ کتنا اچھا انسان ہے۔ آج آپ ایسے رہیں گے، کل قیامت کے دن اللہ کے سامنے جائیں گے تو اللہ رب العزت آپ کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالیں گے۔

قبولیت کی فکر کیجیے!

اور اگر ہم مدارس میں رہے، مگر گناہوں کو نہ چھوڑا تو اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت نہیں ہوگی، یہ تو دوہری محرومی ہوئی۔ چٹائیوں پہ بیٹھ بیٹھ کے جانوروں کی طرح گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بھی پڑ جائیں اور پھر اللہ کے ہاں قبول نہ ہوں تو ہمارے پلے کیا رہا؟!

مولا! دنیا نے ہمیں اپنے سے کاٹ دیا، تُو ہمیں اپنے سے نہ کاٹنا، ہمارا تیرے سوا کوئی نہیں۔ اللہ! ہم نے تیرے ہی در کو پکڑا ہے، تیرے ہی قرآن کو سینے سے لگایا ہے۔ میرے مولا! ہم جیسے بھی ہیں اپنی رحمت سے ہمیں قبول کر لینا۔

میرے مولا! ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں ٹھکرا نہ دینا۔

اللہ! اپنی رحمت کی نظر ڈال کر سینوں کو دھو دینا اور ہمیں اخلاقِ حمیدہ والی زندگی عطا فرما دینا۔

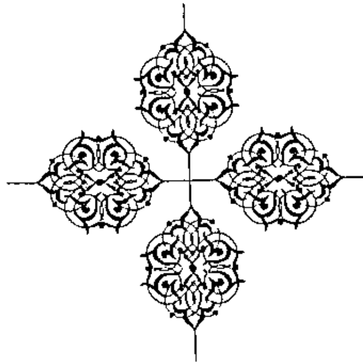
تاکہ جب کل قیامت کے دن آپ کے نبی ﷺ کی موجودگی میں آپ کے حضور

حاضر ہوں تو ہم کہہ سکیں: اے اللہ!

؎ تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

جو طلبا حافظِ قرآن ہیں ان کو چاہیے کہ یہ اب عالمِ قرآن بھی بنیں، عاملِ قرآن بھی بنیں اور عاشقِ قرآن بن کر زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا والی زندگی عطا فرمائے، برائیوں سے اور دوسروں کے حقوق کو تلف کرنے سے اللہ ہمیں محفوظ فرمائے اور ایک پرامن شہری بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)







محبوبِ کل جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ○﴾ (الم نشرح: ۴)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ایک آئیڈیل شخصیت:

اللہ رب العزت کے محبوب، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، محبوب کل جہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی نعمتوں اور جمال وکمال سے نوازا کہ ہر انسان ان کو اپنی زندگی کا آئیڈیل بنا سکتا ہے۔ چاہے وہ جاہل ہے، چاہے لکھا پڑھا ہے، مشرق میں رہتا ہے یا مغرب میں رہتا ہے، وقت کا سائنسدان ہے، انجینئر ہے، ڈاکٹر ہے، کاشتکار ہے، وقت کا حاکم ہے، جرنیل ہے، مجاہد ہے، واعظ ہے یا جو بھی ہے اس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک

زندگی میں بہترین نمونہ اور اسوہ مل سکتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی ایسی کامل اور مکمل زندگی ہے کہ تاریخِ انسانیت میں ایسی کامل زندگی نہیں مل سکتی۔ آپ ذرا بڑے بڑے سائنسدانوں کی زندگی کے متعلق پڑھ کر دیکھیں، لوگ ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ نیوٹن نے یہ کارنامہ سرانجام دیا، آئن سٹائن نے فلاں میدان میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا اور فلاں نے یہ کر دیا، مگر زندگی نے وفا نہ کی، اگر زندہ رہتا تو کچھ اور بھی کر دکھاتا......کیا مطلب؟......مطلب یہ کہ اس کی زندگی ادھوری تھی۔ وقت کے بڑے سے بڑے جرنیل کو دیکھیں، لوگ اس کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے فتوحات کیں، لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی، اگر کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو کچھ اور علاقوں پر بھی قبضہ کر لیتا۔ یعنی اس کی زندگی بھی ادھوری ہے۔ اسی طرح آپ جس کی زندگی کے بارے میں پڑھ کے دیکھیں آپ کو وہ ادھوری نظر آئے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی وہ کام نہ کر سکے جس کی وہ تمنا رکھتے تھے، لیکن تاریخ انسانیت میں صرف ایک مثال ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخصیت ایسی بھی تھی جس کی زندگی کامل اور مکمل تھی۔ اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں علی الاعلان فرماتے ہیں:

''لوگو! جس مقصد کے لیے میں دنیا میں آیا تھا کیا میں نے وہ مقصد پورا کر دیا؟ کیا میں نے تم تک وہ پیغام پہنچا دیا ہے؟''

اس کے جواب میں پورا مجمع گواہی دیتا ہے کہ آپ نے اس امانت کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس وقت اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو اس بات پر گواہ رہنا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد پورا کر دیا ہے۔

(بخاری، حدیث: ۱۷۴۱)

پوری تاریخ انسانیت میں یہ صرف ایک ہی مثال ہے۔اس کے علاوہ آپ کوئی اور مثال نہیں دے سکتے۔لوگ اپنا آئیڈیل بناتے ہیں۔بھئی! اگر کسی کو آئیڈیل بنانا ہے تو کامل ہستی کو بناؤ! جن کی زندگی ادھوری، جن کے مقاصد ادھورے اور جن کے کام ادھورے ہوتے ہیں وہ کہاں آئیڈیل بن سکتے ہیں؟

دعائے ابراہیمی کے مصداق:

جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا تو انہوں نے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (البقرة:۱۲۹)

یعنی اے پروردگار عالم! ہم نے آپ کا گھر بنا دیا، اب آپ عبادت کرنے والے کو بھیج دیجیے۔مسجد ہم نے بنادی، اب آپ عبادت سکھانے والے کو بھیج دیجیے۔مدرسہ ہم نے بنا دیا، اب آپ علم پڑھانے والی ہستی کو بھیج دیجیے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر کے کائنات میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، لہذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی دعا کا مصداق بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ذرا غور کیجیے کہ

۔گھر بن رہا ہے ...... بیت اللہ

۔بنانے والے...... ابراہیم خلیل اللہ

۔تعاون کرنے والے...... اسماعیل ذبیح اللہ

۔جو گھر بن رہا ہے...... اس کا نام بیت اللہ

۔جس سے دعا مانگ رہے ہیں...... اس کا نام اللہ

۔اور جس نے آنا ہے...... اس کا نام محمد رسول اللہ

ولادت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں حکمت:

اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ صبح کے وقت دنیا میں تشریف لائے۔ وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا پسند کیا، جب ظلمت چھٹ رہی ہوتی ہے اور روشنی آرہی ہوتی ہے۔ یہ انسانیت کے نام ایک پیغام تھا کہ اے لوگو! اب دنیا سے شرک اور کفر کی ظلمت ہمیشہ کے لیے چھٹ گئی اور ہدایت کی روشنی آچکی ہے، لہٰذا اب سورج طلوع ہو چکا ہے جو پوری دنیا میں ایمان اور توحید کو پہنچا دے گا۔

کسریٰ کے محل کے کنگرے ٹوٹنے میں راز:

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی تو شام کی پہاڑیوں میں روشنی دیکھی گئی۔ چنانچہ محد ثین نے لکھا ہے کہ جہاں تک وہ روشنی دیکھی گئی، نبی علیہ السلام کی اپنی مبارک زندگی میں اس جگہ تک دین اسلام پھیلنا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس روشنی کے ذریعے دکھلا دیا کہ میر ے محبوب ﷺ کی مبارک زندگی میں وہاں تک دین پھیل جائے گا اور بعد میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ دین ہر پکے اور کچے مکان میں پہنچ کر رہے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت کسریٰ کے محل کے کنگرے ٹوٹ گئے......اس کا کیا مطلب تھا؟......علما نے لکھا ہے کہ اس وقت محل کے جتنے کنگرے ٹوٹے، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک دور میں وقت کے اتنے بادشاہوں کے تاج اللہ کے محبوب ﷺ کے قدموں میں آگئے۔ سبحان اللہ!

والد ماجد کی وفات میں حکمت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ دنیا سے

وفات پا گئے......اس میں بھی حکمت تھی......اللہ رب العزت نے ان کے سر سے باپ کا سایہ ہٹا دیا۔ دیکھیں کہ بچے کو باپ تربیت دے کر بڑا کرتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ باپ کی تربیت کی وجہ سے بیٹے نے یہ کام کر دیا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب کو خود کمالات عطا کیے ہیں، کل کو یہ کمالات کسی اور کی طرف منسوب نہ ہوں اور کہنے والے یہی کہیں کہ یہ تھے یتیم، مگر پروردگار نے ان کو وہ مرتبہ دیا کہ انہوں نے وہ کمالات پائے جس کا کوئی دوسرا انسان تصور ہی نہیں کر سکتا۔ سبحان اللہ! خود ان پڑھ ہیں، مگر دنیا اور کائنات کے دقیقہ دان ہیں۔

ے امی و دقیقہ دان عالم
بے سایہ و سائبان عالم

اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہر میں بے سایہ بنایا، مگر حقیقت میں پوری انسانیت کے لیے سایہ بن کر تشریف لائے تھے۔

دورانِ حمل برکات کا ظہور:

ابھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں زم زم کے کنویں پر پانی بھرنے آتی تو پانی سطحِ زمین سے اوپر کنارے پر آ جاتا اور میں آسانی سے پانی بھر لیتی اور جب میں واپس چلی جاتی تو پھر پانی نیچے چلا جاتا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے زمانہ حمل میں کسی طرح کی تکلیف اور گرانی محسوس نہیں کی اور اسی طرح کوئی دوسری شکایت جو ان ایام میں عموماً خواتین کو پیش آتی ہے محسوس نہیں کی۔ اور فرماتی ہیں کہ جب میرے بطن سے نبی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو سب سے پہلے انہوں نے اپنے رب کے حضور سجدہ کیا۔

حلیمہ سعدیہ کے آنگن میں رحمتوں کی بکھیر:

اس زمانے میں بچوں کو پالنے کے لیے دیہاتوں کی دائیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کھلے ماحول میں پلے بڑھے اور اچھی زبان سیکھے۔ چنانچہ دیہاتوں سے دائیاں آتیں اور بچوں کو لے جاتیں۔ اور ان کے باپ سے اجرت لے کر ان کی پرورش کیا کرتی تھیں۔ بنو سعد ایک قبیلہ تھا، اس قبیلے کی ایک عورت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر میں بہت غربت تھی، ان کے جانور دودھ نہیں دیتے تھے، گویا قحط سالی کا سماں تھا۔ وہ بھی مکہ مکرمہ کی طرف چلیں، تاکہ کوئی بچہ وہ بھی لائیں اور اس کی پرورش کرنے پر کچھ اجرت وہ بھی حاصل کر سکیں۔ لیکن ان کی سواری بہت آہستہ چلتی تھی، چنانچہ ان کے قبیلے کی باقی عورتیں جلدی مکہ مکرمہ پہنچ گئیں اور انہوں نے امیرزادوں کو اپنی گود میں لے لیا۔

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ پہنچیں تو ان کو پتہ چلا کہ امیرزادوں کے بچوں کو تو پہلی دائیاں لے کر چلی گئی ہیں، البتہ ایک یتیم بچہ ابھی باقی ہے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اس کا باپ تو سر پر نہیں ہے جو اس کی تربیت کرنے کے عوض میں مجھے کچھ دے گا۔ فرماتی ہیں کہ میں سوچنے لگی، پھر میرے دل میں خیال آیا کہ چلو میں بچے کو تو دیکھوں کہ کیسا ہے، اس وقت بچہ سویا ہوا تھا اور اس کے اوپر چادر تھی، جب میں نے چادر کو ہٹایا تو وہ بچہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ فرماتی ہیں کہ اس کی مسکراہٹ میں ایسی کشش تھی کہ میرے دل نے کہا: حلیمہ! تجھے مال اور دولت ملے نہ ملے، جو اس بچے کی مسکراہٹیں ملیں گی، وہ تیرے دل کو سکون سے بھر دیا کریں گی، چنانچہ میں نے بے اختیار بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا، اب اس کو نیچے لٹانے کے لیے میرا دل نہیں کر رہا تھا، لہٰذا میں نے خاوند سے کہا کہ لے کر چلتے ہیں، اس نے بھی کہا: ٹھیک ہے۔

اب ہم واپس اپنے گاؤں کی طرف آنے لگے۔فرماتی ہیں کہ اس وقت سواری نیچے بیٹھی تھی اور میں اس کے اوپر بیٹھ گئی، اب مجھ سے آگے میرے خاوند بیٹھنا چاہتے تھے، تاکہ سواری کو چلائیں اور ہم گھر جائیں، لیکن ایک عجیب بات پیش آئی کہ جیسے ہی میرے میاں آگے بیٹھے اور سواری کو اٹھانے کے لیے اس کی لگام ہلائی اور کھینچا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، وہ اس کو ڈنڈے لگانے لگے، مگر وہ اٹھتی ہی نہیں تھی، جبکہ پہلے وہ اشارے سے اٹھتی تھی۔ چنانچہ پریشانی میں میرے خاوند نیچے آئے، جیسے ہی وہ نیچے اتر آئے سواری اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔فرماتی ہیں کہ پھر میرے خاوند نے اس کو نیچے بٹھایا اور وہ آگے بیٹھے۔اب پھر اس نے سواری کو اٹھانا چاہا، مگر پھر بیٹھی رہی، پھر وہ پریشانی میں نیچے اترے تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔یہی کشمکش جاری تھی کہ آگے بیٹھ کر چلانے کی کوشش کرتے ہیں تو چلتی نہیں اور جب وہ نیچے اترتے ہیں تو چل پڑتی ہے۔اس پریشانی میں میرے خاوند نے کہا: حلیمہ! تم ذرا آگے بیٹھ جاؤ اور میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں، شاید بوجھ کا کوئی مسئلہ ہو۔

چنانچہ اس نے جب حلیمہ کو آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھا اور سواری کو اٹھایا تو اس نے اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔اللہ رب العزت نہیں چاہتے تھے کہ یہ ایسی جگہ پر بیٹھے جہاں اس کی پشت میرے محبوب ﷺ کی طرف ہوتی ہو۔جب یہ بات تھی تو پھر سواری کیسے چل سکتی تھی؟ چنانچہ کائنات کے اس صدر نشیں کو آگے بٹھایا گیا اور پھر سواری نے چلنا شروع کیا۔فرماتی ہیں کہ میری سواری نے اتنی تیزی سے بھاگنا شروع کیا کہ دوسری دائیوں کی سواریاں پیچھے رہ گئیں اور میری سواری ان سے آگے نکل گئی۔ جب میری سواری ان کی سواریوں سے آگے نکلنے لگی تو ایک عورت نے مجھ سے پوچھا: حلیمہ! پہلے تو

اتنی دیر سے پیچھے تھی اوراب بھاگ کرآگے نکلی جارہی ہو، کیاتم نے سواری بدل لی ہے؟
فرماتی ہیں کہ میں نے اسے جواب دیا:

''میں نے سواری نہیں بدلی، البتہ سواری پر سوار بدل گیا''

فرماتی ہیں کہ میں دوسروں سے پہلے گھر پہنچ گئی۔

جب ہم گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، یہ دیکھ کر ہم بہت خوش ہوئے اور بکریوں کے تھن روزانہ دودھ سے بھرے رہتے تھے۔ ہمسایوں کی عورتیں آتیں اور مجھ سے پوچھتیں: حلیمہ! تم اپنی بکریوں کو کہاں چرنے بھیجتی ہو؟ ہم بھی وہاں بھیجیں گی، ہماری بکریاں بھی زیادہ گھاس کھائیں گی اور زیادہ دودھ دیں گی۔ فرماتی ہیں کہ ان کی بکریاں بھی وہیں چرتیں، مگر ان کی بکریاں اتنا دودھ نہ دیتیں جتنا دودھ میرے گھر کی بکریاں دیا کرتی تھیں (الخصائص الکبریٰ: ۱/۱۰۲)

سبحان اللہ...... اللہ کے محبوب کے آنے کی وجہ سے برکتیں ہی برکتیں اور خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ ان برکتوں کے ساتھ اللہ کے محبوب ﷺ کی اس گھر کے اندر پرورش ہوئی۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی پر کیف لوری:

حلیمہ سعدیہ اللہ کے محبوب ﷺ کو بہلانے کے لیے بہت ہی عجیب اور پر کیف لوری دیا کرتی تھیں، وہ فرمایا کرتی تھیں:

((يَارَبِّ! إِذَا أَعْطَيْتَهُ فَأَبْقِهِ))

''اے پروردگار عالم! جب تو نے مجھے (حضور ﷺ جیسا بچہ) عطا فرمادیا ہے تو اب (مہربانی فرما کر) اس عطیہ کو دوام اور بقا بھی عطا فرما۔''

((وَأَعْلِهِ إِلَى الْعُلَا وَأَرْقِهِ))

''اور (آپ ﷺ کے درجات و مقامات اعلیٰ میں مزید) ترقی فرما کر بلندیوں کی انتہائی منزل پر فائز کر دے۔''

((وَأَدْحِضْ أَبَاطِيْلَ الْعُدٰى بِحَقِّهٖ)) (الخصائص الکبریٰ: ۱/۱۰۴)

''اور دشمنوں کی (سازش) کو آپ ﷺ کی سچائی، راست بازی اور حق کی تاثیر سے بے اثر لایعنی اور باطل بنا دے۔''

جب وہ اپنی بکریوں کو چرنے کے لیے بھیجتی تھیں تو اپنی بیٹی شیما کو ساتھ بھیجا کرتی تھیں۔ ابھی وہ بلوغ سے پہلے کی عمر میں تھیں، اس لیے وہ اسے بکریاں چرانے کے لیے بھیج دیتی تھیں۔

ایک دن ماں نے کہا: شیما! بہت دیر ہوگئی ہے، تم ابھی بکریاں چرانے نہیں گئی۔ اس نے کہا: امی! میں اکیلی ہوں اور بکریاں زیادہ ہیں، یہ مجھ سے نہیں سنبھل سکتیں، میرے ساتھ کسی اور کو بھی بھیج دو! میں گرمی کے موسم میں سارا دن بھاگ بھاگ کر تھک جاتی ہوں۔ حلیمہ سعدیہ نے کہا: بیٹی! گھر میں اور تو کوئی نہیں ہے جسے آپ کے ساتھ بھیجوں، اس لیے آپ کو اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ اس نے کہا: امی! مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا، میں اکیلی بکریوں کو نہیں سنبھال سکتی۔ جب ماں نے مجبور کیا تو شیما کہنے لگی: امی! میں ایک شرط پر بکریاں چرانے کے لیے جاتی ہوں۔ ماں نے کہا: بیٹی! کیا شرط ہے؟ شیما نے کہا: جی! آپ میرے ساتھ میرے چھوٹے بھائی محمد کو بھیج دیں تو میں بکریوں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ماں نے کہا: بیٹی! ایک بکریوں کو چرانا اور دوسرا بچے کو سنبھالنا، یہ دونوں کام بیک وقت کیسے کر پاؤ گی؟ اس نے کہا: امی! اگر اکیلی جاؤں گی تو بکریاں نہیں سنبھال سکوں گی اور اگر ساتھ بھائی کو لے کر جاؤں گی تو بکریاں سنبھال لوں گی۔ پھر

حلیمہ سعدیہ نے پوچھا: شیما! ذرا کھل کے بتاؤ کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ شیما نے کہا: امی! ایک دفعہ پہلے میں اپنے بھائی کو ساتھ لے کر چلی گئی تھی۔ میں نے دیکھا تھا کہ جب میں اپنے بھائی کو لے کر گئی تو بکریوں نے تھوڑی دیر میں جلدی جلدی چر کے گھاس کھالی اور جس جگہ میں اپنے بھائی کو گود میں لے کر بیٹھی بکریاں بھی واپس آکر میرے سامنے بیٹھ گئیں۔ باقی وقت مَیں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہیں...... سبحان اللہ...... اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ محبوب کل جہاں ہیں۔

ے اے ازل کے حسین! اے ابد کے حسین
تجھ سا کوئی نہیں تجھ سا کوئی نہیں

اعلانِ نبوت سے قبل آپ ﷺ کی تکریم:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم میں اس طرح جوان ہوئے کہ مروت میں ان سے افضل، اخلاق میں ان سے احسن، میل جول میں ان سے اکرم، رفاقت میں ان سے اچھے، حلم میں ان سے اعظم، امانت و دیانت میں ان سے اصدق اور کوئی نہ تھا۔ آپ فحش اور بری بات کہنے سے بالکل پاک تھے۔ آپ ﷺ کو کبھی ایسی حالت میں نہ دیکھا گیا کہ آپ نے کسی کے ساتھ جنگ وجدال اور خصومت کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کو ساری قوم صادق اور امین کہتی تھی۔

جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا وقت آیا تو لوگوں میں نزاع شروع ہوگیا۔ ہر قبیلے کا سردار یہی چاہتا تھا کہ میں نصب کروں۔ چنانچہ انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ کل جو شخص اب ہمیں سب سے پہلے نظر آئے گا وہ ہمارا فیصلہ کردے گا۔ اللہ کی شان کہ سب سے پہلے ان کی نظر اللہ کے محبوب ﷺ پر پڑی۔

حالانکہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر اتنی زیادہ نہ تھی۔ انہوں نے آ کر عرض کیا کہ آپ ہمارے اس جھگڑے کا فیصلہ فرما دیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے حجر اسود کو چادر میں رکھا اور چاروں کونے چار مختلف سرداروں کے ہاتھ میں پکڑا دیے اور فرمایا کہ آپ اسے حجر اسود کے نصب کرنے کی جگہ کے پاس لے چلیں۔ جب اس کی جگہ پر لائے تو آپ ﷺ نے کمال دانشمندی کے ساتھ خود حجر اسود اٹھا کر نصب فرما دیا۔ سبحان اللہ!

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۰۹)

دل کا سودا کرنے والے:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسا نور اور حسن و جمال عطا فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کے مبارک چہرے کی طرف جو بھی دیکھتا تھا وہ اپنا دل دے بیٹھتا تھا۔ عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ ان کو یہودیوں نے کہا: آپ ہماری طرف سے جا کر یہ سوال پوچھیں۔ چنانچہ وہ بارگاہ نبوی میں سوال پوچھنے کے لیے آئے، لیکن جب انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت کی تو سوال پوچھنے کے بجائے کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے کلمہ پڑھا دیجیے ...... سبحان اللہ...... جب یہودیوں کو پتہ چلا تو وہ انہیں کہنے لگے کہ ہم نے تمہیں چن کر بھیجا تھا، لیکن تم نے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود ہماری ناک کٹوا دی، تم نے یہ کیا کیا کہ تم بھی ان کے ماننے اور چاہنے والے بن گئے؟ جواب میں انہوں نے نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''ذرا اس چہرے کا دیدار تو کرو! یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نظر نہیں آتا۔''

(الخصائص الکبری: ۱/۲۴۴، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۴۰۱)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ آدمی دیکھنے

کی تاب نہ لا سکے۔

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروان شوق! یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

عرب کا چاند:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رات کا وقت ہے۔ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اس رات چودھویں کا چاند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا، چنانچہ جب نیچے دیکھتا تو مجھے عرب کا چاند نظر آتا اور جب اوپر دیکھتا تو مجھے آسمان کا چاند نظر آیا۔ فرماتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔ کبھی میں محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف دیکھتا اور کبھی میں چاند کو دیکھتا اور پھر سوچتا کہ عرب کا چاند زیادہ خوبصورت ہے یا آسمان کا چاند زیادہ خوبصورت ہے۔ بالآخر میرے دل نے فیصلہ کیا کہ اے آسمان کے چاند! تو بڑا خوبصورت سہی، تیرے حسن کا دنیا کے اندر بڑا چرچا ہے، لیکن سچ بات یہ ہے کہ جو حسن و جمال میرے آقا کے چہرۂ انور پر ہے وہ حسن و جمال تیرے پاس بھی نہیں ہے۔

(ترمذی، حدیث: ۲۸۱۱)

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
اس کے منہ پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

دیدار پر انوار کی تڑپ:

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عاشق صادق تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام رات کو اپنے گھر اٹھتے تو ان کی طبیعت اداس ہوتی اور محبوب ﷺ کو دیکھنے کو دل چاہتا۔ چنانچہ وہ گھر سے آکر اللہ کے محبوب ﷺ کے دروازے کے قریب کئی کئی گھنٹوں تک اس لیے انتظار میں کھڑے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ باہر تشریف لائیں گے اور ہم اپنے دن کی ابتدا آقا ﷺ کے دیدار پر انوار سے کریں گے۔ اس سے پتا چلا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آقا ﷺ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے تڑپا کرتے تھے۔

ان کے چاہنے والے ایسے بھی تھے:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ بڑی دور سے آکر حاضر ہوتے ہیں۔ وہ جب بھی آتے تو کچھ دیر محبوب ﷺ کے چہرہ انور کی طرف دیکھتے، آپ کا کچھ کلام سنتے اور چلے جاتے۔ مدتوں تک انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی کلام نہ کیا اور کوئی بات بھی نہ پوچھی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو دیکھا تو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ مجھ سے کوئی نہ کوئی بات پوچھتے ہیں، لیکن آپ آتے ہیں اور محفل میں بیٹھ کر چلے جاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! میرے دل میں آپ کی اتنی محبت ہے کہ جب اپنے گھر سے آتا ہوں تو فقط آپ کے دیدار کی نیت سے آتا ہوں اور یہاں حاضر ہو کر آپ کے پر انوار چہرے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر کے واپس چلا جاتا ہوں۔ (الشفاء للقاضی عیاض: ۲/۲۰)

ایک حدیث میں اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ بندے کو دنیا میں جس سے محبت ہوگی، وہ جنت میں اسی کے ساتھ ہوگا (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں اکٹھا فرما دیں

گے)۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمیں جتنی خوشی اس حدیث پاک سے ہوئی، اتنی خوشی کبھی کسی اور خبر سے نہیں ہوئی تھی۔(صحیح مسلم، حدیث:۲۶۳۹)

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوبِ کل جہاں ہیں۔

صدیقہ کائنات کی لازوال محبت:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زلیخا! تیری سہیلیوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اپنی انگلیوں کے ٹکڑے کر دیے، اگر وہ کبھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبینِ ناز کو دیکھ لیتیں تو اپنے دل کے ٹکڑے کر بیٹھتیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمال کو تیرے کب پہنچے حسن یوسف کا
وہ دلربائے زلیخا تو شاہد ستار
رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

یہی مضمون کسی نے پنجابی میں یوں بیان کیا:

ویکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں
عشق دی اخیر ویکھی اوہدے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

ایک موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”میں نے مدینہ طیبہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی وہ حیا نہیں دیکھی جو میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں

میں دیکھا کرتی تھی‘‘

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں نے اپنے آقا اور سردار کی شان میں اشعار کہے۔ دیکھیں کہ بیوی اپنے سرتاج کی محبت میں سرشار ہو کر کیسے شعر کہہ رہی ہے! فرمایا:

لَنَا شَمْسٌ وَّ لِلاُفَاقِ شَمْسٌ
وَ شَمْسِی خَیْرٌ مِّنْ شَمْسِ السَّمَآئِ
فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَعْدَ الْفَجْرِ
وَ شَمْسِیْ تَطْلُعُ بَعْدَ الْعِشَائِ

’’آسمان کا بھی ایک سورج ہے اور ایک ہمارا بھی سورج ہے، لیکن میرا سورج آسمان کے سورج سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ آسمان کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج تو عشاء کی نماز کے بعد طلوع ہوتا ہے‘‘

شاعرِ رسول درمدحِ جمالِ رسول:

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و جمال کی ایسی تعریف کی کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

((وَأَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ))

’’اے محبوب! آپ سے بہتر خوب صورت چہرہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہے۔‘‘

((وَأَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ))

’’اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی عورت نے کوئی بچہ جنا نہیں ہے۔‘‘

((خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ))

''آپ اس طرح عیبوں سے پاک ہو کر دنیا میں پیدا ہوئے۔''

((كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ)) (دیوان حسان بن ثابت:ص ۲)

''جیسا کہ اللہ نے آپ کو آپ کی مرضی کا حسن و جمال دے کر پیدا فرمادیا۔''

جمالِ مصطفٰی امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور و معروف قصیدے ''قصیدہ بردہ شریف'' میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و جمال کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

((فَهُوَ الَّذِي تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُورَتُهُ))

''اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورت و سیرت میں عالی مرتبہ پر فائز ہیں۔''

((ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيبًا بَارِئُ النَّسَمِ))

''یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا محبوب بنا دیا ہے۔''

((مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيكٍ فِي مَحَاسِنِهِ))

''پوری دنیا میں ان کے محاسن کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

((فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ)) (دیوان البوصیری:۲۴۱)

''حسن و جمال میں اس کا جوہر ایسا فردِ کل ہے جو تقسیم ہی نہیں ہو سکتا۔''

جمادات کے محبوب:

چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوبِ کل جہاں ہیں، اس لیے وہ جمادات کے بھی محبوب ہیں...... نباتات کے بھی محبوب ہیں...... حیوانات کے بھی محبوب ہیں...... انسانوں کے بھی محبوب ہیں...... بلکہ سب کے محبوب ہیں۔

جمادات کے محبوب کیسے......؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو پتھر تھے۔ایک کا نام متکلم اور دوسرے کا نام متکی تھا۔ایک کو متکلم اس لیے کہتے تھے کہ جب بھی کے محبوب ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملنے تشریف لاتے اور وہ پتھر آپ کو دیکھتا تو فوراً اللہ کے محبوب ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔اس وجہ سے محبوب ﷺ نے اس کا نام متکلم رکھا تھا اور دوسرا وہ پتھر تھا جسے تکیہ کے طور پر استعمال کر کے اس کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے تھے، اس کا نام متکی تھا۔

نباتات کے محبوب:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نباتات کے بھی محبوب تھے۔چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم خود دیکھتے تھے کہ کتنی جگہوں پر اللہ کے محبوب ﷺ جا کر کھڑے ہوتے اور درخت آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کرتے تھے۔بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ درخت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتے اور سجدہ ریز ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔اللہ کے محبوب ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔جب تمیم داری رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے منبر بنا کر اللہ کے محبوب ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ اس پر تشریف فرما ہوا کریں اور اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے تو ہم نے بچے کی طرح کی رونے کی آواز سنی، ہم حیران ہوئے اور ہم نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ نیچے اترے اور جس کھجور کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے قریب آئے اور آپ نے اس پر ہاتھ رکھا، وہ کھجور کا تنا اس طرح چپ ہوا

جیسے روتا ہوا بچہ ہچکیاں لے لے کر چپ ہوتا ہے، سبحان اللہ! کھجور کا تنا اس لیے رو رہا تھا کہ آقا! اب منبر بن گیا ہے اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوا کریں گے اور مجھے اب آپ کی جدائی برداشت کرنی پڑے گی۔ (صحیح ابن حبان، حدیث:۶۵۰۷)

اللہ اکبر! علما نے لکھا: چونکہ اس تنے کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسبت ہوگئی تھی اس لیے اس کے ساتھ جنت کا وعدہ کر دیا گیا۔ سبحان اللہ!

تنے نے محبت میں آنسو بہائے
یوں جنت میں پایا مقام اللہ اللہ

حیوانات کے محبوب:

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیوانات کے بھی محبوب تھے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمی جمار فرمائی تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنی تھی۔ چنانچہ قربانی کرنے کے لیے اونٹ لائے گئے، وہ اونٹ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر اونٹ چاہتا تھا کہ اے اللہ کے محبوب! جب آپ نے ذبح کرنا ہے تو سب سے پہلے میرے گلے پر آپ کے مبارک ہاتھوں سے چھری چل جائے۔ (الشفاء للقاضی عیاض:۱/۳۱۳)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک یہودی نے ایک ہرنی کو پکڑا ہوا ہے، جب ہرنی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو فریاد کرنے لگی کہ اے اللہ کے محبوب! میرا بچہ اس پہاڑ کے دامن میں ہے، اب اسے دودھ پلانے کا وقت ہو گیا ہے، اگر یہ مجھے چھوڑ دے تو میں دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کو فرمایا...... اس نے دل میں

سوچا کہ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ وہیں کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہرنی دودھ پلا کر پھر اس یہودی کے پاس واپس آ گئی۔ (الخصائص الکبریٰ: ۲/۹۵)

انسانوں کے محبوب:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانوں کے بھی محبوب تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کے عاشقین کی جماعت تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جب دیدار کرتے تھے تو ان کا ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا۔

زندگی کی آخری تمنا:

ایک صحابی میدان جہاد میں اتنے زخمی تھے کہ غشی طاری ہونے کو تھی۔ اتنے میں ان کے پاس ایک صحابی پہنچے، انہوں نے زخمی سے پوچھا:

"أَلَکَ حَاجَۃٌ" (کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟)

تو انہوں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کس چیز کی؟ کہنے لگے: میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے آخری وقت میں اپنے آقا ﷺ کے چہرۂ انور کا دیدار کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور چل پڑے۔ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ ایک جگہ پر تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے اس صحابی کو نیچے کھڑا کیا اور ان سے کہا کہ جی اللہ کے محبوب ﷺ آپ کے سامنے ہیں۔ اس مجاہد نے جیسے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنا تو آنکھیں کھولیں اور محبوب ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور پھر اپنی جان اللہ کے حوالے کر دی۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایک شاعر نے اس کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا: وہ کہتا ہے کہ وہ صحابی گویا یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ اے آقا!

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

محبوب ﷺ کی شباہت کی تمنا:

ایک صحابی حبشہ کے رہنے والے تھے، ان کے بال گھنگھریالے تھے۔ وہ جب بھی نہاتے تو بعد میں اپنے بالوں میں کنگھی کیا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے بال سخت تھے، اس لیے ان کی مانگ درمیان سے نہیں نکلتی تھی۔ انہیں روزانہ یہ افسوس ہوتا کہ میری مانگ کیوں نہیں نکلتی۔ ان کو اپنا سر اچھا نہ لگتا، کیونکہ وہ سوچتے تھے کہ میرے آقا تو مانگ نکالتے ہیں اور میرے بالوں میں تو مانگ ہی نہیں نکلتی۔ ان کے دل میں بڑی مدت تک یہ حسرت اور تمنا رہی۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک مرتبہ انہوں نے لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اسے آگ کے اندر اچھی طرح گرم کیا اور پھر اسے اپنے سر کے درمیان میں پھیر کے ایک لکیر بنا دی۔ اب جب گرم گرم سلاخ لگی تو سر کی جلد جل گئی۔ لوگوں نے کہا: یہ آپ نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے یہ تکلیف تو بھول جائے گی اور زخم بھی مندمل ہو جائے گا، لیکن اس جگہ کے جلنے کی وجہ سے وہاں بال نہیں رہیں گے، چنانچہ آئندہ جب بھی میں اپنے سر کو دیکھوں گا تو مجھے اپنا سر اپنے محبوب ﷺ کے مبارک سر کے مانند نظر آئے گا۔

(عشق نبوی کے ایمان افروز واقعات: ص ۱۳۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت:

اگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہا دیکھنی ہو تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو دیکھ لیجیے۔ وہ عشق کے امام ہیں، انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت تھی۔ مثال کے طور پر:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مجھے تین چیزیں پسند ہیں: ایک خوشبو، دوسری نیک بیوی، تیسری چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ جیسے ہی یہ سنا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تڑپ کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کونسی تین چیزیں پسند ہیں؟ عرض کیا:

① اے اللہ کے محبوب! آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے رہنا۔

② آپ پر اپنا مال خرچ کر دینا۔

③ اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے، یعنی میری اولاد آپ کی خدمت کرتی رہے۔ (کشف الخفاء: ۱/ ۳۴۰)

اب آپ دیکھیے کہ انسان کے پاس جان، مال اور وقت، تین چیزیں ہی ہوتی ہیں، انہوں نے یہ تینوں چیزیں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیں۔

جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لیے اپنا مال دو تو سب حضرات اپنی اپنی حیثیت کے مطابق لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سوچا کہ ابوبکر ہر دفعہ مجھ سے بڑھ جاتے ہیں، آج میرے پاس مال زیادہ ہے اس لیے میں ان سے زیادہ اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا۔ چنانچہ خوش ہو کر گھر آئے اور اپنے گھر کا آدھا سامان اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑا اور باقی آدھا اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے

بھی پوچھا: ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟ عرض کیا:

اے اللہ کے نبی! میں گھر میں گیا تھا، مجھے وہاں جو کچھ ملا، میں نے وہ سب کچھ لا کر آپ کے قدموں ڈال دیا ہے، حتیٰ کہ میں نے دیوار پر ہاتھ مارا کہ کہیں اگر کوئی سوئی اٹکی نظر آئے تو وہ بھی لے چلوں، تا کہ کسی مجاہد کے کام آجائے، خود میں نے یہ ٹاٹ کا لباس پہن لیا۔ اور اے اللہ کے محبوب! میں اپنے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کے آیا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۴۰)

پروانے کے لیے شمع، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یہ ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

عجب چیز ہے عشق شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا زینہ
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے، مرنا اسی کا ہے جینا

زندگی کا مزہ اسی محبت کے ساتھ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی محبت ہو کہ انسان اپنا ہر کام اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک طریقے کے مطابق کرنے کے لیے تڑپ جائے۔ اسے یہ فکر ہر وقت دامن گیر رہے کہ میرا لباس، میرا کھانا، میرا پہننا، میری رفتار، میری گفتار اور میرا کردار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق بن جائے۔ اگر ایسی محبت نصیب ہو جائے تو پھر ہمارے بھی نصیب کھل جائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی محبت نصیب تھی۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس محفل میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال

کی قربانی دی، ابھی اسی محفل میں ٹاٹ کا لباس پہنے بیٹھے تھے کہ اتنے میں جبرئیل امین تشریف لائے۔ انہوں نے بھی ٹاٹ کا لباس پہن رکھا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

جبرئیل! آج تم نے ٹاٹ کا لباس کیوں پہنا ہوا ہے؟

جبرئیل امین نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! آج ابوبکر کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہوئے ہیں کہ آسمان کے سب فرشتوں کو حکم دے دیا کہ تم بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح ٹاٹ کا لباس پہن لو۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کی طرف سلام بھیجا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کتنے قدردان ہیں!

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ رات کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسے ہی دستک دی وہ فوراً باہر حاضر ہوئے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ پہلے سے ہی جاگ رہے ہوں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! کیا آپ پہلے سے جاگ رہے تھے یا میرے آنے پر جاگے؟ عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں پہلے سے ہی جاگ رہا تھا، کیونکہ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ جب آپ ہجرت فرمائیں گے تو اس خادم اور غلام کو بھی ساتھ لے جائیں گے، چنانچہ جب سے یہ خیال آیا ابوبکر نے رات کا سونا چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب میرے دروازے پر آئیں اور ان کو ابوبکر کے انتظار میں کھڑا ہونا پڑے۔

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے رو رو کر دعا مانگ رہے تھے۔ تمام صحابہ حیران تھے کہ ان کو کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جب قریب آکر دیکھا تو یہ دعا مانگ رہے تھے: اے اللہ! محبوب نے کہا ہے کہ اللہ کے راستے میں دو اور میں دینا چاہتا ہوں، مگر دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، میں اپنے

آقا ﷺ کی یہ بے ادبی نہیں کرنا چاہتا، آپ میرے آقا کے دل میں ڈال دیجیے کہ وہ ابوبکر کے مال کو اپنے ذاتی مال کی طرح استعمال فرمالیں۔

(عشق نبوی کے ایمان افروز واقعات: ص ۴۹)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مال کو اس طرح استعمال فرماتے تھے جس طرح کوئی اپنے ذاتی مال کو استعمال کیا کرتا ہے۔

جب ہجرت کے سفر پر چلے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی دائیں طرف کو ہو جاتے کبھی بائیں طرف کو ہو جاتے، کبھی آگے اور کبھی پیچھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیران ہو کر پوچھا: ابوبکر! آپ ایک طرف چلیں، یہ دائیں بائیں اور آگے پیچھے چلنے کی کیا ضرورت ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے محبوب! جب میں آپ کے پیچھے چل رہا ہوتا ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ دشمن کہیں دائیں طرف سے حملہ نہ کر دے، اس لیے میں دائیں طرف کو جاتا ہوں کہ ادھر سے اگر کوئی تیر آئے تو ابوبکر کے جسم میں لگے اور میرے آقا کی حفاظت رہے۔ پھر خیال آتا ہے کہ کہیں سامنے سے تیر نہ آجائے اس لیے میں کبھی بائیں طرف آجاتا ہوں اور کبھی پیچھے کی طرف آجاتا ہوں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۴۷۸)

سبحان اللہ! جیسے کوئی پروانہ شمع کے گرد چکر لگا رہا ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے پیارے اور محبوب بندے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شمع رسالت کے پروانے بن کر سفر کر رہے تھے۔

جب غار ثور میں پہنچے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے اندر گئے اور سارے سوراخ بند کر دیے، ایک سوراخ باقی بچ گیا، اس کو بند کرنے کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں رکھ دیا اور بیٹھ گئے۔ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ اندر تشریف لائے

تو عرض کیا: آقا! آپ تھکے ہوئے ہیں، آرام فرما لیجیے، یہاں بستر تو نہیں ہے، اللہ کی زمین بستر بنے گی، البتہ تکیے کے لیے ابوبکر کی گود حاضر ہے۔

دنیا میں دو گودیں تھیں جن کو محبوب ﷺ نے شان بخشی۔ایک گود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی اور دوسری گود صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اللہ کے محبوب ﷺ کا مبارک سر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ایک گود میں سر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے صدیق کا مقام عطا فرما دیا اور دوسری گود میں سر رکھا تو صدیقہ کا مقام عطا فرما دیا، اللہ اکبر کبیرا!

اللہ کے محبوب ﷺ آرام فرما رہے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے چہرۂ انور کا دیدار کر رہے تھے، ایک بزرگ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

"ابوبکر! جب آپ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی گود میں اللہ کے محبوب ﷺ کا مبارک سر تھا، اس وقت آپ ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے تو مجھے یوں لگ رہا تھا کہ آپ کی گود ایک رحل کے مانند ہے اور آقا ﷺ کا چہرۂ انور کھلے ہوئے قرآن کے مانند ہے اور ابوبکر! آپ مجھے ایک قاری لگ رہے ہیں جو بیٹھ کر اس قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔"

(سبحان اللہ!) ایک طرف حسنِ رسول ﷺ ہے اور دوسری طرف عاشق صدیق ہے۔آج کا طالب علم کہتا ہے کہ مجھے فلاں سے تعلق ہے، جب میں کتاب کھولتا ہوں تو مجھے اس کی شکل نظر آتی ہے، وہ کہتا ہے:

؎ کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

اور اِدھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور اللہ کے محبوب ﷺ کے رخِ انور کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کر رہے ہیں۔کسی شاعر نے اس کو عجیب انداز میں کہا:

؎ یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے!
رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

اس وقت اس غار میں ایک سانپ تھا جو محبوب ﷺ کا دیدار کرنا چاہتا تھا، اس کو نکلنے کے لیے کوئی اور جگہ تو نہ ملی، البتہ جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پاؤں رکھا ہوا تھا اس نے وہیں سے ڈسا، جب سانپ کا زہر جسم میں داخل ہوا تو سخت تکلیف کی شدت کی وجہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مبارک آنکھوں سے آنسو آگئے۔ وہ آنسو آقا ﷺ کے مبارک چہرے پر گرے، جس کی وجہ سے آقا ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

"مَا یُبْکِیْکَ یَا أَبَا بَکْرٍ؟" ابوبکر کیوں رو رہے ہو؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! مجھے اس طرح تکلیف ہوئی ہے اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے ہیں۔ (کتاب الرقۃ لابن قدامہ المقدسی)

شاعر نے اس منظر کو عجیب انداز سے کہا:

؎ آنسو گرا ہے روئے رسالت مآب پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

ہجرت کے سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری بکریاں دودھ دیتی ہیں تو اس نے کہا: ہاں! دیتی ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا تم مجھے دودھ دو گے؟ کہنے لگا کہ ہاں! دوں گا۔ پھر اس نے دودھ نکالا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک برتن میں ڈال لیا اور حضور ﷺ کے لیے لے کر چل دیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً دودھ کے برتن پر کپڑا ڈال دیا، تاکہ لے جاتے ہوئے دودھ میں گرد وغیرہ نہ پڑے۔ جب محبوب ﷺ نے

دودھ نوش فرمایا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب جملہ کہا:

"فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی رَضِیْتُ" (دلائل النبوۃ للبیھقی: ۲/۳۴۶)

"نبی علیہ السلام نے اتنا دودھ پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا"

تو یوں کہتے ہیں کہ فلاں نے اتنا دودھ پیا کہ اس کا دل خوش ہو گیا، لیکن یہاں معاملہ جدا ہے، فرمایا کہ میرے آقا ﷺ نے اتنا دودھ پیا، اتنا دودھ پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔ اس کو کہتے ہیں عشق۔

❖ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو محبوب ﷺ کے ساتھ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مشابہت نصیب ہو چکی تھی، اس کو "نسبت اتحادی" کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں کے دید و دانش رکھنے والے لوگ ان کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دو ہستیوں کو آتے دیکھا تو حیران ہوئے کہ ان کی رفتار ایک جیسی، ان کے لباس ایک جیسے، ان کے چہرے پر نورانیت تھی، وہ سوچ میں پڑ گئے کہ ان میں سے کون اللہ کے پیغمبر ہیں! ان میں ایک آقا تھے اور دوسرے غلام۔ ان میں سے ایک اصل تھے اور دوسرے ان کی نقل تھے، مگر نقل نے اصل کے اتنا قریب کا مقام پیدا کر لیا تھا کہ مدینہ کے لوگ اصل اور نقل میں فرق ہی نہ کر سکے۔ پتا نہ چل سکا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے، تابع کون ہے اور متبوع کون ہے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس نیت کے ساتھ مصافحہ کرتا رہا کہ میرے آقا تھکے ہوئے آ رہے ہیں، اگر سب لوگ مصافحہ کریں گے تو میرے آقا کو بے آرامی ہو گی، لہٰذا جب یہ مصافحہ کر لیں گے تو میں ان کو بتا دوں گا۔ چنانچہ جب سب سے مصافحہ کر لیا اور بیٹھ گئے اور ادھر سورج نے اپنا

چہرہ دکھایا اور اس کی کرنوں نے محبوب ﷺ کے مبارک رخساروں کے بوسے لینا شروع کر دیے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جن سے انہوں نے وقت کا نبی سمجھ کر مصافحہ کیا تھا وہ اٹھے اور انہوں نے اپنے آقا کے سر پر سایہ کر دیا۔ تب مدینہ کے لوگوں کو پتا چلا کہ آقا کون تھا اور غلام کون تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے کے لیے آتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع کی نورانیت اتنی ہوتی تھی کہ ان کو پوچھنا پڑتا تھا کہ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟

(بخاری، حدیث: ۶۳)

''آپ میں سے اللہ کے رسول کون ہیں؟''

ان سب حضرات کے چہروں پر اتنی نورانیت ہوا کرتی تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے دل میں محبوب خدا کی محبت:

چھوٹی بچیوں میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی اتنی محبت تھی کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی تھیں، ان کے ذمے ڈیوٹی لگی کہ غار ثور کے قیام کے دوران گھر سے کھانا پہنچا دیا کریں، کیونکہ آپ اس وقت اتنی چھوٹی تھیں کہ کسی کا اس طرف دھیان ہی نہیں جائے گا کہ آپ کھانا دے کر آ رہی ہیں۔ چنانچہ پہلے دن انہوں نے کھانا پہنچا دیا۔ جب دوسرے دن کھانا پہنچانے آئیں تو اللہ کے محبوب ﷺ نے دیکھا کہ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ماتھے پر زخم کا نشان ہے اور ان کی طبیعت اداس اور غمزدہ سی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اسماء! آج آپ غمزدہ لگ رہی ہیں، کیا وجہ ہے؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اے اللہ کے محبوب! کل جب میں آپ کو کھانا دے کر واپس جا رہی تھی تو راستے میں ابوجہل نے دیکھ لیا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا اور پوچھا: ابوبکر

کی بیٹی! تجھے پتا ہوگا کہ جہاں تمہارا باپ ہے وہیں اللہ کے رسول ہوں گے، بتاؤ! کیا تمہیں پتا ہے؟ اس کے پوچھنے پر میں نے سچ بولا اور میں نے کہا: ہاں! پتا ہے...... اللہ نے سچ بلوایا۔ اگر وہاں کوئی اور بات کر دیتیں تو لوگ کہتے کہ اگر ایک بہن ایسا کہہ سکتی ہے تو دوسری بہن بھی جھوٹ بول سکتی ہے۔نہیں! بلکہ صدیق کی بیٹی ہے اور صدیقہ کی بہن ہے۔ لہٰذا کیسے جھوٹ بول سکتی تھی؟

؎ ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سچ بولا اور کہا کہ ہاں! مجھے پتا ہے۔ ابوجہل نے کہا: بتاؤ! میں نے کہا: میں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں بڑا ماروں گا، اس طرح اس نے بہت ڈرایا دھمکایا، لیکن میں بھی ڈٹی رہی کہ میں نے نہیں بتانا۔ پھر اس نے اچانک اتنا زور سے تھپڑ لگایا کہ میں نیچے چٹان پر جا گری اور میرے ماتھے سے خون نکل آیا اور میری آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اے اللہ کے محبوب! اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر پھر کھڑا کیا اور کہنے لگا: اسماء! میں تجھے جان سے مار دوں گا، بتاؤ! تمہارے رسول کہاں ہیں؟ میں نے اس وقت جواب دیا: ابوجہل! میری جان تو تیرے حوالے، لیکن میں محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی۔

(سبل الہدی والرشاد: ۳/۲۴۶)

ایک صحابیہ کی محبت:

اللہ کے محبوب ﷺ کے ساتھ عورتوں کو بھی بے پناہ محبت تھی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لیے تیاری کیجیے! مدینہ کے ہر گھر میں عورتیں اپنے مردوں کو تیار

کر رہی تھیں۔ ایک گھر میں ایک عورت اپنے بچے کو اپنی گود میں لے کر بیٹھی تھی، ان کے خاوند پہلے شہید ہو چکے تھے۔ لہٰذا اب گھر میں کوئی بڑا مرد نہ تھا جس کو تیار کر کے جہاد کے لیے بھیج سکیں۔ چنانچہ بچے کا چہرہ دیکھ کر رونے لگیں کہ اگر کوئی بڑا مرد ہوتا تو میں بھی اسے تیار کر کے آقا ﷺ کی خدمت میں بھیجتی۔ روتے روتے جب ان کی طبیعت بہت ہلکان ہوئی تو اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور آقا ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کی گود میں اپنے بیٹے کو ڈال کر عرض کرنے لگیں: ''اے اللہ کے محبوب! آپ میرے بیٹے کو جہاد کے لیے قبول فرمالیں''۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یہ چھوٹا بچہ جہاد کیسے کر سکتا ہے؟

کہنے لگیں: اے اللہ کے محبوب! جس مجاہد کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو، میرا بچہ اس کے حوالے کر دیجیے، وہ مجاہد لڑنے کے لیے جائے گا، اور سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسائے گا تو مجاہد تیروں سے بچنے کے لیے میرے بیٹے کو آگے کر دے، اس طرح میرا بیٹا دشمن کے تیروں کو روکنے کے کام آ سکتا ہے۔

سبحان اللہ! صحابیات کے دل میں اللہ کے محبوب ﷺ کی اتنی محبت تھی۔

ایک واقعہ جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تڑپا دیا:

ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی! اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہو تو وہ آ کر مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سکتہ طاری ہو گیا۔ صحابہ کرام میں سے کوئی کیسے بدلہ لینے کی جرأت کر سکتا تھا! مگر ایک دیوانہ کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے محبوب! آپ کے اوپر میرا حق آتا ہے، لہٰذا میں آپ سے بدلہ لینا چاہتا

ہوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: مجھ پر آپ کا کونسا حق ہے؟ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! ایک مرتبہ آپ میدان جہاد میں صفیں درست کروا رہے تھے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی آپ نے مجھے کہا کہ ذرا پیچھے ہو جاؤ، جب آپ نے وہ چھڑی میرے بدن کے ساتھ لگائی تھی تو وہ مجھے چبھی تھی اور تکلیف ہوئی تھی، اس لیے میرا حق آپ کے اوپر آتا ہے۔

اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ بھی چھڑی لے لیں اور جیسے میں نے کیا تھا آپ بھی کر لیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے محبوب! اس وقت تو آپ کے مبارک بدن پر کرتہ ہے اور اس وقت میری کمر پر کوئی کپڑا بھی نہیں تھا، تو میں کیسے بدلہ لوں؟ اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی پشت مبارک سے اپنے کرتے کو ہٹا دیا...... صحابہ کرام حیران ہیں کہ یہ ہاتھ میں اپنی چھڑی لے کر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل تڑپ اٹھا، چاہتے ہیں کہ اس سے جا کر کہیں کہ بھئی! ابوبکر کا جسم حاضر ہے، جتنی چاہتے ہو ضربیں لگاؤ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑا ہونا چاہتے ہیں، مگر ادب کی وجہ سے کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا اور یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ یہ دیوانہ کیسے بدلہ لینا چاہتا ہے؟ وہ بدلہ لینے پر تل گیا اور محبوب ﷺ بدلہ دینے پر تل گئے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے اپنے کرتے کو ہٹایا تو وہ قریب ہوا۔ اس نے چھڑی کو زمین پر ڈال دیا اور آقا ﷺ کی مہر نبوت کو بوسہ دے کر آقا کی پشت مبارک کو اپنے سینے سے لگا لیا اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے محبوب! میرے دل میں مدت سے یہ تمنا تھی کہ میں آپ کی ختم نبوت کو بوسہ دوں، مجھے کوئی موقع نہیں ملتا تھا، جب آپ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو، تو میرے دل میں خیال آیا کہ تیرے بخت جاگ گئے، اب تجھے آقا کی مہر

نبوت کا بوسہ لینے کا موقع مل گیا ہے۔ ورنہ یہ غلام کیسے جرأت کرسکتا ہے کہ آقا سے بدلہ لینے کے لیے کہہ سکے؟ اللہ اکبر! (المستدرک للحاکم: ۳/۲۸۸)

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بھری دعا:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا مانگ رہے تھے۔ آپ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے قریب آ گئے۔ انہوں نے سنا کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے: اے اللہ! مجھے میرے محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا۔ جب اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگ لی تو وہ قریب آ کر بصد ادب عرض کرتے ہیں: یہ جو آپ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے میرے محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا، تو آپ کا یہ دعا مانگنے کا کیا مقصد ہے؟

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے میرے صحابی! تمہارے دلوں میں بھی میری بڑی محبت ہے، مگر تم تو جبرئیل علیہ السلام کو آتے دیکھتے ہو، قرآن اترتے دیکھتے ہو، میرے چہرے کا دیدار کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کو آنکھوں سے دیکھتے ہو، تمہاری محبت بھی بڑی قیمتی ہے، مگر میری اس امت میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب مجھے اس دنیا سے پردہ کیے سینکڑوں سال گزر جائیں گے، پھر وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا، وہ اپنے علما سے میری باتیں سنا کریں گے، وہ اپنے علما سے میرے حسن و جمال کی باتیں سنیں گے تو ان کے دلوں میں میری ایسی محبت پیدا ہو جائے گی کہ وہ میری محبت کی وجہ سے تڑپا کریں گے۔ وہ ہر ہر کام میرے طور طریقے کے مطابق کیا کریں گے اور وہ میری ملاقات کے لیے اداس ہوا کریں گے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے، لیکن میرا دیدار نہیں کیا، میں ان کے لیے

دعائیں کررہا ہوں کہ اے اللہ! مجھے ان محبت کرنے والوں سے جلدی ملا دینا۔

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۶۰۰۷، کنز العمال، حدیث: ۳۷۹۱۳)

اس لیے آج جس کے دل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ہوگی اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کا عاشق ہوگا، جو آپ ﷺ کے غم کو اپنا غم بنالے گا اور جو آپ ﷺ کے پیغام کو پوری دنیا میں پہنچانے کے لیے کمربستہ ہوجائے گا، اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی دعائیں اس کے ساتھ ہوں گی۔ قیامت کے دن آقا ﷺ اپنے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام عطا فرمائیں گے اور اپنے جھنڈے کے نیچے اس کو جگہ عطا فرمائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت سے اپنے ظاہر کو سجائیں اور اپنے باطن میں ان کی تعلیمات کا نور اتارنے کی کوشش کریں۔ اور جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں تو یہی عرض کریں کہ:

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

پھر دیکھنا کہ اس دن اس کی اللہ رب العزت کے ہاں کیا قیمت لگے گی اور کیا مقام ملے گا! کسی کہنے والے کہا:

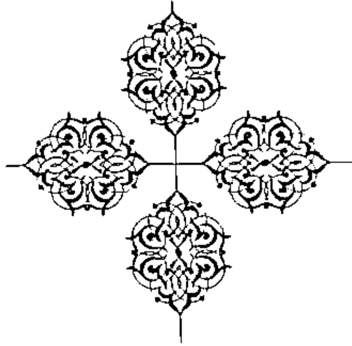
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے



اللہ رب العزت ہمیں بھی دین کی ان تعلیمات کو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمادے۔اور ہمیں آئندہ اپنی زندگی شریعت وسنت کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمادے (آمین ثم آمین)







انتخابِ لاجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا﴾ (آل عمران:۱۶۱)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا﴾ (ال عمران:۱۶۴)

اللہ رب العزت نے انسان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا﴾ (النحل:۱۸)

''اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو تم ان کو گن ہی نہیں سکتے''

ان اَن گنت نعمتوں پر اللہ رب العزت نے احسان نہیں جتایا۔ انسان کو بینائی دی، سماعت دی، گویائی دی، عقل کے نور سے نوازا، جسم میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور انسان کے لیے اللہ رب العزت نے ہوا بنائی، روشنی بنائی، زمین پھیلائی، آسمان بنایا، پانی دیا، انسان کو کھانے کے لیے پھل دیے، دیکھنے کے لیے پھول دیے۔ اتنی نعمتیں اللہ رب العزت نے دیں، مگر کسی نعمت پر اللہ رب العزت نے اپنا احسان نہیں جتایا۔ سوائے ایک نعمت کے کہ وہ نعمت بھی ایسی کہ واقعی اللہ رب العزت کے خزانے میں ایک ہی تھی، اور وہ ہے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا﴾ (آل عمران:۱۶۱)

''تحقیق کہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا، جب اس نے ان میں اپنے رسول کو مبعوث فرمایا''

تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

بے مثال سیرت:

اس لیے نبی علیہ السلام کی سیرت کی مثال سمندر کے مانند ہے، جیسے سمندر کی گہرائیوں کو ناپنا انسان کے بس میں نہیں اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ مبارکہ کا بیان کرنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔ چنانچہ کہنے والوں نے بھی یہی کہا

يَا صَاحِبَ الۡجَمَالِ! وَيَا سَيِّدَ الۡبَشَرِ!
مِنۡ وَجۡهِكَ الۡمُنِيۡرِ لَقَدۡ نُوِّرَ الۡقَمَرُ

لَا يُمْكِنُ الثَّنَآءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی ، قصہ مختصر

کہ مختصر بات یہی ہے کہ اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ رب العزت کے بعد آپ کا درجہ ہے۔

نبی علیہ السلام کی سیرت آسمان کے مانند ہے، انسان شہر میں ہو، جنگل میں ہو، وادی میں ہو، پہاڑ کی چوٹی پر ہو، جہاں بھی ہو، سر اٹھا کر دیکھے اسے آسمان نظر آتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی زندگی کے جس موڑ پر بھی ہو، لڑکپن میں ہو، جوانی میں ہو، بڑھاپے میں ہو، ازدواجی زندگی ہو، کام کاروبار ہو، اجتماعی زندگی ہو، جس سمت سے بھی ہو، ذرا سا سر اٹھا کر جو دیکھے تو اس کو نبی علیہ السلام کی سیرت آسمان کی طرح نظر آتی ہے اور اس کو ہدایت مل جاتی ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا ایک انوکھا پہلو:

چنانچہ سیرت بیان کرنے کے لیے علما نے انوکھے انداز اختیار کیے، مگر سچی بات یہ ہے کہ حق ادا کوئی بھی نہ کر سکا۔ آج ہم سیرت کو ایک اور عنوان سے دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت کا یہ انتخاب لاجواب تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیے! کہ اگر کوئی ماں مال پیسے والی ہے اور اسے اپنی بیٹی کا جہیز بنانا ہے تو محبت کی وجہ سے وہ بیٹی کا جہیز ایسا بنائے گی کہ ایک ایک چیز چنی ہوئی ہوگی۔ فرنیچر بہترین ہوگا، کپڑے بہترین ہوں گے، زیورات بہترین ہوں گے، گاڑی بہترین ہو گی، غرض کہ وہ اگر رشتہ بھی دیکھے گی تو بہترین دیکھے گی۔ اپنی بیٹی کے لیے اس کا ہر چیز کا انتخاب بہترین ہوگا۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے یوں سوچیے! کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو دنیا میں بھیجا تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ

کے لیے ہر بہترین چیز کو چنا۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو عطا کی وہ سب سے بہترین تھی۔ اسی پہلو سے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو آج ہم ایک طالب علم کی حیثیت سے دیکھیں گے اور سٹڈی کریں گے۔

قیمتی چیز طلب سے ملتی ہے:

چنانچہ عام دستور یہی ہے کہ انسان کے پاس کم قیمت چیز ہو تو بن مانگے دے دی جاتی ہے، لیکن قیمتی چیز ہو تو انسان چاہتا ہے کہ کوئی مانگے، طلب کا اظہار کرے پھر اسے دی جائے گی۔ چنانچہ باقی انبیا جتنے بھی دنیا میں تشریف لائے، ان کو اللہ رب العزت نے ازخود دنیا میں بھیجا، لیکن جب اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ نے دنیا میں آنا تھا تو اللہ نے پسند کیا کہ مجھ سے مانگا جائے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تو حکم ہوا کہ میرے ابراہیم خلیل اللہ! آپ نے میرا گھر بنا دیا اب آپ مجھ سے انعام مانگیے کیا مانگتے ہیں؟ تو ابراہیم خلیل اللہ نے دعا مانگی: اے رب کریم! میں نے مسجد بنا دی، عبادت کرنے والے، عبادت سکھانے والے کو بھیج دیجیے۔ میں نے مدرسہ بنا دیا، قرآن پڑھانے والے کو بھیج دیجیے! قرآن مجید میں ہے کہ انہوں نے یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا﴾ (البقرة:۱۲۹)

''اللہ! اپنے حبیب (ﷺ) کو بھیجیں۔''

یوں سمجھیں کہ انہوں نے فرمایا: اے اللہ! میں آپ سے دنیا کا مال نہیں مانگتا، بلکہ میں آپ سے آمنہ کا لال مانگتا ہوں۔ میں وہ نعمت مانگتا ہوں جو تیرے خزانے میں بھی ایک ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دو دعائیں:

دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام کی دو دعائیں تھیں۔ ایک دعا میں انہوں نے اولاد مانگی، اللہ نے اسمٰعیل دے دیے۔ اسمٰعیل میں دو حروف ہیں، بلکہ دو لفظ ہیں۔ اِسما کے معنیٰ ہوتے ہیں ''سن لے''۔ عیل کا معنیٰ ہوتا ہے ''اے اللہ!'' یعنی اے اللہ! سن لے۔ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام عطا فرمائے، پھر ان کی اکتالیسویں پشت میں اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

چنانچہ دعا مانگنے والے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، آمین کہنے والے اسماعیل ذبیح اللہ، اور اس دعا کو جہاں مانگا اس جگہ کا نام بیت اللہ اور جس سے مانگا اس پروردگار کا نام اللہ۔ اور کیا مانگا؟ اللہ کا حبیب۔ تو اللہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام کو دو نعمتیں ملی تھیں: ایک زم زم والا ملا (اسماعیل علیہ السلام) دوسرے کوثر والے ملے (اللہ کے حبیب علیہ السلام)۔ اسماعیل علیہ السلام اللہ کے محب بنے کہ اللہ کے نام پر قربان ہونے کو تیار اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بنے۔ سبحان اللہ! کیا کیا نعمتیں ملیں۔ ایک ذبیح اللہ ملا اور دوسرا حبیب اللہ ملا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمالیا۔

اب عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی مجلس ہو پروگرام چلتا رہتا ہے، لیکن جب مہمان خصوصی نے آنا ہوتا ہے تو اس سے پہلے اعلان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے یہ پسند فرمایا کہ جب میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لانے والے ہوں گے تو ان کے آنے سے پہلے اعلان ہوگا۔

مہمانِ خصوصی کی آمد کا اعلان:

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے منتخب فرمایا کہ آپ دنیا میں جائیے، میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا اعلان کیجیے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان کیا کہ میرے بعد رسول آئیں گے:

﴿یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

کہ جن کا نام احمد ہوگا۔ سبحان اللہ! اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان دیکھیے! کہ ان کے آنے سے پہلے ایک پیغمبر علیہ السلام آئے اعلان کرنے کے لیے۔ یہ بھی آپ سمجھتے ہیں کہ جب مہمان خصوصی کے آنے سے پہلے اعلان کیا جاتا ہے تو پھر مہمان خصوصی آتا ہے، اپنا بیان کرتا ہے اور جب چلا جاتا ہے تو پھر اعلان کرنے والا مجلس کو Wind up (برخاست) کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی یہی معاملہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمانوں پر بلا لیا اور نبی علیہ السلام کی امت کا جب آخری وقت ہوگا تو اللہ رب العزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ بھیجیں گے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو ہی دنیا میں آگے بڑھائیں گے اور مجلس کے اختتام کا گویا اعلان کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد بہترین:

سبحان اللہ! اللہ رب العزت کی رحمت دیکھیے! کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانا تھا تو اللہ رب العزت نے جس جس کو منتخب کیا وہ واقعی اپنی جگہ پر بہترین تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو چنا، یہ بزرگی والے تھے۔ ابراہیم کے لفظ کا معنیٰ ہے بزرگی والا، یعنی بزرگی والی شخصیت کو چنا۔ اور وہ ایسی بڑی شخصیت تھی کہ سب بڑے مذاہب سے

تصدیق ہوئی کہ وہ بزرگی والے ہیں۔ چنانچہ مسلمان، عیسائی، یہودی، تینوں مذاہب والے ابراہیم علیہ السلام کا عزت واحترام کرتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کی زبان بہترین:

پھر آگے دیکھیے کہ جب نبی علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے آپ کے لیے عربی زبان کو پسند کیا۔ عبرانی زبان بھی تو ہوسکتی تھی، سریانی زبان بھی تو ہوسکتی تھی، کوئی اور علاقائی زبان بھی ہوسکتی تھی، مگر سب زبانیں اس قابل نہیں کہ احساسات اور جذبات کو صحیح طرح ایکسپریس کرسکیں، زبانوں میں عربی زبان ایسی ہے جو اپنی فصاحت اور بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ)) (بحر العلوم: ۳/۱۴۲)

''میں فصیح عربی زبان بولنے والا بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہوں''

چنانچہ فصاحت اور بلاغت کے بارے میں ایک شعر سنیے

؎ سمجھ میں صاف آ جائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

اس لیے عربوں کو اپنی زبان پر اتنا ناز تھا کہ وہ باقی لوگوں کو عجمی یعنی گونگے کہا کرتے تھے کہ یہ تو اپنی Feelings (احساسات) کو Express (بیان) کر ہی نہیں سکتے۔ اور واقعی اگر آپ اس کی مثالیں دیکھیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ عربی میں تھوڑے لفظوں میں زیادہ مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر: آپ نے کسی کو کہنا ہے کہ نماز پڑھو، تو انگلش میں آپ یوں کہیں گے Offer the prayer تم اپنی نماز پڑھو! اگر یہی الفاظ

اردو میں کہنے ہیں تو کہا جائے گا: ''نماز پڑھو!'' تو انگریزی میں تین لفظ استعمال ہوئے، اردو زبان میں دو لفظ استعمال ہوئے اور اگر عربی میں کہنا ہے تو اتنا ہی کہنا پڑے گا کہ ''صَلِّ'' ۔ایک لفظ تین الفاظ کا مفہوم اور معنیٰ بیان کر دیتا ہے۔اس لیے عربی زبان کے اندر بہت گہرائی ہے۔تو قرآن مجید کی یہی شان ہے کہ یہ مختصر کلام ہے، مگر اس کی تفصیلات اتنی ہیں کہ گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔تو دیکھیے! اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے جس زبان کو چنا وہ زبانوں میں سب سے بہترین زبان تھی۔

شہرِ ولادت بہترین:

پھر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو جس جگہ پیدا فرمایا وہ مکہ مکرمہ کا شہر ہے۔مشرق میں بھی پیدا ہو سکتے تھے، مغرب میں بھی ہو سکتے تھے، شمال جنوب میں بھی ہو سکتے تھے، مگر ہر جگہ کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔کبھی آپ دنیا کے جغرافیے کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو آپ کو جزیرۂ عرب یوں نظر آئے گا کہ یہ تین طرف سے تو پانی سے گھرا ہوا ہے اور اوپر ایک طرف سے زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔جس طرح انسان کے جسم میں دل ہوتا ہے، لٹک رہا ہوتا ہے، صرف ایک طرف سے بدن کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ یہ دل جب تک دھڑکتا ہے اس وقت تک انسان کی زندگی رہتی ہے، جب یہ دھڑکنا بند ہو جاتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا کے نقشے کو دیکھیے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جزیرۂ عرب پوری دنیا میں Geographic Heart جغرافیائی دل ہے۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے گھر کو گرایا جائے گا۔تو پھر اس کے بعد اللہ رب العزت اس پوری دنیا کو ختم فرما دیں گے۔تو یہ جغرافیائی دل ہے، جب تک یہ دھڑکتا رہے گا اس وقت تک

دنیا کی بقا رہے گی۔

مکہ مکرمہ......امن کا شہر:

دیکھیے! امن کا شہر مکہ مکرمہ، اس کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا﴾ (البقرۃ:۱۲۶)

''اے اللہ! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے''

اللہ رب العزت نے اس وقت سے اس کو امن والا شہر بنایا۔ تو پھر نبی علیہ السلام نے اس امن والے شہر میں حجۃ الوداع کے موقع پر امن کا ایسا اعلان کیا کہ آج تک یہ خطہ امن کے ساتھ ہی موجود ہے۔ چنانچہ اگر بیرونی طور پر کچھ لوگ یہاں آکر فساد مچا سکتے تھے تو اللہ رب العزت نے اس کے پہاڑوں کو ایسا بنایا کہ ''وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ'' کہ سبزے کا نام ونشان ہی نہیں، خشک پہاڑ۔ چنانچہ جس زمانے میں قیصر اور کسریٰ کی حکومتیں تھیں اور دنیا پر ان کا راج تھا، وہ جزیرۂ عرب کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے تھے کہ یہاں تو پانی نہیں، کاشت نہیں، سبزہ نہیں۔ ہم نے یہاں کیا کرنا ہے؟ گویا اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے اس علاقے کو ان ملکوں کی دست برد سے محفوظ رکھا۔ اور یہ امن کا علاقہ ہے اور اگر کسی نے اس کے امن کو خراب کرنے کی کوشش کی جیسے ابرہہ نے کوشش کی تھی تو اللہ نے اس کے ہاتھی والے لشکر کو پرندوں کے ذریعے سے ختم کروا دیا۔ امن ختم کرنے کی کوئی بھی کوشش کسی کی کامیاب نہ ہو سکی، چنانچہ یہ امن والا شہر ہے۔

آج بھی دیکھیے! اس امن والے شہر کی کیا شان ہے! لاکھوں لوگ حج کے موقع پر آتے ہیں، بسا اوقات ستر لاکھ لوگ اس شہر میں جمع ہوتے ہیں اور شہر کی اپنی آبادی اس کے علاوہ، اور اتنے بڑے شہر کا اس وقت بھی پر امن رہنا یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی نعمت ہے!

مکہ مکرمہ......وسطِ عالم:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسی جگہ بھیجا جو دنیا کا علاقائی دل ہے۔ اگر زمین کے نقشے کو پھیلا کر دیکھیں تو یہ جگہ وسط بنتی ہے۔ چنانچہ بیت المقدس، بلا دشام یہ وسط دنیا نہیں ہے، لیکن مکہ مکرمہ بالکل وسطِ دنیا بنتا ہے۔ صرف اس لیے کہ یہ اوّلِ عالم تھا، مرکزِ عالم تھا، وسطِ عالم تھا۔

جیسے پانی کہیں کھڑا ہو اور تالاب کے اندر درمیان میں کنکری پھینکیں تو جو لہریں پیدا ہوتی ہیں تو مرکز سے چل کر پورے کناروں تک پھیل جاتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے بھی اپنے حبیب ﷺ کو دنیا کے مرکز میں بھیجا کہ میرے حبیب ﷺ کا نور یہاں سے جو پھیلے گا تو دنیا کے چاروں کونوں تک پھیل جائے گا۔ تو اس کا مطلب یہ کہ جگہ کا بھی بہترین انتخاب کیا۔

مکہ مکرمہ کا موسم بہترین:

پھر مکہ مکرمہ کا موسم بھی بہترین ہے۔ دیکھیے! بعض ایسے ممالک ہیں جہاں بہت بارشیں ہوتی رہتی ہیں اور ٹھنڈے ممالک ہیں۔ اب اگر مکہ مکرمہ کا موسم ویسا ہوتا تو حج کے موقعہ پر اتنی بیماریاں پھیلتیں کہ الامان والحفیظ۔ اللہ رب العزت نے موسم ایسا بنایا کہ گرمی ہے، لیکن لاکھوں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کا جتنا بیکٹیریا ہوتا ہے، گرمی کی وجہ سے Kill ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے کی بیماریاں دوسروں کو ٹرانسفر ہی نہیں ہوتیں، سبحان اللہ! موسم بھی ایسا کہ بہترین، مناسب اور جگہ بھی اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے بہترین چنی۔

مکہ مکرمہ کے اوقات بہترین:

دنیا میں کئی علاقے ہیں جہاں پر چھ مہنے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے اور یہاں دیکھو Allmost (تقریباً) آدھا دن اور آدھی رات۔ تھوڑا آگے پیچھے موسم کے اعتبار سے ہوتا ہے تو ہر لحاظ سے یہ دنیا کا بہترین موسم اور بہترین جگہ، ایک مرکز جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے پسند فرمایا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبیلہ بہترین:

اگلا پوائنٹ دیکھیے! کہ اللہ کے حبیب ﷺ عربوں کے کسی بھی قبیلے میں پیدا ہو سکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں چوالیس قبیلے تھے جیسے بنو ثقیف، بنو نضیر، بنو خزرج، بکر بن وائل کا قبیلہ اور کئی دوسرے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی قبیلے میں اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو پیدا نہیں فرمایا، بلکہ قریش میں پیدا کیا۔ قریش کا لفظ قرش سے بنا، وہ جگہ جو حرکت نہ کرے۔ گویا اس قبیلے کو قریش جو کہتے تھے تو ان کی مستقل مزاجی کی وجہ سے کہتے تھے، مستحکم قبیلہ۔ سب سے بہترین قبیلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو پیدا فرمایا۔ پھر قبیلے کی آگے شاخ دیکھیے! بنو ہاشم ہے۔ بنو ہاشم مہمان نواز قبیلہ کہلاتا تھا۔

دادا کا انتخاب بہترین:

ذرا اور آگے جایئے! اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے دادا کا انتخاب فرمایا، عبدالمطلب۔ یہ بیت اللہ کے والی تھے، بیت اللہ کے خدمت گار تھے، متولی تھے، سبحان اللہ! کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کو حبیب ﷺ کا دادا بنانا تھا، ان کو بیت اللہ

کی چابیاں ہی حوالے کر دیں۔ ایسی عزت والا خاندان۔

والد ماجد کا بہترین انتخاب:

پھر آگے دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے کس والد کو چنا؟ عبد المطلب کے بارہ بیٹے تھے، بارہ میں سے کوئی بھی والد بن سکتے تھے۔ غور کیجیے! ان میں ایک کا نام تھا عبد العزیٰ جسے ابولہب کہتے ہیں، ایک کا نام تھا عبد الشمس، ایک کا نام تھا عبد الحارث۔ اگر ان میں سے کوئی بنتے تو لوگ کہتے کہ جی ان کے باپ کا نام ہی بتوں کے نام پر تھا۔ ایک چچا نوفل تھے، اس کا معنیٰ سخت جگہ۔ ایک چچا حمزہ تھے، لمبی جگہ۔ ایک چچا عباس تھے یعنی پتھریلی جگہ۔ اگر نام دیکھے جائیں تو یا بتوں کے نام پر ہیں یا بے معنیٰ ہیں۔ ان سب بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام تھا عبد اللہ، اللہ کا بندہ۔ (سبحان اللہ!) اللہ! تیری شان پر قربان جائیں کہ آپ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے کس والد کا انتخاب کیا اور ان کا نام کتنا خوبصورت یعنی اللہ کا بندہ، کیونکہ اس آنے والے نبی امی نے اللہ کی بندگی جو سکھانی تھی۔ آج نبی علیہ السلام کو کوئی یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ آپ کے والد کا نام تو بتوں کے نام پر ہے۔

چنانچہ عبد المطلب کے بارہ بیٹوں میں سے عبد اللہ سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ ایسا نور چمکتا تھا ان کے چہرے پر کہ لوگ حیران ہوتے تھے، حتیٰ کہ ایک عورت فاطمہ نے خود اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کر دیا تھا۔

ابن ذبیحین:

اور عبد اللہ ذبیح اللہ بھی تھے۔ وہ کیسے؟ عبد المطلب زم زم کو تلاش کرنا چاہتے تھے، مگر

وہ ملتا نہیں تھا، تو انہوں نے منت مان لی کہ اگر زم زم مل گیا تو میں اس کے بدلے اپنے ایک بیٹے کو ذبح کروں گا۔ اللہ کی شان کہ زم زم مل گیا، چشمہ جاری ہو گیا، جس کے اوپر پتھر رکھا تھا وہ ہٹا دیا گیا۔ اب عبد المطلب نے اپنی منت کو پورا کرنے کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ وہ چاہتے تھے کہ عبد اللہ کو ذبح کریں، لیکن لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہ اتنا خوبصورت اور اچھا بیٹا ہے اس کے بدلے آپ اونٹوں کو ذبح کر دیں۔

چنانچہ عبد المطلب نے عبد اللہ اور اونٹوں کے درمیان پھر قرعہ ڈالا۔ پہلے دس اونٹوں کی نیت کی کہ دس کو قربان کروں یا عبد اللہ کو، قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا۔ پھر بیس اونٹوں کی نیت کی، پھر تیس کی کی، جتنی نیتیں کرتے رہے نام عبد اللہ کا نکلتا رہا، حتیٰ کہ جب سو اونٹوں کی نیت کی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا، چنانچہ عبد المطلب نے سو اونٹوں کو قربان کیا۔ (الخصائص الکبریٰ: ۱/۷۷) اس لیے حضرت عبد اللہ کو ''ذبیح اللہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک اعرابی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس نے نبی علیہ السلام کو یوں کہا: یَا ابْنَ ذَبِیْحَیْنِ! (اے دو ذبح ہونے والوں کے بیٹے!) نبی علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا: ہاں! میرے اوپر کے بزرگوں میں اسماعیل علیہ السلام بھی ذبیح اللہ تھے اور میرے والد عبد اللہ بھی ذبیح اللہ تھے۔ چنانچہ میرے دو والد ذبیح اللہ بنے۔ سبحان اللہ!

(جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۴۱۱۴۰)

دیکھیے! لسانِ نبوت کا انتخاب بھی بہترین، جس جگہ پر پیدا ہوئے وہ جگہ بھی بہترین اور جس جگہ میں اتنا اللہ رب العزت نے خزانہ رکھا کہ آج پوری دنیا اس ملک کے خزانوں کے اوپر حیران ہے۔ پھر قبیلے کا انتخاب بھی بہترین، شاخ کا انتخاب بھی بہترین، دادا کا انتخاب بھی بہترین، اور پھر والد کا انتخاب بھی بہترین۔

والدہ ماجدہ کا انتخاب بہترین:

آیئے والدہ کی طرف ذرا دیکھیے! کہ والدہ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھی اور وہاں پر کئی قبیلے عربوں کے تھے جیسے "بنو ثقیف" (چاقوؤں والا) "بنو نضیر" (کانٹوں والا) اس قسم کے کئی قبیلے تھے، لیکن ایک قبیلہ ایسا تھا جس کا نام تھا "بنو زہریٰ" (تازگی والا) نبی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بنو زہریٰ قبیلہ سے تھیں۔ یعنی قبیلے کا نام بھی ایسا کہ بہترین نام، بہترین قبیلے کو چنا۔

پھر والدہ کا نام بھی بہترین، اس زمانہ میں عورتوں کے بہت سارے نام تھے۔ کئی تو بہت ہی عجیب ہوتے تھے، جیسے خنثیٰ (بدشکل)، حربیٰ (لڑنے والی) اور اسی طرح کے نام ہوتے تھے، مگر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جس کو والدہ کے طور پر چنا، اس کا نام تھا (آمنہ) یعنی امانت والی، کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنی امانت ان کے سپرد کرنا تھی، اس لیے اللہ رب العزت نے اس کا نام بھی آمنہ چنا کہ یہ امانت والی ہے، میری امانت کی صحیح حفاظت کرے گی۔

بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں امید سے تھی تو اتنی برکتیں ہوتی تھیں، میں چلتی تھی تو درخت جھک جاتے تھے، میں زمزم بھرنے جاتی تھی تو زم زم کا پانی اوپر کنارے کے قریب ہو جاتا تھا، مکہ مکرمہ کی دوسری لڑکیاں مجھے پکڑ لیتی تھیں آمنہ مت جاؤ! آپ کے جانے کے بعد پانی نیچے چلا جائے گا۔ وہ جتنی دیر کھڑی رہتی تھیں، پانی بھرنا آسان ہوتا تھا۔ تو برکتوں والی ہستی نے تشریف لانا تھا، اللہ نے اس امانت والی خاتون کے سپرد کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا انتخاب بہترین:

نبی علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

ناموں میں سے بہترین نام کو پسند کیا۔کون سا نام؟ محمد ﷺ۔اس کا لفظی معنی ہے کہ وہ ہستی جس کی جتنی تعریف کی جائے کائنات میں کسی اور کی اتنی تعریف نہ کی گئی ہو۔اور واقعی یہ بات حقیقت بھی ہے کہ جتنی نبی علیہ السلام کی تعریفیں ہوئی ہیں کسی کی تعریفیں اتنی نہیں ہوئیں۔مخلوق نے بھی تعریف کی ، خالق نے بھی تعریف کی ، اپنوں نے بھی تعریف کی ، غیروں نے بھی تعریف کی ، سب سے زیادہ جس کی تعریف ہوئی وہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ ہیں۔آج پوری دنیا میں جہاں اذان ہوتی ہے نبی علیہ السلام کا نام اس میں لیا جاتا ہے ،تعریف ہو رہی ہوتی ہے۔

دوسرا نام آپ کا احمد ہے۔احمد کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔واقعی کسی ہستی نے اللہ کی اتنی تعریف نہیں کی جتنی تعریف اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کی ہے۔اور نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھے مقامِ محمود عطا فرمائیں گے ، میں وہاں جا کر سجدے میں جاؤں گا اور میں اللہ کی ایسی تعریف کروں گا کہ ایسی تعریف نہ پہلے کسی نے کی ہوگی نہ بعد میں کوئی تعریف کرے گا۔سبحان اللہ! یہ شرف بھی اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو عطا فرمایا۔چنانچہ آپ کی بھی سب سے زیادہ تعریفیں کی گئیں اور آپ نے اپنے اللہ کی بھی سب سے زیادہ تعریف فرمائی۔ اتنا خوبصورت نام کہ نہ پہلے کبھی رکھا گیا کہ کسی کے ذہن میں آجاتا۔

سب سے پہلے یہ نام اس دنیا میں اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کا رکھوایا۔تو یہ نام چن لیا تھا۔دیکھو! نام کا انتخاب بھی بہترین ، ورنہ اور بھی انبیا تھے ، ان کے بھی نام تھے۔دیکھیے!

آدم علیہ السلام کا نام گندم گوں یعنی گندمی رنگ والا۔

نوح کا لفظی معنیٰ نوحہ کرنے والا، رونے والا۔

زکریا کا معنیٰ سبق یاد کرنے والا۔

ادریس کا معنیٰ درس دینے والا۔

یوسف کا معنیٰ افسوس کرنے والا۔

یعقوب کا معنیٰ بعد میں آنے والا۔

موسیٰ کا معنیٰ پانی سے نکالا ہوا۔

عیسیٰ کا معنیٰ سیاحت والا۔

تو اور انبیا کے ناموں کو بھی دیکھیں تو ان کے ناموں کے معنی میں وہ شان نہیں جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے نام کے معنی میں ہے۔ سبحان اللہ! نہ محمد کے معنی میں نقطہ نہ احمد کے معنیٰ میں نقطہ۔ مقصد کیا تھا؟ کہ دیکھو! میں ایسی ذات کے لیے یہ نام چن رہا ہوں کہ تم ان کے کردار پر کوئی دھبہ نہیں لگا سکتے۔ میں نے ان کے نام پر بھی کسی نقطہ کو پسند نہیں کیا۔

تو دیکھیے! محمد کا نام لیں تو بھی ہونٹ دو دفعہ ملتے ہیں، محبت کا نام لیں تو بھی دو دفعہ ہونٹ ملتے ہیں، چنانچہ یہ وہ ہستی تھی جو دنیا میں محبتیں تقسیم کرنے کے لیے تشریف لائی۔

ع میرا پیغام ہے محبت جہاں تک پہنچے

پھر ذرا اور غور کیجیے! کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لو تو لب ہلتے ہیں اور نبی علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرو دل آپس میں ملتے ہیں۔

پھر ایک نکتہ اور سمجھ لیجیے! کہ نبی علیہ السلام کا نام ہے احمد، ذرا نمازی کی حالت پر غور کریں! نمازی جب قیام کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے تو ''الف'' کے حرف کے مانند ہوتا ہے۔ جب وہ رکوع میں چلا جاتا ہے تو ''ح'' کے مانند بن جاتا ہے، جب سجدے میں چلا جاتا

ہے تو ''م'' کے مانند بن جاتا ہے۔ اور جب التحیات کی حالت میں بیٹھتا ہے تو ''د'' کے مانند۔ گویا یہ نمازی نماز کو ادا کر رہا ہے، لیکن اس کے مختلف ارکان کی جو شکلیں بن رہی ہیں وہ احمد کا نام بن رہا ہوتا ہے۔ میں اپنے اللہ کی زبان سے بھی تعریفیں کر رہا ہوں اور پورا جسم بھی ایک ایسا نام پکار رہا ہے جس کا معنی اللہ کی سب سے زیادہ تعریفیں کرنے والا ہے۔ سبحان اللہ!

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے بہترین نام کو چنا۔ آج لوگ اپنے بچوں کے لیے بہترین نام چنتے ہیں۔ بیوی سے محبت ہوتی ہے، تو اس کو بہترین نام دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے کیسا نام چنا کہ اس کے معانی کو سن کر انسان حیران ہو جاتا ہے!

پرورش کے لیے بہترین عورت کا انتخاب:

چنانچہ اب ذرا اور آگے بڑھیے! نبی علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی پروش کے لیے اللہ رب العزت نے ایک اور عورت کو چنا، جو قبیلہ بنو سعد کی تھی۔ ذرا غور کیجیے! قبیلے تو بہت سارے تھے، لیکن اس قبیلے کا نام دیکھو! بنو سعد۔ اس کا معنی ہے نیک بخت۔ اور واقعی وہ نیک بخت قبیلہ ہی تھا کہ جس کی عورت کو نبی علیہ السلام کی پرورش کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ بنو سعد کی عورت کون تھی؟ کوئی اور نام بھی ہو سکتا تھا، کوئی بھی عورت ہو سکتی تھی، نہیں! ایک ایسی عورت کو چنا جس کا نام تھا حلیمہ۔ حلیمہ کا معنیٰ ہوتا ہے حلم والی، سبحان اللہ! اس لیے کہ چھوٹے بچے کی تربیت کرنے میں حلم کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان کے اندر حلم نہ ہو تو پھر انسان بچے کو جلدی ڈانٹ دیتا ہے، جلدی ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ جو بھی سامنے ہو اس کو تھپڑ لگا دیتا ہے تو یہ چیزیں Short tempered

(گرم مزاج) لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ جو حلم والے ہوتے ہیں ان کی قوتِ برداشت بہت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کے حبیب ﷺ کی پروش ہونی تھی تو اللہ رب العزت نے عورتوں میں ایک ایسی عورت کو چنا جو سب سے زیادہ حلم والی تھی۔ تمہاری گود میں میرے محبوب کھیلیں گے، تمہارے اندر حلم کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ قسمت ہے حلیمہ کی کہ اس نے نبی علیہ السلام کی پرورش کی۔ اور ابتدائی زندگی کے جو چند سال تھے، گود میں کھلایا۔

حلیمہ! تیرے مقدر پر حیران ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے کو آپ گود میں اٹھاتی بھی ہوں گی، اس کے چہرے کو تکتی بھی ہوں گی اور کبھی خوش ہو کر اس کے ماتھے کو بوسہ بھی دیتی ہوں گی، حلیمہ! کبھی اس بچے کو اپنے سینے سے بھی لگاتی ہوں گی، تیرے مقدروں پر قربان جائیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو تمہاری گود کے اندر اس طرح پالا کہ تم بھی حلم والی اور جس نے پرورش پانی تھی وہ بھی حلم والا، وہ بھی رحمتوں والا، وہ بھی برکتوں والا، چنانچہ نبی علیہ السلام کی پروش کے لیے سب سے بہترین عورت کا انتخاب کیا۔

ازواجِ مطہرات کا بہترین انتخاب:

پھر آگے دیکھیے! نبی علیہ السلام جب اس دنیا میں جوانی کی عمر کو پہنچے تو آپ ﷺ نے اس وقت نکاح فرمایا اور مختلف وجوہات کی وجہ سے آپ ﷺ نے مختلف قبیلوں میں نکاح کیے۔ چنانچہ جو بیویاں تھی ان بیویوں کے ذرا نام دیکھیے اور ان کے معانی دیکھیے! سبحان اللہ! اس سے پتہ چل جائے گا کہ یہ کیسی چنی ہوئی بیویاں تھیں۔ آج کوئی ماں بیٹے کے لیے رشتہ پسند کرتی ہے تو بہترین لڑکی کو چننے کی کوشش کرتی ہے، یہ تو کائنات کے سردار تھے، یہ تو اللہ رب العزت کے حبیب تھے، یہ تو سید الاولین والآخرین تھے، اس کے لیے اللہ رب العزت نے بیویوں کو چنا تو دیکھیے کیسی بیویاں؟



- خدیجہ: اس کے معنیٰ ہوتے ہیں حاجیوں کی خدمت کرنے والی۔
- سودہ: آرام دینے والی۔
- عائشہ: عیش دینے والی۔
- حفصہ: رات کو تہجد میں قیام کرنے والی۔
- میمونہ: بختوں والی۔
- صفیہ: منتخب کی گئی۔
- زینب: استغفار کرنے والی۔
- ام سلمٰی: سلامتی والی۔اور
- ام حبیبہ: پیار والی۔



سبحان اللہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں کے نام میں ہی غور کر لیجیے کہ کن صفات والی عورتوں کو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے بیویوں کے طور پر پسند فرمایا۔اور قرآن میں گواہی دے دی:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾(الاحزاب:۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم جیسی کائنات میں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔''

اللہ اکبر کبیرا! واقعی قرآن کا یہ اصول سچا ہے:

﴿اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ﴾(النور:۲۶)

''پاک مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں ہوتی ہیں''

اللہ کے حبیب ﷺ پاک اور پاکیزہ تھے، تو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کے لیے بیویاں بھی ایسی پسند کیں جو پاک اور پاکیزہ تھیں۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام پر بہتان لگا، اللہ نے ایک بچے کے ذریعے سے گواہی دلوائی۔ بی بی مریم علیہا السلام پر بہتان لگا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ان کی پاکدامنی کی گواہی دلوائی، لیکن جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے بہتان لگایا تو اللہ رب العزت نے حبیبِ خدا ﷺ کے ذریعے قرآن مجید میں خود گواہی عطا فرمائی اور اسے قرآن کا حصہ بنا دیا۔ کیا پاکدامنی کی شان ہے کہ اللہ رب العزت کا یہ کلام دنیا میں بھی پڑھا جائے گا، جنت میں بھی پڑھا جائے گا! سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی گواہیاں دی جائیں گی۔

بیٹوں کا بہترین انتخاب:

چنانچہ نبی علیہ السلام کے لیے اللہ رب العزت نے بیٹوں کا انتخاب فرمایا۔ اس میں تو الگ حکمت تھی کہ چھوٹی عمر میں ان بیٹوں کو اپنے پاس بلا لیا، مگر ان بیٹوں کے ناموں پر ذرا غور کر لیجیے!

- ایک کا نام تھا قاسم، قاسم کا مطلب ہوتا ہے تقسیم کرنے والا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّ اللّٰہُ یُعْطِیْ)) (بخاری:۲۹)

''میں تقسیم کرنے والا ہوں اللہ کی نعمتوں کو اور اللہ مجھے عطا کرنے والا ہے۔''

- ایک بیٹے کا نام تھا طیب (یا طاہر) یعنی پاک۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی پاک تھے اور آپ کے پیارے بیٹے کا نام بھی ایسا تھا۔
- ایک بیٹے کا نام تھا ابراہیم، یعنی بزرگی والا۔ نبی علیہ السلام بھی بزرگی والے اور آپ کے پیارے بیٹے کا نام بھی بزرگی والا۔

تو بہترین معانی والے الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے بیٹوں کے نام کے

لیے پسند فرمایا۔

بیٹیوں کا بہترین انتخاب:

ذرا اور آگے دیکھیے! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں کا انتخاب کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں:

- ایک بیٹی کا نام تھا زینب، یعنی استغفار کرنے والی۔
- ایک بیٹی کا نام تھا رقیہ، خاوند کی خدمت کرنے والی۔
- ایک بیٹی کا نام تھا ام کلثوم، بچوں کی اچھی تربیت کرنے والی۔
- ایک بیٹی کا نام تھا فاطمہ، دوزخ سے آزاد۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنتی خواتین کا سردار بنایا اور ایسی بیٹیاں عطا فرمائیں کہ جن کی زندگیوں کو دیکھ کر انسان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بہترین بیٹیوں سے نوازا۔

تو ذرا غور کیجیے! کہ دایہ کے قبیلے کا انتخاب بہترین، خود دایہ کا انتخاب بہترین، بیویوں کا انتخاب بھی بہترین، بیٹوں کا انتخاب بھی بہترین، بیٹیوں کا بھی انتخاب بہترین۔

یاروں کا بہترین انتخاب:

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاروں کو منتخب فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ۔ ایک ایک کی سیرت پڑھتے جائیے اور عش عش کرتے جائیے کہ واقعی اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کو ایسا چنا کہ کائنات کے بہترین لوگوں کو اپنے محبوب کا شاگرد بنا دیا۔ استاد کی شان شاگردوں سے معلوم ہوتی ہے، جس طرح شاگرد اپنے استاد

کے مقام کے ثبوت ہوا کرتے ہیں اسی طرح یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے ثبوت تھے، اس کے یہ گواہ تھے۔ سبحان اللہ! استاد کی عظمت شاگردوں سے پہچانی جاتی ہے، نبی علیہ السلام کی عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے پہچانی جاتی ہے

ویکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں
عشق دی اخیر ویکھی اوہدے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

اللہ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کن یاروں کو پسند فرمایا!

بہترین کتاب کا انتخاب:

پھر دیکھیے! کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب عطا فرمائی۔
تورات بھی کتاب ہے۔
انجیل بھی کتاب ہے۔
زبور بھی کتاب ہے۔

لیکن وہ اور زبانوں میں ہے، قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور پھر یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ذرا فرق کو سمجھنے کی کوشش کیجیے! کہ پہلے کتابیں کتاب کی شکل میں، صحیفوں کی شکل میں آئیں اور یہ قرآن اللہ کے کلام کی شکل میں آیا۔ یوں سمجھیں کہ ایک بندے کا لکھا ہوا لیٹر آ جاتا ہے اور ایک بندے کی اپنی آواز میں بات ہوتی ہے تو لیٹر کا آ جانا اور چیز ہے اور زبان سے بات کا سننا ایک الگ چیز ہوتی ہے۔ تو پہلی کتابیں اللہ کا لکھا ہوا پیغام تھیں، کتابی شکل میں تھیں اور قرآن پاک تو اللہ کا کلام تھا۔ اس لیے حدیث

پاک میں آیا ہے:

((تَبَرَّكْ بِالْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ)) (کنز العمال:۲۳۴۶)

''قرآن سے برکت حاصل کرو کہ یہ اللہ کا کلام ہے''

سبحان اللہ! اس کتاب کی شان دیکھو! پہلی کتابیں جو آئیں تو امت نے اس کے اندر کچھ چیزیں خلط ملط کر دیں، تحریف شدہ کتابیں بن گئیں۔ آج آپ کو نہ تورات اپنی شکل میں ملے گی، نہ انجیل ملے گی، نہ زبور ملے گی، لیکن اللہ کا کلام الحمد للہ! چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آج محفوظ حالت میں پوری دنیا کے اندر موجود ہے۔ تو نبی علیہ السلام کو سب سے بہترین کتاب ملی۔

بہترین دین کا انتخاب:

پھر دین کو دیکھو! اللہ کی شان کہ دینِ اسلام کو پسند کیا۔ پہلے جو ادیان تھے ان کے نام یا نبی کے نام پر تھے یا قبیلے کے نام پر جیسے:

عیسائی، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ''عیسائی'' کہلائے۔

یہودی، یہ قبیلہ تھا یہودہ، اس کے نام پر یہ نام بنا۔

مگر اسلام، یہ نہ کسی شخصیت کے نام پر اور نہ ہی کسی قبیلے کے نام پر۔ اسلام کا معنیٰ ہے، سلامتی والا۔ تو اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دین دیا؟ جو سلامتی والا ہے۔ فرمایا:

﴿أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدۃ:۳)

''اے میرے حبیب! میں نے اسلام کو تیرے لیے مذہب کے طور پر پسند فرمایا''

ظاہری حسنِ بے مثال:

نبی علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے جو ظاہری حسن دیا یا باطنی صفات دیں وہ سب سے بہترین، سبحان اللہ! نبی علیہ السلام کے حسن کے بارے میں الفاظ کے اندر اتنی وسعت نہیں کہ وہ اس میں سمو سکیں۔ بس اتنی بات کہتے ہیں کہ

واللیل سیاہی زلفوں کی چہرہ والضحیٰ اس کا
سارے جہاں کا پیارا ہے آپ محب ہے خدا اس کا
رب نے بنایا جب اس کو خود آپ کہا سبحان اللہ
اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ نے ایسا حسنِ بے مثال عطا کیا۔ چنانچہ کسی نے کیا عجیب بات کہی!

اے رسولِ امیں خاتم المرسلیں
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق و یقین
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
بزمِ کونین پہلے سجائی گئی
پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولین سید الآخرین
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے

جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں اے ابد کے حسین
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکہ رواں دو جہاں میں ہوا
اس زمیں میں ہوا آسماں میں ہوا
کیا عرب کیا عجم سب ہیں زیر زمیں
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سراپا لکھوں
کوئی ہے وہ جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ میری کوئی تجھ سا نہیں
تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

باطنی صفات بے مثال:

اور رہ گئی بات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باطنی صفات کی، سبحان اللہ! الفاظ میں اتنی وسعت ہی نہیں کہ نبی علیہ السلام کے محاسن اور کمالات کو بیان کرسکیں۔ اتنی بات کہتے ہیں کہ کہنے والے نے کہا:

کتابِ فطرت کے سر ورق پہ اگر نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقشِ روحِ محمد بنایا گیا

پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی
بزمِ کون و مکان کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی
اس کے مطلق کا شاہد و مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی
ظاہرًا عامیوں میں اٹھایا گیا

علامہ اقبال لکھتے ہیں:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں گلاب
شوکت شنجر سلیم تیرے جلال کی
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے

......اور مدح باقی ہے:

چنانچہ نبی علیہ السلام کی شان میں لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا، حتیٰ کہ ایک عربی شاعر نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منقبت میں چالیس ہزار اشعار لکھے۔ توجہ طلب بات ہے، دو چار شعروں کی بات نہیں، چالیس ہزار اشعار لکھے اور اس کے بعد آخری شعر جو اس نے لکھے اس کا اردو میں ترجمہ یوں ہے:

فقیہ ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے

چالیس ہزار اشعار لکھ کر بھی اس نے یہ تسلیم کیا کہ میں نبی علیہ السلام کی منقبت کا حق ادا نہیں کر سکا۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ علمائے دیوبند میں سے ہیں۔انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایک کتاب لکھی ''النبی الخاتم''۔اس میں چار سو پچاس عنوانات لکھے اور لکھنے کے بعد آخر میں کہا کہ دنیا میں جو آیا، وہ جانے کے لیے آیا سوائے اس کے کہ مکہ میں ایک آنے والا ایسا آیا جو آتا ہی چلا گیا

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہانِ جہاں

اک طلوعِ آفتاب دست و نگر سحر سحر

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا صفتیں عطا فرمائیں!!

حروفِ تہجی کی مدحت:

چنانچہ آخری بات دل کے کانوں سے ذرا سن لیجیے! کہ اردو زبان کے اندر جتنے حروف ہیں اور عربی زبان کے اندر جتنے حروف ہیں اور ہر حرف سے جو صفاتی نام بنتا ہے، اللہ رب العزت نے وہ صفت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔

ذرا مزید غور کر لیجیے! کہ جب نبی علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو:

''الف'' بولی: دنیا میں احمد آ گئے، امی آ گئے، اولیٰ آ گئے۔

الف سے بننے والے یہ تینوں صفاتی نام ہیں جو نبی علیہ السلام کے ناموں میں سے ہیں۔

''ب'' بولی: دنیا کے اندر بشیر آ گئے۔

''ت'' کہنے لگی: دنیا کے اندر تنویر آ گئے۔

''ث'' نے کہا: دنیا کے اندر ثاقب آ گئے۔

''ج'' بولی: دنیا کے اندر جمیل آ گئے، جواد آ گئے۔

''ح'' کہنے لگی: حامد آ گئے، حبیب آ گئے، حافظ آ گئے، حکیم آ گئے، حجازی آ گئے۔

''خ'' کہنے لگی: دنیا میں خاتم النبیین آ گئے، خاشع آ گئے۔

''د'' کہنے لگی: دنیا میں دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ آ گئے۔

''ذ'' کہنے لگی: دنیا میں ذکی آ گئے۔

''ر'' نے کہا: دنیا میں رسول آ گئے، رحمۃ للعالمین آ گئے، رشید آ گئے، رفیق آ گئے۔

''ز'' نے کہا: دنیا میں زائر آ گئے۔

''س'' نے کہا: دنیا میں سید آ گئے، سراج آ گئے۔

''ش'' بولی: دنیا میں شافع آ گئے، شہید آ گئے۔

''ص'' نے کہا: دنیا میں صفی اللہ آ گئے۔

''ض'' نے کہا: دنیا میں ضامن آ گئے۔

''ط'' نے کہا: طیب آ گئے، طاہر آ گئے، طٰہٰ آ گئے۔

''ظ'' نے کہا: ظاہر آ گئے۔

''ع'' نے کہا: دنیا میں عبد اللہ آ گئے، عزیز آ گئے، عادل آ گئے۔

''غ'' نے کہا: دنیا میں غیور آ گئے۔

''ف'' نے کہا: دنیا کے اندر فاتح آ گئے۔

''ق'' بولی: دنیا کے اندر قاسم آ گئے، قاری آ گئے، دنیا کے اندر قوی آ گئے۔

''ک'' نے کہا: دنیا کے اندر کفیل آ گئے، کامل آ گئے، صاحبِ کوثر آ گئے۔

''م'' بولی: دنیا میں محمد آ گئے، محمود آ گئے، مدثر آ گئے، مزمل آ گئے، مصطفیٰ آ گئے، منصور آ گئے۔

''ن'' نے کہا: دنیا میں نذیر آ گئے۔

''وٗ'' نے کہا: دنیا کے اندر وکیل آ گئے۔

''ہٗ'' نے کہا: دنیا کے اندر ہادی آ گئے، ہاشمی آ گئے۔

''ہمزہٗ'' نے کہا: دنیا میں آخری آ گئے۔

''ی'' رہ گئی تھی، کہنے لگی: دنیا کے اندر یٰسین آ گئے، یتیم آ گئے۔

دیکھیے! عربی زبان کے جتنے حروف ہیں، ہر حرف سے جو صفاتی نام بنتے ہیں، وہ صفتیں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو عطا فرمائیں۔

انتخابِ لاجواب:

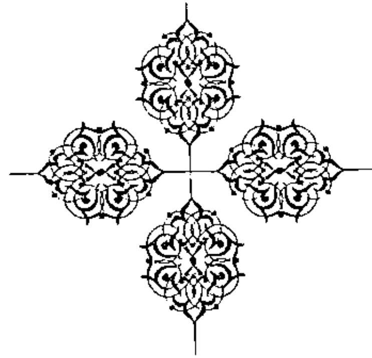
تو واقعی اللہ کا یہ انتخاب لاجواب ہے۔ واقعی دل سے یہ بات نکلتی ہے: اللہ! آپ نے اپنی محبت کا کیا اظہار فرمایا کہ اپنے حبیب کو بھی لاجواب بنا دیا اور ان کی ہر ہر چیز اور گرد و پیش کی جو بھی چیزیں تھیں ہر چیز کو لاجواب بنا دیا۔ اس کو کہتے ہیں: انتخابِ لاجواب۔

بات کو اس پر مکمل کرتے ہیں:

وہ جو شیریں سخنی ہے میرے مکی مدنی!
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے میرے مکی مدنی!
تیرا پھیلاؤ بہت ہے، تیرا قامت ہے بلند
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے میرے مکی مدنی!
دستِ قدرت نے تیرے بعد پھر ایسی تصویر

نہ بنائی نہ بنی ہے میرے مکی مدنی!
نسل در نسل تیری ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی ابنِ غنی ہے میرے مکی مدنی!

اللہ رب العزت ہمیں آقا ﷺ کی تعلیمات پر دنیا میں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قیامت کے دن ان کے ہاتھوں سے حوضِ کوثر سے جام عطا فرمائے اور جنت میں ان کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔





شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی﴾ (الضحیٰ:٣)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ٥ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ٥

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٥

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

سورۃ الضحیٰ تیسویں پارے کی ایک سورت ہے، ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ دسویں سورت ہے یعنی جس ترتیب سے قرآن نازل ہوا، اس ترتیب سے یہ دسویں نمبر پر نازل ہوئی۔ اس میں کل گیارہ آیات ہیں، اکتالیس کلمات ہیں، یہ سورت جب اتری اس وقت موقع محل کیا تھا، حالات کیا تھے، اس کو ''شان نزول'' کہتے ہیں۔

شانِ نزول:

اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر شروع میں وحی اترتی رہی۔ آپ ﷺ وہ پیغام کفار تک پہنچاتے رہے، پھر درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے وحی رک گئی، کفار پوچھتے کہ کوئی نئی بات؟ پتہ چلتا کہ وحی نہیں اتری، ایک وقت ایسا آیا کہ کفار نے طعنے دینے شروع کر دیے اور یہاں تک کہا: قَدْ وَدَّعَکَ رَبُّکَ کہ تمہیں تمہارے رب نے چھوڑ دیا۔ ابولہب کی بیوی اُمِ جمیل دارارقم کے دروازے کے پاس سے گزر رہی تھی تو نبی ﷺ کو کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد! جو شیطان تجھ کو وحی بھیجتا ہے وہ تجھ سے روٹھ گیا ہے۔

محبت پر جب چوٹ پڑتی ہے تو انسان کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بات سن کر کہ تجھے اب چھوڑ دیا گیا ہے، نبی ﷺ کا دل بھر آیا۔ تو نبی ﷺ نے دل میں یہ کہا کہ اللہ! لوگوں نے مجھے ساحر کہا میں نے برداشت کرلیا، لوگوں نے مجنون کہا میں نے برداشت کرلیا، دیوانہ کہا میں نے برداشت کیا، اے میرے اللہ! میں آپ کے لیے اور بھی بہت کچھ برداشت کرسکتا ہوں، مگر یہ جملہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا کہ لوگ کہیں کہ تمہیں تمہارے رب نے چھوڑ دیا۔ پروردگارِ عالم! میں تو آپ کی یاد میں تنہائی میں وقت گزارتا تھا، اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ کے الفاظ سے محبت کی تار تو آپ نے جوڑی، اب یہ رشتہ کیسے ٹوٹ سکتا ہے؟ آپ مہربانی فرما دیجیے۔ نبی ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو ہیں نظر آسمان کی طرف اٹھ گئی۔

بعض نظریں بھی عجیب ہوتی ہیں، کہنے والے نے کہا:

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو
نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلی پناہ مانگے
جھکے تو خانہ آباد کر دے

یہ نبی ﷺ کی مبارک نظر تھی، آسمان کی طرف اٹھی جھکنے سے پہلے جبرئیل علیہ السلام اللہ رب العزت کی طرف سے محبت بھرا پیغام لیکر آئے: ﴿وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى﴾

محبوب کی شایان شان قسم:

اس سورت کی ابتدا میں اللہ رب العزت نے دو قسمیں کھائی ہیں۔ وَالضُّحٰی ''دن کی روشنی کی قسم''۔ ضحیٰ کہتے ہیں چاشت کے وقت کو، صبح جب سورج کچھ بلند ہو جاتا ہے اور دن کی تپش کچھ بڑھنے لگ جاتی ہے اور کاروبار گرم ہو جاتا ہے، اس وقت کو ''ضحیٰ'' کہتے ہیں۔ آگے فرمایا: وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ''اور رات کی قسم جب تاریکی چھا جائے'' تو اس سورت مبارکہ میں دو قسمیں کھا کر بات کی ابتدا فرمائی۔

واقعہ اور قسم میں مناسبت:

اب ذرا غور فرمائیے کہ ان دو قسموں کے کھانے میں کیا مصلحت تھی؟ مفسرین نے اس کے مختلف جواب لکھے ہیں: ایک تو یہ کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے میرے محبوب! مجھے دن کے سویرے کی قسم اور رات کے اندھیرے کی قسم، اے میرے پیارے! مجھے دن کے ہنگاموں کی قسم اور رات کے سناٹوں کی قسم، اے میرے محبوب! مجھے آپ کے دن کی جلوتوں کی قسم اور آپ کی رات کی خلوتوں کی قسم۔ اگر غور کریں تو پوری دنیا میں دو ہی صورتیں ہیں: یا تو دن ہوگا یا رات ہوگی، جتنے زمانے کے حالات

وہ واقعات ہیں یا دن میں ہوتے ہیں یا رات میں۔ گویا اللہ رب العزت زمانے کے حالات و واقعات کی قسم کھا کر بات کر رہے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ والضحی کا مفہوم وحی کا اترنا ہے، اس لیے کہ جب وحی اترتی ہے تو دن کی روشنی کی طرح نور آجاتا ہے اور وحی کا رکنا یہ رات کے اندھیرے کی قسم ہے، تو اللہ پاک نے قسم کھائی کہ اے میرے پیارے! وحی کے اترنے کی قسم اور وحی کے رکنے کی قسم۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وحی کی قسم کیوں کھائی؟ وہ اس لیے کہ دن میں انسان کام کرتا ہے تھک جاتا ہے تو آرام کے لیے اس کو رات کی ضرورت ہوتی ہے، تو اے میرے پیارے! جب وحی اترتی ہے تو آپ کام میں لگ جاتے ہیں محنت سے، مجاہدے سے، دعوت الی اللہ سے آپ کا جسم مبارک تھک جاتا ہے تو آپ کے بدن مبارک کو بھی آرام کی ضرورت ہے، اس لیے کچھ حصہ ہم نے اس وحی کو روک لیا، تاکہ آپ کو زیادہ مجاہدہ نہ برداشت کرنا پڑے، آپ کے جسم پر مشقت نہ اتر آئے۔ تو جس طرح دن کام کے لیے رات آرام کے لیے، اسی طرح وحی کا اترنا کام کے لیے اور وحی کا رکنا آپ کے آرام کے لیے۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بہت عارفانہ ترجمہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چمکتے چہرے کی قسم کھا رہے ہیں کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے چمکتے چہرے کی قسم ﴿وَ الَّيْلِ إِذَا سَجٰى﴾ اور آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم۔

محبانہ طرز بیان:

اور واقعی بات ایسی ہی ہے کہ جب کسی سے کوئی محبوب شکوہ کرے تو محب اپنے محبوب کو اس کے حسن کی مثال دے کر بات کرتا ہے کہ دیکھو! تمہارا چہرہ بھلا چھوڑنے کے

قابل ہے؟ دیکھو تم اپنی شخصیت کو کہ کوئی تم سے دور ہو سکتا ہے؟ بالکل یہی مفہوم پایا جاتا ہے ان آیات میں کہ اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے چمکتے چہرے کے حسن کی قسم دے رہے ہیں، ان کی کالی زلفوں کی قسم دے کر یہ کہہ رہے ہیں کہ اے میرے پیارے محبوب! ذرا سوچو تو سہی کہ یہ چہرہ، یہ کالی زلفیں یہ چھوڑنے کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں۔ میرے محبوب میں نے آپ کی پیشانی کو بنایا تو وَالْقَمَرْ کہا، آپ کی آنکھوں کو بنایا تو مَازَاغَ الْبَصَر کہا، آپ کے ہونٹوں کو بنایا تو شَفَتَيْن کہا، زبان کو بنایا تو لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کہا۔ جب چہرہ ہی ایسا ہے تو ایسے محبوب کو کون چھوڑتا ہے؟ اے میرے پیارے! میں نے دو چیزوں کی قسم کھائی: تیرے چمکتے چہرے کی قسم، جو دن کے مانند ہے، تیری کالی زلفوں کی قسم، جو رات کے مانند ہے، دنیا میں دن اور رات اکٹھے نہیں ہوتے، تیری شخصیت کے اندر ہم نے دن اور رات کو اکٹھا کر دیا۔ میرے محبوب! میں نے آپ کے لیے کیا کیا اکٹھا نہ کیا۔

- میں نے آپ کی خاطر دونوں قبیلوں کو اکٹھا کر دیا۔
- میں نے شب معراج میں انبیا اور فرشتوں کو اکٹھا کر دیا۔
- میں نے بیت المقدس میں معراج پر جانے سے پہلے عالم دنیا اور عالم برزخ کے انبیا کو اکٹھا کر دیا۔

آپ کی زلفوں اور چہرے کی قسم کھا کر بات کی اہمیت کو بتانا اور جتانا ہے۔

اللہ کی طرف سے قسم:

بات کی اہمیت کو بتانے اور بڑھانے کے لیے قسم کھائی جاتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ)) (ابوداود، حدیث: ۳۲۵۳)

''جس نے کسی غیر کے لیے قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

جس طرح غیر کو سجدہ کرنا شرک قرار دیا گیا اسی طرح غیر کی قسم کھانے کو بھی اللہ نے منع کر دیا۔ بعض لوگوں کو دیکھا کہ بات کرتے ہوئے بیوی سے کہا یا کسی اور سے کہا کہ مجھے تیری قسم، تیرے سر کی قسم، مجھے بیٹے کی قسم، ایسی قسمیں کھانے کو شریعت نے منع فرما دیا، کیونکہ غیر کی عظمت کی قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے، قسم کھانی ہے تو ایک اللہ رب العزت کی کھاؤ جو واقعی عظمتوں والا ہے۔ لہٰذا غیر کی قسم کھانے سے شریعت نے منع فرما دیا، لیکن اس جگہ تو اللہ رب العزت خود قسمیں کھا رہے ہیں، اے میرے محبوب! آپ کے چمکتے چہرے کی قسم، اے محبوب! آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم۔ علما نے لکھا اور اس کا جواب دیا کہ اللہ رب العزت کو اس کا اختیار ہے وہ جو چاہے کرے۔ اگر اس نے پسند کیا تو آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کو سجدہ ریز کروا دیا، حالانکہ سجدہ تو اللہ کے لیے ہوتا ہے، مگر اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح اللہ کے محبوب ﷺ کے لیے قسمیں اللہ نے کھائیں، ایک جگہ نہیں قرآن میں کئی جگہ اللہ نے قسمیں کھائیں، محبوب کے حسن کو بیان کرنے کے لیے، حسن بے مثال بیان کرنے کے لیے کہیں اللہ تعالیٰ نے محبوب کی عمر کی قسم کھائی: لَعَمْرُكَ ''اے میرے محبوب! آپ کی عمر کی قسم'' اور محبوب کے شہر کی قسم کھائی: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اور کہیں محبوب کے زمانے کی قسم کھائی: ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور کہیں محبوب کے ساتھ نسبتوں کی قسم کھائی: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ ''آپ کے رب کی قسم'' تو یہاں مقصود یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے محبوب کے حسن و جمال کی قسمیں کھائیں۔ مخلوق کو منع کر دیا، اے لوگو! تم اپنے محبوبوں کی قسمیں کھاؤ گے

تو تمہارے محبوب کا حسن ہی کیا ہے؟ اور ان کے پاس صفات ہی کیا؟ خبردار! اپنے محبوب کو میں نے وہ حسن دیا، وہ صفات دیں کہ اب مخلوق میں ایسے حسن والا اور صفات والا ممکن ہی نہیں۔ میں خدا اپنی خدائی میں کسی کو شریک بنانا پسند نہیں کرتا، لہٰذا میں منع کر رہا ہوں کہ تم مخلوق کی عظمت اور حسن کی قسم نہیں کھا سکتے۔ میں نے محبوب کی قسم کھائی ہے۔

سبحان اللہ! نبی ﷺ کے حالات دیکھیے! وہ اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کی قسم کھانے کو پسند نہیں فرماتے اور دوسری طرف اللہ رب العزت کی محبت کا حال دیکھیے کہ وہ محبوب کے سوا مخلوق میں سے اور کسی کی قسم کھانے کو منع فرماتے ہیں، یہ محب اور محبوب کی بات ہے۔

اور واقعی محبت ایسی ہوتی ہے، چنانچہ رب کریم نے محبوب کے آنسوؤں کو دیکھا، محبوب ﷺ کی اٹھی نگاہوں کو دیکھا، عاجزانہ نگاہوں کو دیکھا، رب کریم نے فوراً اپنا پیغام بھیجا کہ اے محبوب! یہ کفار آپ کو جو طعنہ دیتے ہیں کہ تیرے رب نے تجھے چھوڑ دیا، اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، مجھے تیرے چمکتے چہرے کی قسم، مجھے کالی زلفوں کی قسم، اے میرے پیارے محبوب! کیا ایسے پیارے محبوب کو بھی کوئی چھوڑ سکتا ہے؟

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ تیرے رب نے تجھے چھوڑا بھی نہیں اور تیرے رب نے تجھ سے منہ موڑا بھی نہیں۔

مشرکوں کے طعنہ کی تردید:

محب اور محبوب کے جدا ہونے کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں:

① بعض حالات جدائی پیدا کر دیتے ہیں، دلوں میں تو محبتیں ہوتی ہیں، اکٹھا ہونا چاہتے ہیں، مگر حالات جدا ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جس طرح ماں بیٹے کی محبت تو ہے، مگر بیٹے نے پڑھنے کے لیے غیر ملک جانا ہے یا بیٹے کی نوکری کسی غیر ملک میں لگ

گئی، ماں بیٹا دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ خاوند کی نوکری کسی دوسرے ملک میں لگ گئی، خاوند بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں، یا دو میں سے ایک کو موت آ گئی حالات نے جدا کر دیا، تو محب اور محبوب کے درمیان جدائی کی صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو حالات جدا کر دیتے ہیں۔

② ......اور کبھی محب اور محبوب میں ناراضگی جدائی کا سبب بنتی ہے۔ جیسے میاں بیوی کے درمیان آپس میں محبت تو ہے، لیکن کسی بات پر آپس میں خفگی اور ناراضگی ہو گئی تو اس بات پر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔

تو ناراض ہو کر الگ ہو جانا یا حالات سے مجبور ہو کر الگ ہونا جدائی کے یہ دو ہی طریقے ہیں، اللہ رب العزت نے ان دونوں ہی طریقوں کا تذکرہ فرما دیا کہ اے میرے محبوب! یہ کافر تمہیں طعنہ دیتے ہیں کہ تیرے رب نے تجھے چھوڑ دیا، تیرے چمکتے چہرے کی قسم! تیری سیاہ زلفوں کی قسم! تیرے رب نے تجھے چھوڑا بھی نہیں اور تیرے رب نے تجھ سے منہ موڑا بھی نہیں، دونوں باتوں کا جواب دے کر تسلی کر دی کہ کوئی ایسا امکان ہی نہیں کہ تجھے تیرے رب نے چھوڑ دیا ہو۔

اگر غور کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ شان نزول کے اعتبار سے تو اگر یہ دو قسمیں کھا لی جائیں تو بات مکمل ہو جاتی ہے، مگر مزید تسلی بھی دی جاتی ہے کہ محبوب کو جب تکلیف پہنچے تو اس کا دل بھی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ رب کریم نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کا دل رکھنے کے لیے سلسلۂ کلام کو جاری رکھا، صرف اتنا ہی نہیں کہا کہ ﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی﴾ اور بات ختم کر دی جاتی، بلکہ آگے بھی کہا: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾۔

وعدۂ الٰہی کی تکمیل:

اس ایک فقرے کے اندر اللہ نے کوزے میں سمندر کو بند کر دیا، کیا عجیب بات کر

دی! جیسے تسلی دینے کے لیے کہتے ہیں: میں نے چھوڑا بھی نہیں اور آپ سے منہ موڑا بھی نہیں، اور تمہارا آنے والا وقت پہلے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا، وقت کے ساتھ ساتھ ہماری محبت بڑھتی جائے گی، بالکل وہی الفاظ ہیں: اے میرے محبوب ﷺ!

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾

آپ کے لیے آنے والا وقت گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا۔

اے میرے حبیب ﷺ! عالمِ ارواح سے آپ کا بطنِ مادر میں آجانا زیادہ بہتر، بطنِ مادر سے ولادت کا ہونا زیادہ بہتر، بچپن کا زمانہ اس سے زیادہ بہتر، پھر آپ کی جوانی بچپنے سے زیادہ بہتر، اے میرے حبیب ﷺ! آنے والا وقت آپ کے لیے پہلے وقت سے زیادہ بہتر ہے، اے میرے حبیب ﷺ! آپ کا کنوارا پن بہتر ہے تو آپ کی شادی اس سے زیادہ بہتر ہے، پھر آپ کی اولاد کا ہو جانا اس سے بھی زیادہ بہتر، گویا ہر آنے والا وقت آپ کے لیے گزرے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا۔ اے میرے محبوب ﷺ! آپ کا میرے لیے غارِ حرا میں بیٹھ کر عبادت کرنا بہتر تھا، مگر نبوت کا ملنا اس سے بہتر تھا، پھر معراج پر جانا اس سے بھی بہتر ہے، پھر آپ کا مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اس سے بھی بہتر، پھر آپ کا بدر میں آنا اس سے بہتر، احد میں فتح پانا اس سے بہتر، خندق میں ہونا اس سے بہتر اور مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہونا اس سے بھی بہتر، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا سب صحابہ کے سامنے خطبہ دینا اس سے بھی بہتر اور پھر آپ کا دنیا سے پردہ فرما کر میرے پاس آجانا اس سے بھی زیادہ بہتر۔ ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ آپ کا آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا، ہر لمحہ ہر دن آپ کی خوشیوں میں اضافہ ہوگا، آپ کی عظمتوں میں اضافہ ہوگا، لہٰذا

آپ ذرا بھی نہ گھبرائیں، آنے والا وقت اور بہتر ہوگا گزرے ہوئے وقت سے۔

- اے میرے حبیب! آپ کی قبر کی زندگی دنیا کی زندگی سے بہتر
- حشر کی زندگی اس سے بہتر
- پھر مقام محمود کا ملنا اس سے بہتر
- پھر تاجِ شفاعت آپ کے سر پر رکھا جانا اس سے بھی بہتر
- پھر آپ کا حوضِ کوثر پر آبِ کوثر کا تقسیم کرنا اس سے بھی بہتر
- پھر میزان کے قریب کھڑے ہوکر آپ کا امت کے لیے شفاعت کرنا اس سے بھی بہتر
- پھر پوری امت کو لے کر آپ کا جنت میں داخل ہونا اس سے بھی زیادہ بہتر۔

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾

اے میرے محبوب ﷺ! لوگ تو ارذل کی طرف لوٹتے ہیں، ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں، دوسری مخلوق کی زندگیوں کو دیکھیں کہ وہ اس دنیا میں آتے ہیں، اگر کچھ نعمتیں پاتے ہیں تو نعمتیں کچھ عرصے بعد نکال دی جاتی ہیں، واپس لے لی جاتی ہیں ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ ہر چیز بڑھاپے کی عمر کو لوٹتی ہے، ہم لوگ ارذل کی طرف جاتے ہیں۔ میرے آقا ﷺ کی شان دیکھیے! اللہ فرماتے ہیں: اے میرے محبوب ﷺ! آپ تو افضل کی طرف لوٹتے ہیں، ہر آنے والا وقت آپ کے لیے گزرے وقت سے زیادہ بہتر ہے، آنے والی منزل گزری ہوئی منزل سے زیادہ بہتر ہے، کیا شان اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائی! ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ ذرا غور فرمائیں! یہاں لَکَ کا لفظ خاص آپ ﷺ کے لیے ہے، کوئی اور شامل نہیں۔

چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام پریشان ہوں گے، ''نفسی نفسی'' پکارتے ہوں گے، ایک حبیب ﷺ ایسے ہوں گے جو ''امتی امتی'' کہتے ہوں گے، یہاں محبوب کو تسلی دی جاتی ہے کہ دیکھو! میں نے آپ کو چھوڑا بھی نہیں، منہ موڑا بھی نہیں، بالکل محبت کے وہی جملے رب کریم فرماتے ہیں: وَالضُّحٰی میرے محبوب! تیرے پیارے خوبصورت حسن بے مثال رکھنے والے چمکتے چہرے کی قسم، اور تیری خوبصورت کالی زلفوں کی قسم، ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ تیرے رب نے تجھے چھوڑا بھی نہیں اور تجھ سے منہ موڑا بھی نہیں، بلکہ ہمارا یہ تعلق ایسا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اور بڑھتا چلا جائے گا۔ آپ افضل کی طرف لوٹتے رہیں گے، اے میرے محبوب ﷺ! یہ محبت چھوٹنے والی اور ٹوٹنے والی نہیں، یہ پھلنے پھولنے والی اور مضبوط سے اضبط ہونے والی ہے۔

محبوبیت کی انتہا:

تو اب دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کتنی عظمت ہوگی؟ کون سا اچھا وقت آئے گا کون سی افضل منزل ملے گی؟ اے میرے محب! میرے مولی! آپ نے فرمایا کہ آنے والا وقت آپ کے لیے بہتر ہے تو بہتری کا اختتام کہاں جا کر ہوگا؟ رب کریم نے پھر دوسری بات یہ بھی بتلا دی: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ اے میرے محبوب ﷺ! تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! جیسے محب اپنے محبوب کو تسلی دیتا ہے کہ ہماری محبت بڑھے گی، میں تجھے خوش کر دوں گا، رب کریم بس وہی فرما رہے ہیں ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا، سبحان اللہ!

نبی کریم ﷺ کی نرالی شان:

ذرا غور کیجیے! ساری مخلوق اللہ کو راضی کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے۔

آدم علیہ السلام کو دیکھیے! سالوں رو رہے ہیں، یہی کہہ رہے ہیں: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ کوئی پوچھے تو سہی کہ آپ کیوں اتنا رو رہے ہیں؟ کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھیے! وہ پریشانی کے اندر دعائیں مانگتے ہیں، پوچھو تو صحیح کہ آپ کس سے مانگ رہے ہیں اور یہ ساری تکلیفیں ایک ہزار سال پتھر کھانا یہ کس لیے برداشت کیا؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔

یونس علیہ السلام سے کوئی پوچھے کہ مچھلی کے پیٹ میں جو دعا مانگ رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ آپ کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملے گا: اپنے اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔

ایوب علیہ السلام کی بیماری کا حال دیکھیے! جسم کے اندر صرف زبان سلامت ہے، باقی پورا جسم اس وقت اذن خداوندی کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ کوئی پوچھے تو سہی کہ آپ صبر کے پہاڑ بنے ہوئے ہیں، کس کے لیے؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیے: آگ کے اندر ڈالے جا رہے ہیں، جھولے کے اندر بٹھا دیے گئے اور ان کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا، کوئی پوچھے تو سہی کہ آگ میں جل رہے ہیں کس لیے؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے۔

کوئی یوسف علیہ السلام سے جا کر پوچھے کہ آپ اتنے سالوں سے قید و مشقت کی زندگی

گزار رہے ہیں، آپ کو تو شہر کی حسیناؤں نے اپنی طرف بلایا تھا اور آفر کی تھی کہ ہمارے ساتھ وقت گزاریں، آپ نے مشقت کو پسند کیا، کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہوں۔

یعقوب علیہ السلام سے پوچھیے! اتنا رو رہے ہیں آنکھیں سفید ہو گئیں ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے۔

کوئی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے پوچھے: آپ کی زندگی سفر ہی سفر ہے، کبھی یہاں کبھی وہاں، یہ کس کے لیے؟ جواب ملے گا: اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے۔

چنانچہ سب انبیا نے جتنی مشقتیں، جتنے مجاہدے، جتنی ریاضتیں کیں سب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے۔ چنانچہ انبیا کے بعد اولیا کو دیکھیے! قطب ہو، غوث ہو، ابدال ہو، ولی ہو، جتنی ان کی راتوں کی عبادتیں ہیں، جتنی خلوتوں کی عبادتیں ہیں، وہ کس لیے؟ اللہ کو راضی کرنے کے لیے۔

مجتہد کو پوچھیے، محدث سے پوچھیے، قاری سے پوچھیے، حافظ سے پوچھیے، عالم سے پوچھیے! یہ دن رات کتابوں کے پڑھنے میں جو لگے ہیں چاہتے کیا ہیں؟ جواب ملے گا: اللہ کر راضی کرنے کے لیے، لہٰذا کلمہ پڑھنے والا، امیر ہو یا غریب ہو، گورا ہو یا کالا ہو، عربی ہو یا عجمی ہو، مرد ہو یا عورت ہو، جس سے بھی پوچھیں کہ آپ کیوں عبادت کرتے ہیں؟ کیوں ہر وقت قرآن پڑھنے میں، اللہ کی عبادت کرنے میں، روزہ رکھنے میں، سچ بولنے میں لگے رہتے ہیں؟ جواب ملے گا: اللہ کو راضی کرنے کے لیے۔

تو پوری کائنات اللہ کو راضی کرنے میں لگی ہوئی ہے، اے اللہ! آپ کے محبوب کی بھی کیا شان ہے کہ آپ پروردگارِ عالم اپنے محبوب سے فرما رہے ہیں: ﴿وَلَسَوْفَ

یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی﴾ ''تیرا رب تجھے اتنا عطا کرے گا کہ اے محبوب! تو راضی ہو جائے گا''۔ تو پروردگارِ عالم اپنے محبوب کو راضی کرنے کا وعدہ فرما رہے ہیں، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جو تو چاہے گا میں وہ دوں گا۔

ہم نے کیا کیا نہ کیا:

میرے محبوب! آپ ذرا غور کیجیے! آپ نے انگلی اٹھائی میں نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، آپ کے ہاتھ اٹھے میں نے بارش برسا دی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے تھے اپنی والدہ کی بات کرنے کے لیے، محبوب! آپ کے ہاتھ اٹھے تھے، واپس جانے سے پہلے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کو میں نے ایمان کی نعمت دے دی تھی۔ اے میرے محبوب! آپ نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر دعا مانگی تھی، میں نے عمر کو کلمہ پڑھنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ محبوب! آپ کی مبارک انگلیوں سے میں نے ضرورت کے وقت پانی کو جاری کر دیا، جو تو چاہے محبوب میں وہی کرتا ہوں، جو تیری پسند ہے وہ میری پسند ہے، اے محبوب! میں تجھے اتنا دوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا، بس بس کرے گا۔

اور جسے تو پسند کرے گا محبوب! وہ میرا پسندیدہ بن جائے گا۔ سبحان اللہ! ﴿اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ﴾ اے محبوب! جو تیرا ہے وہ میرا ہے، جو تیرا نہیں وہ میرا نہیں، سبحان اللہ! رب کریم نے کام آسان کر دیا، محبوب کو یہ تسلی دلوا دی: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو آپ کی پسند ہوگی وہی ہماری پسند ہوگی۔

چنانچہ ہمارے اکابرین کی حقانیت کی یہ دلیل ہے، کتنے ان میں سے ایسے تھے، کوئی مکہ میں جا کر زندگی کے آخری حصہ میں رہے، کچھ مدینہ میں جا کر رہے، جنت البقیع میں آرام فرما رہے ہیں، جو آقا کو پسند آ گیا وہ رب کو بھی پسند آ گیا۔ اے میرے محبوب! جو

آپ چاہیں گے وہ میں کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت پر فیصلہ:

پھر اس کی کوئی اور پکی مثال بھی تو بتا دیجیے! رب کریم نے قرآن کریم میں ایک پکی مثال بتادی۔ میرے محبوب! میں نے آپ کو قبلۂ اوّل بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، آپ کا جی چاہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام والا قبلہ ہو، اس کی طرف میں رخ کرتا، لہٰذا یہ آپ کی چاہت تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا، ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ اے میرے محبوب! آپ نے آسمان کی طرف دیکھا، ہم نے آپ کے اس چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا، حالتِ نماز تھی، دو رکعت آپ اس بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کر چکے تھے، اسی وقت قبلے کے بدلنے کا اعلان فرما دیا، آپ کو ہم نے اسی وقت پیغام بھیج دیا ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾ آپ نے دو رکعت مکمل ہونے کا انتظار نہ کیا، آپ نے نماز کے اندر اس قبلے کی طرف رخ پھیر دیا، بس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا میں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا، اے میرے محبوب! مجھے آپ کو اتنا راضی کرنا ہوتا ہے کہ میں آپ کی دو رکعت کا بھی انتظار نہیں کرتا۔ سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا کتنا احسان ہے! اللہ فرما رہے ہیں: میرے محبوب! ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

مومن کے لیے امید کی ایک کرن:

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نبی کیسے راضی ہوں گے؟ سنیے! حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی علیہ السلام

کو ایک ایسی دعا مانگنے کا اختیار دیا تھا کہ جیسی دعا مانگی جائے گی ویسی ہی قبول کر لی جائے گی۔ چنانچہ سب انبیاء علیہم السلام نے دعائیں مانگیں اور اللہ نے قبول کر لیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی اللہ نے اختیار دیا، لیکن میں نے وہ دعا نہیں مانگی، میں نے اس دعا کو اپنے پاس ریزرو Reserve کے طور پر رکھ لیا۔ قیامت کا دن ہوگا، میری امت کا حساب کتاب ہوگا، میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا اور اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا، جب تک میری امت کا آخری امتی جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

(ترمذی، حدیث:۳۶۰۲)

سبحان اللہ! اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ کی کیا شان ہے کہ اللہ رب العزت تو فرماتے ہیں: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔'' اور نبی ﷺ آگے سے فرما رہے ہیں کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا آخری امتی، میرے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو جائے گا اور یہ یہی نعمت اللہ رب العزت کے محبوب کے محبوبوں کی ہوگی۔ اللہ ان کو بھی اتنا دے گا کہ وہ بھی بس بس کریں گے۔

خانوادۂ صدیق کی فداکاری:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ کے دل کو اتنا زیادہ خوش کر دیا، انہوں نے کتنی قربانی دی، کس طرح انہوں نے اپنے گھر والوں کو نبی ﷺ کی خدمت پر لگایا، بیوی کو کہا کہ کھانا بنا دینا، بھیجنے کے لیے اپنی بیٹی اسماء سے کہا: تم چھوٹی ہو، اس لیے کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکے گا، آ کر اس غار میں ہمیں کھانا پہنچا دینا، اپنے بیٹے عبدالرحمن سے کہا: تو کفار کی باتیں سارا دن سن کر رات کے اندھیرے میں آ کر ہمیں

بھی سنا دیا کرنا، اپنے غلام فہیرہ سے کہا کہ بکریاں چراتے ہوئے ادھر آ جانا اور ہمیں دودھ پلا دینا، گھر کے سارے افراد کو ڈیوٹیاں دے دیں، خود ساتھ خادمِ سفر بن کر چل پڑے، یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت کا معاملہ دیکھیے۔

بچی کی ایمانی جرات:

چنانچہ جب اسماء وہاں دوسرے دن کھانا پہنچانے آتی ہے تو نبی ﷺ نے دیکھا کہ اسماء کے ماتھے پر ایک زخم کا نشان ہے اور وہ بچی بڑی ڈیپریس نظر آتی ہے۔ تو نبی ﷺ نے پوچھا کہ اسماء! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! کل جب کھانا دے کر میں واپس جا رہی تھی تو راستے میں ابوجہل مل گیا تھا، اس نے مجھے کھڑا کر کے کہا کہ اسماء! تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا باپ کہاں ہے، اس لیے کہ وہ وہیں ہوں گے جہاں تمہارے پیغمبر ﷺ ہوں گے۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے سچ بتا دیا کہ ہاں! مجھے معلوم ہے، اس نے مجھے بالوں سے پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ اسماء! مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں بتاؤں گی، اس نے مجھے دھمکایا کہ اسماء! میں تمہیں بہت ماروں گا، تجھے بہت تکلیف پہنچاؤں گا، میں نے کہا کہ میں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! اس نے اچانک زوردار تھپڑ لگایا، میں نیچے گر پڑی، ماتھا چٹان سے جا لگا تو میرے ماتھے پر زخم آ گیا، سر سے خون بہنے لگا، آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے بالوں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر لیا اور بال کھینچ کر کہا کہ اسماء! میں تمہیں بہت ماروں گا، جلدی بتا دے، جان سے مار دوں گا۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے جواب میں کہا کہ ابوجہل! میری جان تیرے حوالے، مگر میں محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی، جب اسماء کا یہ جواب نبی ﷺ نے سنا تو اللہ کے حبیب ﷺ کا دل بھر آیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد: ۳/۲۴۶)

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر! میں نے سب کے احسانات کا بدلے دے دیا تیرے احسانات کا بدلہ کل قیامت کے دن اللہ دے گا۔

(جامع الاصول:۵۸۵/۸)

یہ نبی ﷺ کے کتنے پیارے شاگرد ہیں، کتنے پیارے دوست ہیں کہ جنہوں نے خدمت اور وفا کی مثال قائم کر دی کہ آقا ﷺ نے ایسی دعا دی کہ قیامت کے دن اللہ تجھے احسانات کا بدلہ دے گا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جیسے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ اے محبوب! آپ راضی ہو جائیں گے۔'' وہیں پر اس کے ساتھ والی سورت میں اللہ رب العزت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ کہ میں اسے اتنا دوں گا کہ وہ بھی راضی ہو جائے گا۔ واقعی محبت کا انجام یہی ہوتا ہے کہ محب اپنے محبوب کو راضی کر لے اور محبوب راضی ہو جائے کہ واقعی میرے محب نے میرے لیے وہ کچھ کیا جو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دینے کی انتہا کر دی، قسمیں کھائیں ﴿وَالضُّحٰى﴾ اے محبوب! آپ کے چمکتے چہرے کی قسم ﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ آپ کی کالی زلفوں کی قسم، یہ چہرہ چھوڑنے کے قابل نہیں، منہ موڑنے کے قابل نہیں ہے، لہٰذا میری بات سنیں ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ اور اتنا ہی نہیں کہ میں نے چھوڑا نہیں منہ موڑا نہیں، اگلی بات سنیں! ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ ''آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے بہتر ہوگا۔'' ہماری یہ محبت پھلے پھولے گی، ہماری یہ محبت مضبوط سے اضبط ہوگی، بہتر سے بہترین ہو جائے گی، اتنی گہری ہوگی کہ اس کا

انجام یہ ہوگا ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔'' ساری دنیا میرے محبوب! میری رضا چاہتی ہے اور میں اے میرے محبوب! تیری رضا چاہ رہا ہوں، میں آپ کو بھی راضی کر دوں گا اور جو آپ کے پیارے ہوں گے ان کو بھی راضی کر دوں گا۔

اللہ کے نبی ﷺ کی دلنوازی:

یہاں تک بھی اگر بات مکمل کر دی جاتی تو ختم ہو جاتی کہ اللہ نے قسمیں بھی کھائیں اور بتا دیا کہ چھوڑا بھی نہیں، منہ موڑا بھی نہیں، پھر یہ بھی کہا کہ آنے والا وقت زیادہ بہتر ہوگا، حتی کہ میں راضی کر دوں گا، مگر نہیں رب کریم نے اس بات کو پھر مکمل فرما دیا اور تین گزشتہ احسانات بھی اللہ نے جتلا دیے، محب محبوب کی باتیں ہوتی ہیں اور کوئی شکوہ درمیان میں آتا ہے، کوئی تکلیف کا تذکرہ ہوتا ہے تو عاشق اپنے پہلے والے واقعات گنواتا ضرور ہے، اللہ رب العزت نے بھی تین مثالیں دیدیں۔

درِ یتیم کا دورِ یتیمی:

اچھا اے میرے محبوب! ذرا دیکھ تو لیجیے کہ یہ کیسے کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو چھوڑ دیا ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى﴾ ''کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا پھر ٹھکانہ دیا'' اے میرے محبوب! آپ تو جانتے ہیں کہ یتیم بچے کی کوئی تربیت نہیں کرتا، یتیم بچے کو کوئی قریب نہیں آنے دیتا، لہٰذا یتیم فتنوں کا سبب بھی بنتے ہیں اور فتنوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں، اسی لیے آپ جانتے ہیں کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

نبی ﷺ کے دورِ یتیمی کو یاد کیجیے! آنکھوں میں آنسو کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ میرے

آقا کی ولادت ہوتی ہے، سب خوش ہو جاتے ہیں، بی بی آمنہ خوش بھی ہے اور غمگین بھی ہے۔خوشی اس بات پر کہ اللہ نے چاند سے چہرے والا بچہ عطا فرمایا ہے اور غمگین اس بات پر کہ میرا خاوند عبداللہ اگر اس وقت زندہ ہوتا تو اس بچے کو اپنے سینے سے لگاتا، کاندھے پر اٹھاتا، اس بچے کو بازار لے جا کر کھلونے لے کر دیتا۔رب کریم تسلی دے رہے ہیں کہ میری آمنہ! تم ہرگز پریشان نہ ہونا اس کا باپ نہیں جو انگلی پکڑ کر لے جاتا اور اسے سیر کرواتا، فکر نہ کرو ہم اس کو آسمانوں پر بلائیں گے اور اپنی جنتوں کی سیر کروائیں گے۔اس کا باپ نہیں جو اسے کھلونے لے کر دے، میں اس کے لیے دنیا کے چاند کو کھلونا بنا دوں گا۔اس کا انگلی کا اشارہ ہوگا چاند کے ٹکڑے ہو جائیں گے، میں اس کے لیے اتنا انتظام کروں گا۔نبی ﷺ کی والدہ غمگین بھی ہیں اور خوش بھی ہیں، تاہم جب چھ سال کی عمر ہوگئی تو والدہ نے سوچا کہ میں اپنے بیٹے کو لے کر اپنے میکے چکر لگا آؤں، وہیں میرے خاوند کی قبر بھی ہے وہاں بھی جاؤں گی۔چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے تھوڑا تھوڑا یاد پڑتا ہے میں چھوٹا تھا، مجھے میری والدہ قبر پر لے گئیں، میری والدہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، وہ رو رہی تھیں کہ عبداللہ! تو نے وعدہ کیا تھا کہ میں سفر پر جا رہا ہوں، لوٹ کر آؤں گا، دروازے پر میرا استقبال کرنا، عبداللہ! میں آج تک انتظار کرتی رہی، تم لوٹ کر نہ آئے اور تمہیں موت نے جدا کر دیا، تیرے بعد اللہ نے تیری ایک نشانی مجھے دی، دیکھ تو سہی! کتنا خوبصورت چمکتے چہرے والا بچہ ہے، اگر تو اسے دیکھتا تو تیرا دل خوش ہوتا، چنانچہ محبوب ﷺ کی والدہ وہاں رو رہی ہیں۔نبی ﷺ فرماتے ہیں: میں نے والدہ کو روتے دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، مجھے نہیں پتہ تھا کہ والدہ کیوں رو رہی ہیں۔

چنانچہ وہاں سے ہٹ کر والدہ چاہتی تھیں کہ مکہ مکرمہ واپس آ جائے، واپسی کا سفر کیا راستے میں ایک جگہ ابواء ہے، وہاں پر جب پہنچیں تو والدہ ماجدہ کی بھی وفات ہوگئی۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میری عمر چھ سال تھی، والدہ کا جنازہ اٹھا، میں جنازے کے ساتھ چل رہا تھا، رو بھی رہا تھا، سبحان اللہ! میرے آقا کی یتیمی کا دور دیکھیے! پیدا ہونے سے پہلے والد کی وفات ہوگئی۔ چھ سال کی عمر میں آج والدہ بھی دنیا سے چلی گئیں، قریب میں کوئی اپنا نہیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا لے کر مکہ آئیں، جب وہ مکہ آ رہی تھیں تو دادا عبدالمطلب پریشان تھے۔ اتنا وقت ہو گیا آمنہ کو گئے ہوئے ابھی تک بچے کو لے کر واپس نہیں آئی، اس بچہ کو دیکھنے کے لیے اداس ہیں، تڑپ رہے ہیں، وہ مکہ کے باہر پہاڑ کی چوٹیوں پر بیٹھ کر دور سے آتے مسافروں کو دیکھتے۔ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ایک عورت ہے، بچہ کو ساتھ لیے آ رہی ہے، کہنے لگے: ممکن ہے کہ آمنہ آ رہی ہو، مگر قریب آئی تو پتہ چلا کہ بچہ تو وہی ہے جس کا انتظار تھا، مگر آمنہ کے بجائے انگلی تو ام ایمن نے پکڑی ہوئی ہے۔ عبدالمطلب پوچھتے ہیں کہ ام ایمن! آمنہ کا کیا بنا؟ آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگیں کہ محمد کے والد تو پہلے فوت ہو چکے تھے، اس سفر میں والدہ بھی فوت ہو چکی۔ سبحان اللہ! میرے آقا کے دورِ یتیمی کا حال دیکھیے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے محبوب! یتیم کو کوئی پوچھتا نہیں، منہ نہیں لگاتا، قریب نہیں آنے دیتا، ہم نے آپ کو یتیم پایا ﴿فَاٰوٰی﴾ ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے حبیب! جب ہم نے آپ کو یتیمی کے دور میں نہیں چھوڑا تو اب آپ کو کیسے چھوڑ دیں گے؟ لہٰذا ان کافرو ں کی بات کو دل پر نہ رکھیے کہ تجھے تیرے رب نے چھوڑ دیا۔ ﴿اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی﴾ ہم نے تو یتیمی کے دور میں آپ کو نہیں چھوڑا تھا اب بھلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا:

دوسری مثال ساتھ دیدی ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ آپ کو یاد ہے سات سال کی عمر تھی، آپ پہاڑوں میں چلتے ہوئے ایک پہاڑ سے دوسری طرف چلے گئے تھے، پھر آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ راستہ کدھر ہے۔ آپ ایک پہاڑی کے اوپر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، ابوجہل سواری پر سوار ہوکر آیا، آپ کو دیکھا تو کہا: آجاؤ، چنانچہ آپ کو اپنے پیچھے بٹھایا تو سواری نہیں چلی، پریشان تھا، حیران تھا، پھر آپ کو آگے بٹھایا، اے میرے حبیب! آپ تو راستہ اس وقت بھول گئے تھے ہم نے آپ کو راستہ کی رہنمائی بھی فرمادی اور ہم نے ابوجہل کو پیغام بھی دے دیا کہ یہ کائنات کا صدر نشین ہے، کیسے تم اپنے پیچھے بٹھا سکتے ہو؟ آگے بٹھانا پڑے گا، امام ماننا پڑے گا، اپنا مقتدیٰ ماننا پڑے گا، اپنا رہبر سمجھنا پڑے گا، ایمان لانا پڑے گا، تب تمہاری زندگی کی سواری جنت کی طرف چل سکے گی، ورنہ ہرگز نہیں چلے گی۔ اے میرے محبوب! ہم نے تو ان طعنہ دینے والے کافروں کو اس چھوٹی عمر میں بھی یہ عملاً یہ بتادیا تھا کہ دیکھو! ان کو بڑا مانے بغیر تمہارا کام نہیں چلے گا۔

آپ کو یاد ہوگا اے میرے حبیب! جب آپ آئے تو ان کافروں کا حال کتنا برا تھا، دور جاہلیت تھا، شراب پی جاتی تھی، قتل ہوتے تھے، زنا عام تھا، ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو ہادی بنا کر بھیجا، آپ ہدایت کی روشنی لے کر، قرآن کی روشنی لے کر ان کے پاس آئے، اے محبوب! جب اس گمراہی کے وقت آپ پیدا ہوئے تھے، ہم نے آپ کو اس وقت نہیں چھوڑا تھا، آج جب آپ قرآن کی ہدایت اور روشنی لے کر ان کی طرف آئے ہیں اب ہم کیسے آپ کو چھوڑ دیں گے؟ سبحان اللہ!

چنانچہ ﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی﴾ اے میرے محبوب! آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہی نہیں، منہ موڑا بھی نہیں، ایک یتیمی کا واقعہ سنایا، ایک بھولنے کا واقعہ سنایا۔

عسر سے یسر تک:

اب تیسرا واقعہ سنایا ﴿وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی﴾ ''ہم نے آپ کو بے سروسامان پایا اور ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔'' بے سروسامان اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو جیسے یوسف علیہ السلام کو محل میں پال دیا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو محل میں پال دیا تھا، اپنے حبیب ﷺ کو بھی محل میں پال دیتے، مگر پھر ساری دنیا اعتراض کرتی کہ محلات میں پلنے والا آج ساری دنیا میں زہد کی زندگی گزارنے کی تعلیم کیسے دے رہا ہے؟ اس لیے اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسی جگہوں پر پالا جہاں پر نہ درخت تھے ﴿بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ﴾ وسائل نہیں تھے، حتیٰ کہ جس رات میرے آقا کی ولادت ہوئی، بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس چراغ جلانے کے لیے تیل نہیں تھا، سوچیے تو سہی! کہ ایک عورت جو لیبر پین (زچگی کا درد) محسوس کر رہی ہے، بچہ کی ولادت کا پروسیس ہو رہا ہے اور کمرہ میں چراغ بھی نہیں جل رہا، اس حالت میں آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو فرمایا: آپ تو بے سروسامانی کی حالت میں تھے، دیکھیے! ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔

کس طرح؟ بیوی ایسی دی، خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، جو مکہ کی سب سے زیادہ امیر عورت تھی، اور اس نے اپنا مال آ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیا، ہم نے آپ کو دوست ایسے دیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے، کہ جنہوں نے اپنا سارا مال لا کر قدموں میں ڈال دیا۔ سوچیے! آپ اس وقت بے سروسامان تھے، ہم نے آپ کو غنی کر دیا، تو میرے محبوب! ہم نے آپ کو بے سروسامانی کی حالت میں نہیں چھوڑا، اب جب آپ غنی ہیں اب کیسے چھوڑ

سکتے ہیں؟ جب آپ بے سروسامان تھے اس وقت نہیں چھوڑا، اب کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

نصیحت کی باتیں:

لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ یہ محب محبوب کی باتیں تو ہوگئیں، لیکن اب نصیحتیں بھی ہونی چاہییں۔ یہ میرا قرآن ہے، لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے تو ہدایت کی بات بھی لوگوں تک پہنچادیجیے۔ اے میرے محبوب! تین باتیں اور بتادی جاتی ہیں، جو اسی سے متعلقہ ہیں کہ اپنے دور یتیمی کو یاد رکھیے گا۔

نصیحت نمبر ①:

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ جب آپ کے پاس کوئی یتیم آئے تو آپ اس کے ساتھ برا سلوک نہ کیجیے، نبی ﷺ کو یتیموں کے ساتھ محبت تھی میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھی ہوتی ہیں۔ (بخاری، حدیث: ۵۳۰۴)

نبی ﷺ نے ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ جو آدمی شفقت کے ساتھ کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے تو ہاتھ کے نیچے جتنے بال آتے ہیں، اتنی نیکیاں اس بندے کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ (شعب الایمان، حدیث: ۱۱۰۳۶)

سبحان اللہ! میرے آقا ﷺ کو یتیم سے محبت تھی۔

ایک واقعہ:

عید کا دن ہے میرے آقا ﷺ نماز پڑھنے کے لیے باہر تشریف لائے، مسجد کی طرف جارہے ہیں، راستہ میں مدینہ کے بچے کھیل رہے ہیں، آپ ﷺ ذرا آگے بڑھے ایک

بچے کو دیکھا، وہ بہت مغموم اداس بیٹھا ہوا ہے، کھیل بھی نہیں رہا، گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کے بڑھتے قدم رک گئے، پوچھا: اے بچے! تم کون ہو؟ کہا: اے میرے آقا! میں یتیم مدینہ ہوں، آج میرا باپ نہیں جو میرے لیے کپڑے لاتا، میری ماں نہیں جو مجھے نہلا کر کپڑے پہنا دیتی، میرا باپ مجھے انگلی پکڑ کر ساتھ لے جاتا، اسی لیے میں اپنے باپ کو یاد کر رہا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تو آؤ! پھر میں تمہیں اپنا بیٹا بنالیتا ہوں، نبی ﷺ اس بچے کو لے کر آتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں کہ اس بچے کو نہلا دو اور یہ بھی فرمایا کہ حسن اس کا ہم عمر ہے اس کے نئے دھلے ہوئے کپڑے بھی منگوالو۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نئے دھلے ہوئے کپڑے بھی منگوا لیے گئے۔ بچہ نے نہالیا، کپڑے پہن لیے، اس کو سرمہ ڈالا گیا، تیل لگایا گیا، خوشبو لگائی گئی، کنگھی کی گئی، بچہ بہت خوش ہوگیا کہ آج عید کے دن میں نے بھی اچھے کپڑے پہن لیے۔ خوشبو دار معطر جسم ہوگیا اور میں بھی آج عید کی خوشی مناؤں گا۔ نبی ﷺ اس سے پوچھتے ہیں: بتاؤ! تم اپنے والد کے ساتھ عید پڑھنے جاتے تھے تو کیسے جاتے تھے؟ انگلی پکڑ کر یا چل کر، کس طرح؟ اس نے کہا کہ میرے والد مجھے کندھوں پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ میرے آقا! تیری عظمتوں پر حیران ہیں۔ یہ یتیموں کو محبت دینا آپ نے سکھایا۔ چنانچہ اس بچے کو کندھے پر بٹھالیا۔ نبی ﷺ اس حال میں اس کو لے کر پھر گلی میں تشریف لائے، جو بچے گلی میں کھیل رہے تھے حیران ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہ بچہ پھٹے پرانے کپڑوں میں اداس بیٹھا تھا، اب اس کا چہرہ مسکرا رہا ہے اور نئے کپڑے پہنے ہوئے ہے اور نبی ﷺ کے کندھوں پر سوار ہو کر آرہا ہے، انہوں نے سلام کر کے اشاروں میں پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ بچے نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے

ایک نے کہا کہ کاش! میں بھی یتیم ہوتا اور اللہ کے حبیب ﷺ مجھے بھی اپنا بیٹا بنا لیتے۔ نبی ﷺ اس بچے کو لے کر مسجد تشریف لاتے ہیں۔ عید کا مجمع ہے صحابہ انتظار میں بیٹھے ہیں، نبی ﷺ منبر کے قریب پہنچے، چنانچہ وہ بچہ زمین پر بیٹھنے لگا۔ نبی ﷺ نے اس بچے سے کہا: آج تو نیچے نہیں بیٹھے گا، جہاں منبر پر میں بیٹھتا ہوں آؤ تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے پاس بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ جو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے گا اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہوں گے اتنی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

نصیحت نمبر 2:

دوسری بات یہ ہے کہ ﴿وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ اور سائل کو جھڑکی نہ دیجیے، سائل کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیجیے۔ ایک ہوتا ہے دنیا کے مال کا سائل، ضرورت مند، اس کو بھی جتنا دے سکتے ہیں دے دو، جھڑکی نہ دو، اگر دے نہیں سکتے تو اتنا کہہ دو کہ میاں! آگے چلے جاؤ۔

ایک نکتہ کی بات:

علما نے لکھا ہے کہ سائل صرف مال پیسہ کا سائل ہی نہیں، علم کا سائل بھی تو ہوسکتا ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر علم سیکھنے والا سائل آپ کے پاس آئے تو آپ ان کے ساتھ ترش رو نہ ہوں، جھڑکی نہ دیں، سختی نہ کریں، اس لیے کہ وہ سائل ہے اور سائل کو جھڑکی نہیں دیا کرتے۔ علم کا سائل زیادہ محترم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں علما کے لیے بھی ایک نکتہ نکل آیا کہ ان سے اگر طلبہ بار بار سوال پوچھیں، بار بار ان سے سوال پوچھنے کی

کوشش کریں، تو ان کو تنگ نہیں ہونا چاہیے، ان کو سخت رد یہ نہیں اپنانا چاہیے، بلکہ ان سے اور زیادہ شفقت کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو علم سیکھنے والا بہت پسند ہے۔

اگر اس کی مثال دیکھنی ہے تو قرآن عظیم الشان میں دیکھیے!

ایک صحابی جو نابینا ہیں، مگر دین سیکھنا چاہتے ہیں، وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تیزی سے چلتے ہوئے آتے ہیں اور نبی علیہ السلام کے پاس اس وقت قریشِ مکہ میں سے کچھ لوگ آئے بیٹھے تھے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دین کی دعوت دے رہے تھے۔ چنانچہ یہ نابینا آئے صورتحال کو اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا، آ کر اپنی بات کر ڈالی کہ مجھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین کی باتیں سکھائیں، نبی علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ ٹھہر جائیے، صبر کر لیجیے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سائل کو روکا تو رب کریم نے پیغام بھیج دیا: ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾ اللہ اکبر کبیرا! جو ان آیات کے معانی جانتے ہیں وہ دل پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اللہ! آپ کو علم کے سیکھنے والے سے کتنی محبت ہے، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے محبوبانہ خطاب فرمادیا کہ اس طرح آپ نے سائل کے ساتھ کیوں ترش روئی کا معاملہ کیا؟ تو معلوم ہوتا ہے کہ سائل ہو یا طالبہ ہو، معلمہ کو چاہیے کہ اس کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں، محبت کا معاملہ کریں، ان کو رد نہ کریں۔ ﴿وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ سوالی کو انکار نہیں کرنا۔

نصیحت نمبر ③ :

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ﴾ ''اور میری نعمتوں کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کیجیے''۔ اس کا ایک معنی مفسرین نے یہ لیا ہے کہ قرآن اللہ کی نعمت ہے، آپ کی بات حدیث بنے گی، تو فَحَدِّثْ کے لفظ سے حدیث کا ثبوت مل گیا، آپ اس قرآن کو لوگوں

کے سامنے کھول کھول کر بیان کیجیے۔لہٰذا اس سورت میں جہاں نبی ﷺ کے لیے تسلی کی باتیں تھیں،آپ کی نیابت کرنے والے،آپ کا علم سیکھنے والے،آپ کے وارث بننے والے علماء وطلباء کے لیے بھی تسلی کی باتیں ہیں۔لہٰذا علم سیکھنے والے اور اپنے آپ کو سنت سے مزین کرنے والوں کے لیے اس میں تسلی ہے۔

یاد رکھیے! جو علم سیکھے گا اللہ اسے چھوڑے گا بھی نہیں اور اللہ اس سے منہ موڑے گا بھی نہیں۔اور اللہ اس کے آنے والے وقت کو گزرے وقت سے بہتر بنائے گا اور اللہ اس کو اتنا عطا کرے گا کہ وہ بس بس کرے گا۔آپ اپنی زندگی میں اس کی مثالیں دیکھ لیجیے! جن لوگوں نے نیکی تقوی کے ساتھ علم سیکھا اور اس پر عمل کیا ان کے آنے والے وقت کو اللہ نے گزرے ہوئے وقت سے بہتر بنا دیا۔اتنا دیا کہ بڑھاپے میں وہ اللہ کے سامنے بس بس کرتے تھے،اللہ! تیری نعمتیں بے انتہا ہیں،اب ان کی شکر گزاری کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

لہٰذا وہ طالبات خوش نصیب ہیں جو اس راستہ پر قدم اٹھا چکی ہیں، جو اٹھانا چاہتی ہیں وہ بھی خوش نصیب ہیں کہ یہ راستہ وہ راستہ ہے کہ جس پر اللہ چھوڑتا بھی نہیں، منہ موڑتا بھی نہیں اور اللہ رب العزت بندے کے آنے والے وقت کو گزرے ہوئے وقت سے بہتر بنا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنا دیتے ہیں کہ بندہ بس بس کرتا ہے، اس سے زیادہ بہتر زندگی گزارنے کا کوئی اور راستہ ممکن نہیں۔

غور کرنے کا مقام:

ذرا طالبات غور کریں کہ آج اللہ نے ہر انسان کے سامنے کسی نہ کسی چیز کو رکھ دیا ہے اور اس کی زندگی اس میں گزر رہی ہے۔ذرا غور کریں! کسی کے سامنے اللہ نے اینٹ کو

رکھ دیا، وہ اینٹ کو اینٹ سے جوڑتا ہے، وہ گھروں کی تعمیر کر کے زندگی گزارتا ہے۔کسی کے سامنے اللہ نے لکڑی کو رکھ دیا، لکڑی کو کاٹتا ہے اور جوڑتا ہے، فرنیچر بناتا ہے، ہم اسے کارپینٹر کہتے ہیں، زندگی اسی میں گزر جاتی ہے۔کسی کے سامنے اللہ نے کپڑے کو رکھ دیا، وہ کپڑے کو کاٹتا ہے، ڈیزائن کے ساتھ پھر اس کو جوڑتا ہے، کپڑے بناتا ہے، ہم اسے درزی کہتے ہیں۔اور کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کو رکھ دیا، وہ لوہے کے پرزوں کو جوڑتا ہے اور کھولتا ہے، ہم اسے مکینک کہتے ہیں، اس میں اس کی زندگی گزر جاتی ہے۔کسی کے سامنے اللہ نے پتھر رکھا، کسی کے سامنے کپڑا رکھا، کسی کے سامنے لکڑی رکھی، کسی کے سامنے لوہا رکھا، یہ طالبات کتنی خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے ان کے سامنے اپنا قرآن اور نبی ﷺ کا فرمان رکھ دیا، صبح اپنے گھروں سے چل کر جامعہ آتی ہیں، اپنی گود میں اللہ کا قرآن لے کر بیٹھ جاتی ہیں، آپ کی خوش نصیبی ہے، آپ شکر ادا کریں اپنے اللہ رب العزت کا جس نے آپ کو اس کام کے لیے چن لیا، یاد رکھنا! مدارس کے اندر اپنی مرضی سے کوئی نہیں آتا۔

ع یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

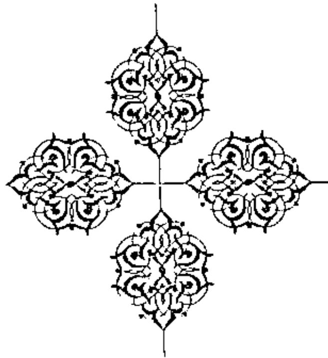
﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ (فاطر:۳۲)

''ہم نے کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنا دیا جو ہمارے چنے ہوئے بندے تھے''

یہ طلباء و طالبات اللہ کے چنے ہوئے بندے، بندیاں ہیں جن کو اللہ نے علم پڑھنے کے لیے آج قبول کر لیا، نبی ﷺ کی نیابت نصیب ہوگئی، وراثت نصیب ہوگئی، آپ کے

راستے پر چلنے والے یہ لوگ ہیں جو معاملہ اللہ کا نبی ﷺ کے ساتھ ہوا آپ کے راستے پر چلنے والوں کے ساتھ بھی اللہ کا یہی معاملہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اس سورت میں جہاں نبی ﷺ کو اللہ تسلی دیتے ہیں کہ اے چمکتے چہرے والے! کالی زلفوں والے! تیرے رب نے تجھے چھوڑا بھی نہیں، منہ موڑا بھی نہیں، وہیں ان کے راستے پر چلنے والوں کے لیے بھی خوشخبری ہے۔ ان کو بھی اللہ کا یہی فرمان کہ تیرا رب تجھے چھوڑے گا بھی نہیں، منہ موڑے گا بھی نہیں، اور تمہارا آنے والا وقت گزرے وقت سے بہتر ہوگا، اور تیرا رب تجھے اتنی نعمتیں دے گا کہ تم بس بس کرو گے، واقعی اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے! ابھی تعلیم شروع ہوئے سال مکمل نہیں ہوا، ہم نے کہاں سے ابتدا کی؟ ایک گھر سے۔ وہاں جو کچھ وسائل تھے، اس سے کام کی ابتدا کر دی، سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنے تھوڑے وقت میں اللہ تعالیٰ اتنی بہتر جگہ پر پہنچا دے گا۔ آنے والے وقت کو اللہ نے گزرے وقت سے بہتر بنا دیا۔ اللہ بنانے والوں کو بھی جزا عطا فرمائے، پڑھنے پڑھانے والوں کو بھی جزا عطا فرمائے اور اس سب کو اللہ ہماری بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین





سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہترین طریقہ زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

... وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ...

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

... وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرَ...

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۷۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ثنا خوانوں میں نام لکھوانے کی تمنا:

محسن انسانیت سرور کونین سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ اگر انسان دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہے تو وہ آپ ﷺ کے اخلاق عظیمہ کو اور عادات مبارکہ کو اس طرح اپنائے کہ اس کا ظاہر و باطن نبی علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق بن جائے۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی اتنی کامل ہے کہ وہ ہر زاویے سے مکمل نظر آتی ہے۔ سیرت کے عنوان پر اس امت کے علما نے بہت کام کیا۔ ہر ہر پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی اور نبی علیہ السلام کے ثنا خوانوں میں اپنا نام لکھوایا۔ عاجز بھی اس جماعت میں شامل ہونے کا متمنی بن کر آیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی کو اتنا کھول کر بیان کیا جائے کہ بھٹکی ہوئی انسانیت اپنی منزل پر پہنچے اور ہدایت کے نور سے آشنا ہو سکے۔

مرا قائد ہے وہ ، زندگی پیغام تھا جس کا
محمد نام تھا جس کا ، محبت کام تھا جس کا
وہ رفتہ رفتہ جس نے قوم کو منزل عطا کر دی
کلی آغاز تھا جس کا ، چمن انجام تھا جس کا

مشاہیر عالم کی نامکمل زندگیاں:

جب ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں جتنے مشاہیر آئے، ان میں سے کوئی فاتح بنا، کوئی سائنسدان بنا، کوئی مختلف چیزوں کا موجد بنا اور انہوں نے زندگی میں بہت کام کیے۔ لیکن ایک عجیب بات ان میں مشترک نظر آتی ہے کہ خود انہوں

نے اپنی زبان سے یا ان کے جانے کے بعد دوسرے لوگوں نے یہ بات کہی کہ فلاں نے تو بہت اچھا کام کیا، اگر اس کو اور وقت مل جاتا تو وہ اس کام کو اور بہتر طریقے سے کرتا۔ گویا کہ اپنی زندگی کے نامکمل ہونے کی گواہی اس نے خود اپنی زبان سے دی، یا لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی، مثال کے طور پر......

نیوٹن نے ''لاز آف نیوٹن'' پر اس قدر ٹھوس کام کیا کہ سائنس کی دنیا میں اس کی بہت عرصہ تک اس وجہ سے عزت ہوتی رہی۔ پھر بھی لوگوں نے کہا کہ اگر نیوٹن کو کچھ اور مہلت ملتی تو وہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کام کرتا۔

آئن سٹائن کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ سائنس کی دنیا میں آج یورپ اس کی اس طرح عزت کرتا ہے جس طرح دین کے معاملہ میں ہم اپنے پیغمبروں کی عزت کرتے ہیں۔ اس نے تھیوری آف ریلیٹویٹی پیش کی، جس کی بنیاد پر انسان نے ایسی ایسی چیزیں بنائیں کہ جس کی وجہ سے اس کا چاند پر قدم ٹکانا آسان ہوگیا، مگر اس کے بارے میں بھی لوگوں نے یہی لکھا کہ اس کی زندگی نے وفا نہ کی، اگر وہ کچھ دیر اور زندہ رہتا تو اس کے سامنے کئی راز کھلتے۔

ہم نے سمرقند کے اندر تیمور لنگ کا مزار دیکھا۔ وہاں کے لوگوں نے اسے اس وقت فاتحِ عالم کے نام سے لکھا تھا۔ وہ اپنے وقت میں پوری دنیا کا فاتح سمجھا جاتا تھا، لیکن اس کے بارے میں بھی یہی لکھا گیا کہ اس نے ان ان ملکوں کو فتح کر لیا، اگر اسے موقع ملتا تو وہ مزید اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا۔

شیکسپیئر کی زندگی پڑھ کر دیکھیے کہ اس نے اپنی زبان میں اپنے حساب سے ایک سے بڑھ کر ایک کتاب لکھی۔ لیکن لوگوں نے پھر بھی لکھا کہ اس کو مہلت نہ ملی، ورنہ وہ

اس سے بھی بہتر انداز میں کتابیں پیش کرتا۔

گویا جتنے بھی بڑے بڑے لوگ دنیا میں گزرے ان سب کے کام ادھورے رہ گئے، انہوں نے خود اپنے آخری وقت میں تسلیم کیا یا لوگوں نے ان کے بارے میں کہا کہ ان کو اپنا کام مکمل کرنے کی مہلت نہ ملی۔

تاریخِ انسانیت میں کامل و مکمل زندگی:

تاریخِ انسانیت میں ایک ہستی ایسی ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد کی موجودگی میں بقائمی ہوش وحواس، لوگوں سے پوچھا کہ اے لوگو! میں جس مقصد کو لے کر اس دنیا میں آیا تھا، میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا، کیا تم اس پر گواہی دیتے ہو؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا: اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ نے سچ فرمایا، آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تاریخ انسانیت میں ایک ہی زندگی ایسی ہے کہ جس کے کامل اور مکمل ہونے کی گواہی ان کی اپنی زبان سے بھی ملی اور ان کے سامنے جو لوگ تھے ان کی زبان سے بھی ملی۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ آج ہم اس ''نئی روشنی'' کے دور میں زندگی گزارنے والے لوگوں کو اس شخصیت کی زندگی سے روشناس کرائیں، تا کہ وہ ادھوری زندگی گزارنے والے لوگوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اس پوری زندگی گزارنے والی ہستی کی اتباع کریں۔ اسی میں ان کی ذاتی فلاح بھی ہے اور اسی میں پوری انسانیت کی رہنمائی بھی۔ نبی علیہ السلام کی زندگی ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے۔

ایک نئے زاویے سے سیرتِ نبوی کا مطالعہ:

اس عاجز کا خیال ہے کہ سیرت سٹڈی سنٹر میں بڑے بڑے علماء، مفکر اور علامہ

حضرات تشریف لاتے رہتے ہیں اور وہ بڑے بڑے علمی نکات بیان کرتے رہتے ہوں گے۔ یہ عاجز تو ایک چھوٹا سا طالب علم ہے اور سیرت کے میدان میں تو ابھی اس عاجز کا شمار Beginners (مبتدی لوگوں) میں ہوتا ہے۔ البتہ اپنی بساط کے مطابق یہ عاجز سیرت کے عنوان کو ایک نئے زاویے سے کھولنے کی کوشش کرے گا۔

سائنس کا زمانہ ہے۔ گھر گھر میں کمپیوٹر پہنچ رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی کمپیوٹر پر بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ اسکولوں میں بھی ان کو کمپیوٹر پڑھایا جاتا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ آرٹی فیشل انٹیلی جنس پر کام ہو رہا ہے۔ سپر کمپیوٹر کے اس دور میں چونکہ ذہن میں سائنسی چیزیں اکثر آتی رہتی ہیں، اس لیے لوگوں کی سوچ ہی ایسی ہو گئی ہے کہ ہر چیز کو سائنسی نکتۂ نظر سے جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی اور آپ کی مبارک سنتیں سائنسی نکتہ نظر سے ہمیں کیسے معلوم ہوتی ہیں؟...... اس سلسلہ میں عاجز کا ایک Conclusion (نتیجہ) ہے۔ پہلے وہ آپ کے سامنے پیش کر دے گا۔ پھر اس کے بعد اس کی سپورٹ میں چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ امید ہے کہ آپ یہ باتیں ہوش کے کانوں سے عمل کے جذبے سے سنیں گے اور اپنے دل میں جگہ دیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ (ق:۳۷)

''اس قرآن میں نصیحت ہے ان کے لیے جن کے سینوں میں دل ہو''

اور جن کے سینوں میں سِل ہو ان کو ان باتوں سے فائدہ نہیں ہوتا۔ طلب لے کے بیٹھیں گے تو ان شاء اللہ یہ باتیں آپ کے لیے Food for thought (فکر انگیز) ہوں گی۔ یہ باتیں سائنس کے طلبا کو اور لکھے پڑھے حضرات کو فائدہ دیں گی۔ لہٰذا آپ

میرے ان الفاظ کو توجہ سے سنیں اور پھر اپنے گھروں میں جا کر اس پر سوچیں۔ آپ ان نکات کو سن کر حیران ہوں گے کہ ہم نے تو سنت کو اس انداز سے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس عاجز کے حساب سے تو یہ ایسا عنوان ہے کہ جس پر بیسیوں طلبا و طالبات پی ایچ ڈی اسلامک سٹڈیز کر سکتے ہیں۔

سنتِ نبوی کے دو پہلو:

نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کے بارے میں دو Phase (درجے) ہیں۔

① پہلا فیز تو یہ ہے کہ جو انسان نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرے گا، اللہ رب العزت کی طرف سے اس کی زندگی میں برکتیں ہوں گی۔ وہ دنیا میں بھی کامیاب ہو گا اور آخرت میں بھی کامیابی اس کے قدم چومے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الاحزاب:۷۱)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تحقیق وہ بہت بڑی کامیابی پانے والا بن جائے گا''

نبی علیہ السلام کے مبارک طریقوں پر عمل کرنا اور آپ کے اخلاق و عادات کو اپنانا، اس کو ''سنت کی پیروی'' کہتے ہیں۔ یہ پیروی عبادات میں ہو، معاشرت میں ہو، معیشت میں ہو، انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر، اس میں ہماری کامیابی ہے۔ ایک انداز تو یہ ہے کہ سنت پر عمل کریں گے تو دنیا میں بھی سکون ملے گا اور آخرت میں بھی کامیابی ملے گی، اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی ملے گی، روز محشر وہ اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شمار ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرما دیں گے۔ یہ ایک فیز ہے اور یہ سو فیصد سچی اور پکی بات ہے، یہ سو فیصد تسلیم شدہ بات ہے۔ اس عنوان پر آپ کثرت سے گفتگو سنتے رہتے ہیں۔

آج ہماری گفتگو کا عنوان یہ باتیں نہیں ہیں، بلکہ آج ایک اور گوشے پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ سنت کو ایک مختلف زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

②...... آج کی گفتگو کا عنوان اس کا دوسرا فیز ہے۔ وہ دوسرا فیز یہ ہے کہ

''جس کام کو نبی اکرم ﷺ نے جس طریقے سے کیا، اس کام کو کرنے کا اس سے بہتر طریقہ دنیا میں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔''

یہ ہمارا ایک دعویٰ سمجھ لیجیے یا نتیجہ، مگر ہمارا نتیجہ اتنا ٹھوس ہے کہ اس بات کو کرتے ہوئے گویا ہمارے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ یعنی ہم اتنے یقین سے یہ بات کر رہے ہیں۔ جس طرح ایک انجینئر کے سامنے دو ضرب دو کہا جائے تو وہ چار جواب دے گا۔ یہ جواب دیتے ہوئے اسے پکا یقین ہوتا ہے کہ اس جواب کے علاوہ کوئی دوسرا جواب ہے ہی نہیں۔ بالکل اسی طرح جب ہم یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے دنیا میں جس کام کو جس طریقے سے کیا اس کام کو کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ ممکن ہی نہیں، تو اس بات کو کرتے ہوئے ہمارے پاؤں کے نیچے بھی چٹان ہے۔ اس بات کا ہم ذرا سائنس کی رُو سے جائزہ لیں گے۔ اس کی چند ایک مثالیں میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

سونے کی چار ممکنہ صورتیں:

انسان روزانہ سوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ سونے کی کون سی پوزیشن طبی طور پر زیادہ بہتر ہے؟ دیکھیں! سونے کے مختلف انداز ہو سکتے ہیں۔ اس کی چار ممکنہ صورتیں ہیں:

- ایک تو یہ کہ انسان چت سوئے۔ یعنی اس کی کمر بستر پر ہو اور اس کا چہرہ آسمان کی طرف ہو۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ پٹ سوئے۔ یعنی چہرہ نیچے بستر کی طرف ہو اور کمر

آسمان کی طرف ہو۔

- تیسری صورت یہ ہے کہ بائیں طرف کروٹ لے کر سوئے۔
- چوتھی صورت یہ ہے کہ دائیں طرف کروٹ لے کر سوئے۔

(1) سیدھا سونا:

پہلی صورت یہ ہے کہ انسان چت سوئے۔ طبی طور پر یہ صورت انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔......وہ کیسے؟......اگر آپ انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی بناوٹ کے بارے میں سوچیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ بالکل سیدھی نہیں ہے، بلکہ خم دار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معدے کے اندر وزن ہوتا ہے اور اس وزن نے بالآخر کسی جگہ اپنا زور ڈالنا ہوتا ہے اور اس مقصد کے لیے کسی ہڈی نے اس کو برداشت کرنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سپائنل کارڈ (ریڑھ کی ہڈی) بنادی اور معدے کا وزن اس کے اوپر ڈالا گیا۔ اور اس کو سنبھالنے کے لیے اس ریڑھ کی ہڈی کو تھوڑا سا خم دار بنایا گیا۔ چنانچہ یہ پیچھے کندھوں سے سیدھی آتی ہے اور جہاں ہمارا پیٹ ہے وہاں تھوڑا سا آگے کو خم کھا کر پیچھے ہٹتی ہے۔ آپ اپنی کمر پر ہاتھ لگا کر اس کو محسوس بھی کر سکتے ہیں۔ تو جب آدمی سیدھا سویا ہوتا ہے تو اس کی ریڑھ کی ہڈی کا خم اوپر کی طرف ہوتا ہے اور اس خم کے اوپر اس کے پیٹ کا وزن ہوتا ہے۔ اور ماشاءاللہ کسی کا دس کلو تو کسی کا پچاس کلو۔ اب اتنے وزن نے اس کے اوپر اثر کرنا ہوتا ہے۔ سائنس کا یہ اصول ہے کہ جب بھی کسی خم دار چیز پر کوئی وزن ڈالا جائے گا تو وہ سیدھا ہونے کی کوشش کرے گی۔ وہ وزن سیدھا اس کے دونوں سروں پر منتقل ہوگا اور اس خم کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا۔ جب ریڑھ کی ہڈی پر پچاس کلو کا وزن ڈالا جائے گا تو وہ حقیقت میں اس کے اوپر والے اور نیچے والے سرے

پر اپنا زور ڈالے گا۔ایسی صورت میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

- گردن کے مہرے درمیان سے دباؤ میں آجاتے ہیں اور گردن کے پیچھے انجائنا کا درد شروع ہو جاتا ہے، یا
- کمر کے نچلے مہرے درمیان میں سے دباؤ میں آجاتے ہیں اور لو بیک پین (کمر کے نچلے حصے میں درد) ہو جاتی ہے۔

یہ کمر کے نچلے حصے میں درد کیا چیز ہے؟ ریڑھ کی ہڈی کے آخر میں جو چند مہرے ہیں وہ آپس میں دب جاتے ہیں اور ان کے درمیان جو گوشت اور نروز ہیں وہ دب جاتی ہیں، جس کی وجہ سے انسان کو درد ہوتا ہے۔ یہ کیوں دب جاتی ہیں؟ اب بالآخر ڈاکٹروں کو یہ بات ماننا پڑے گی کہ جو لوگ سیدھا سوتے ہیں ان کو گردن کے پیچھے انجائنا کا درد بھی ہوتا ہے یا پھر لو بیک پین زیادہ ہو جاتی ہے۔اب وہ یہی وجہ بتاتے ہیں کہ پیٹ کا وزن جو ساری رات ریڑھ کی ہڈی پر پڑا رہتا ہے وہ ان دونوں سروں پر منتقل ہو کر آدمی کو دونوں جگہ پر درد کرتا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اس طرح سونا انسان کے لیے بہتر نہیں۔

(2)......الٹا سونا:

سونے کا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی پیٹ سوئے۔ اس کو اوندھا سونا کہتے ہیں۔ کہ چہرہ زمین کی طرف ہو اور کمر اوپر کی طرف ہو۔سونے کا یہ طریقہ بھی طبی طور پر انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔

کیونکہ انسان کے معدے کے ساتھ آنتیں ہوتی ہیں جہاں سے اس کی غذا گزر رہی ہوتی ہے۔اور وہاں اس کو جسم سے مختلف وٹامنز اور کیمیکلز ملتے ہیں۔وہ آنتیں دائیں اور

بائیں سائیڈ پر ہوتی ہیں۔ان آنتوں میں خوراک بھری ہوتی ہے اور ہر آنت ایک دوسرے کے ساتھ چربی کی ایک باریک سی جھلی کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔اگر کسی بکری کو ذبح کیا جائے اور آپ اس کی آنتوں کو دیکھیں تو آپ کو اس کی آنتیں ایک دوسرے کے ساتھ باریک سی جھلی کے ساتھ جڑی ہوئی نظر آئیں گی...... جب انسان الٹا سوتا ہے، یعنی پیٹ کے بل، تو اس کی آنتیں اوپر ہوتی ہیں اور وہ دونوں طرف معلق پوزیشن میں لٹک رہی ہوتی ہیں۔ان کے اندر وزن بھی ہوتا ہے۔اور ہم نے ماشاءاللہ مرغا اور چرغہ کھایا ہوتا ہے۔ان میں اچھا خاصا وزن بھی ہوتا ہے۔اب ایسی صورت میں یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ سے وہ چربی کمزور ہے تو وہ آنت اوپر سے نیچے گرے گی اور اس میں بل آجائے گا۔گرہ لگ جائے گی۔حدیث پاک میں بھی فرمایا گیا ہے کہ الٹا مت سویا کرو، اس طرح الٹا سونے سے ممکن ہے کہ آنتوں میں کوئی گانٹھ پڑ جائے۔ جب یہ گرہ لگ جاتی ہے تو پھر ہسپتالوں میں پہنچ کر لمبا آپریشن کروانا پڑتا ہے۔آج کل ڈاکٹروں نے اس بات کو بھی کنفرم کر دیا ہے کہ کئی لوگ ایسے آتے ہیں کہ جن کی آنتوں میں الٹا سونے کی وجہ سے گرہ لگ جاتی ہے اور ان کا آپریشن کرنا پڑ جاتا ہے۔اگر سو بندوں میں سے کسی ایک کا بھی یہ مسئلہ بن جائے تو کہا جائے گا کہ سونے کا یہ طریقہ انسانی صحت کے منافی ہے۔

(3)...... بائیں کروٹ پر سونا:

سونے کی تیسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی بائیں کروٹ پر سوئے۔جب آدمی بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو اس وقت اس کا دل نیچے ہوتا ہے اور باقی سارا سسٹم اوپر ہوتا ہے...... جیسے دو منزلہ عمارت ہے اور پمپ نیچے لگا ہوا ہے۔جب سپلائی کرنے کا سسٹم اوپر

ہوتا ہے تو پمپ انڈر پریشر (دباؤ میں) آجاتا ہے۔ اگر نیچے سپلائی کرنا ہو تو اس کا کوئی ہیڈ نہیں ہوتا۔ اس کے پاس جتنا پانی ہوتا ہے وہ سارا خود بخود نیچے چلا جاتا ہے۔ جب اسے کشش ثقل کے مخالف پمپ کرنا ہوتا ہے تو اس کے اوپر لوڈ پڑتا ہے ۔......اب ساری رات اس کا سسٹم اوپر ہوتا ہے اور اس کا دل اس کے نیچے ہوتا ہے۔ اس طرح دل انڈر پریشر (دباؤ میں) کام کر رہا ہوتا ہے۔ سونے کے اس طریقے میں دو خرابیاں ہیں۔

(1) چونکہ انسان کا دل دباؤ میں ہوتا ہے اس لیے اس کی نیند بہت گہری ہوتی ہے۔ اتنی گہری کہ آپ اس کو الارم لگا کر دیں تو وہ پچی اپیلیں نہیں سنے گا۔ آپ اس کو نماز کے لیے جگائیں گے تو وہ بس اوں کرے گا اور پھر سو جائے گا۔ بعد میں آپ اس سے کہیں کہ میں نے آپ کو جگایا تھا۔ وہ کہے گا کہ مجھے تو نہیں پتا کہ جگایا بھی تھا یا نہیں۔ کئی مرتبہ اگر جاگ بھی جاتا ہے تو اس کا دماغ تھوڑی دیر کے لیے پوری طرح کام نہیں کر رہا ہوتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میں ذرا پانچ منٹ کے لیے بیٹھوں گا۔ فریش (تازہ دم) ہو جاؤں گا، پھر ہوش میں آ کر بات کروں گا۔

(2) ایسے لوگ عام طور پر ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں۔ چونکہ دل دباؤ میں ہوتا ہے اس لیے خواب میں دیکھتے ہیں کہ بھینس پیچھے بھاگی چلی آ رہی ہے، ایک سانپ ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں، فلاں نے مجھے مار ڈالا۔ اور پھر وہ ہڑبڑا کر اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے بڑا ڈراؤنا خواب آیا ہے۔ برے خواب دیکھنے والے جتنے بھی بندے ہوں گے، آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کی سونے کی عادت کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ ہم بائیں طرف کروٹ لے کر سوتے ہیں۔ آج میڈیکلی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بائیں طرف سونے کی صورت میں دل دباؤ میں آ جانے کی وجہ سے نیند بھی گہری آتی ہے اور برے اور

ڈراؤنے خواب بھی زیادہ آتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بائیں طرف سونا انسان کے لیے فائدہ مند نہیں۔

(4)......دائیں کروٹ سونا:

سونے کی چوتھی ممکنہ صورت یہ ہے کہ انسان اپنی دائیں کروٹ لے کر سوئے۔ اس صورت میں اس کا پورا سسٹم نیچے ہوتا ہے۔ اور دل اوپر ہوتا ہے۔ گویا اب اس صورت میں پمپ اوپر ہوتا ہے اور پمپ کو نیچے سپلائی کرنے کے لیے کیس پریشر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بھی مزے کی بات ہے کہ جب آدمی جاگ رہا ہو تو اس وقت اس کی نبض کی رفتار، جس کا تعلق براہ راست دل سے ہوتا ہے، ستر سے پچہتر ہوتی ہے، لیکن سونے کی حالت میں اس کی نبض کی رفتار بہت کم ہو جاتی ہے۔ گویا گاڑی کی سپیڈ کم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس پر لوڈ ڈالا جائے تو وہ بند ہی ہونی ہوتی ہے۔ اگر بائیں کروٹ سوئے گا تو یہی حال ہوگا کہ گاڑی کی سپیڈ کم تر ہو گئی اور اوپر لوڈ پڑ گیا، یوں انڈر پریشر رہ کر اوپر خون کی سپلائی کرنی پڑے گی، لیکن اگر ہم دائیں کروٹ پر سوئیں گے تو ایسے میں انسان کی جیسے ہی نبض کی رفتار کم ہوئی اسی حساب سے اس پر لوڈ بھی کم ہو گیا۔ یوں سمجھیے کہ نیند کی حالت میں انسان کا دل تقریباً آف لوڈ کنڈیشن میں جل رہا ہوتا ہے۔ اور پورے جسم کو خون کی مطلوبہ مقدار پہنچا رہا ہوتا ہے۔

سونے کی سب سے بہتر صورت:

اس طرح سونے سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(1)......ایسے بندے کی نیند بہت گہری نہیں ہوتی۔ ذرا سا کھٹکا ہوا، یا کوئی بات ہوئی یا

الارم بجا تو وہ فوراً اٹھ جائے گا۔

② ایسے بندے کو ڈراؤنے خواب نہیں آتے۔

③ ایسی پوزیشن میں بندہ تھوڑی دیر کے لیے سوتا ہے، لیکن یہ اپنے آپ کو یوں تازہ دم محسوس کرتا ہے جیسے وہ بہت دیر تک سو کر اٹھا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ دس منٹ کے بجائے دو گھنٹے آرام کیا ہے۔

لہٰذا آج میڈیکلی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے لیے سونے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ وہ اپنی دائیں کروٹ پر سوئے، اور یہی میرے محبوب ﷺ کی مبارک سنت ہے۔ آج سائنس اپنی تحقیق کے بعد اس چیز کو ثابت کر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ سائنس بھٹکتی رہتی ہے۔ اور جب کبھی منزل ملتی ہے تو وہ وہی جگہ ہوتی ہے جہاں میرے محبوب ﷺ کے قدموں کے نشانات ہوتے ہیں۔ اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس کام کو نبی علیہ السلام نے جس طریقے سے کیا، اس کام کو کرنے کا اس سے کوئی اور بہتر طریقہ دنیا میں ممکن ہی نہیں۔

سن باتھ اور جدید سائنسی تحقیقات:

کچھ سال پہلے کی بات ہے کہ یورپ کے لوگ مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ تم چھٹیاں گھروں میں ہی گزار دیتے ہو، ساحل سمندر پہ کیوں نہیں جاتے؟ ہم پوچھتے تھے، کیوں جائیں؟ کہتے تھے: سورج کی دھوپ میں غسل کرنے کے لیے، سن باتھ لینے کے لیے، کیونکہ اس سے مسام کھل جاتے ہیں اور اس کے بے شمار فائدے ہیں۔ ہم انہیں جواب دیتے تھے کہ ہم یہ کام نہیں کرتے۔ وہ جواب میں کہتے کہ آپ تو دقیانوس قسم کے لوگ ہو اور جدید سائنس سے فائدہ ہی نہیں اٹھاتے۔

کچھ عرصے کے بعد پوری دنیا میں تحقیق کی گئی کہ مختلف بیماریاں کہاں کہاں پائی جاتی ہیں۔اس تحقیق سے پتہ چلا کہ پوری دنیا میں جلد کے کینسر کی سب سے زیادہ شرح یورپ میں ہے۔اب ان کو پریشانی لاحق ہوئی کہ یہاں جلد کے کینسر کی شرح اتنی کیوں ہے؟...... ہمارے ہاں تو جلد کا اسپیشلسٹ ڈاکٹر بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔پورے شہر میں شاید کوئی ایک ایسا ڈاکٹر ہوتا ہو، ورنہ تو ہوتا ہی کوئی نہیں۔اور وہاں تو ہر دوسرا چوتھا ڈاکٹر جلد کا اسپیشلسٹ ہے۔......انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں اس کی اتنی زیادہ شرح کیوں ہے؟ چنانچہ جب اس پر تحقیق کی گئی تو یہ بات سامنے آئی کہ ہمارے جسم پر سورج کی جو دھوپ ڈائریکٹ پڑتی ہے، اس میں الٹراوائلٹ ریز (بالائے بنفشی شعائی) ہوتی ہیں اور وہ شعائیں جب جلد کے اوپر پڑتی ہیں تو جلد ان کو جذب کر لیتی ہے۔اس کی وجہ سے جلد کے ٹشوز کے اندر کینسر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔جب یہ تحقیق سامنے آئی تو یورپ میں کہرام مچ گیا۔ چنانچہ کچھ کمپنیوں نے کہا کہ ہم اس کے لیے ایسی چھتریاں بنائیں گے جو ان مضرصحت شعاعوں سے انسان کو بچا سکیں گی۔لہٰذا اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ جس بندے نے سن باتھ لینا ہو وہ چھتری استعمال کرے، ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم کس کس کے ہاتھ میں چھتری پکڑاؤ گے......اس تحقیق کے بعد ان لوگوں کا ساحل پر جانا مہنگا بھی ہو گیا اور مشکل بھی ہو گیا کہ اپنی حفاظت بھی کرنی پڑتی ہے۔

اب اللہ رب العزت نے ہمیں پوائنٹ دے دیا۔ہم ان سے بات کرتے ہیں کہ جب ہم کہتے تھے کہ ہم ساحل پر سن باتھ لینے نہیں جاتے تو تم لوگ مذاق کرتے تھے، اب جب سائنس نے بتایا کہ اس سے تمہیں بیماریاں لاحق ہوتی ہیں تو اپنی چھٹیاں وہاں گزارنے کے بجائے کہیں اور جانے کی باتیں سوچتے ہو۔اس کو کہتے ہیں:

''کھوتی مڑ ترڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

یعنی گدھا گھوم پھر کر بالآخر بوہڑ کے درخت کے نیچے ہی آتا ہے۔

یہ سائنس دان بیچارے اس کھوتی کے مانند ہوتے ہیں اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں، بالآخر اسی درخت کے نیچے پہنچتے ہیں جس درخت پر میرے محبوب ﷺ کی سنتوں کا سایہ ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''جو پانی سورج کی دھوپ کی وجہ سے گرم ہو اس سے تم وضو مت کرو۔''

(کشف الخفاء: ۱/ ۳۷۵)

انسان حیران ہوتا ہے کہ آگ پر پانی گرم کیا جائے تو وضو کرنا جائز ہے، نبی علیہ السلام نے گرم پانی سے وضو کرنے سے منع نہیں فرمایا، لیکن یہ فرمایا کہ جو پانی دھوپ کی وجہ سے گرم ہو، تم اس سے وضو مت کرو۔ انسانی عقل اس کی تہہ تک نہیں پہنچ رہی ہوتی ہے، اس پانی کے اندر الٹرا وائلٹ شعاعوں کا اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اسے بندہ اپنے جسم پر استعمال کرتا ہے تو اس پر بھی ان شعاعوں کا اثر پڑتا ہے۔ سوچیے کہ سائنس تو اب یہ بات بتا رہی ہے جبکہ میرے آقا ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ یہ چیزیں تمہارے لیے نقصان دہ ہیں، تم ان کو مت استعمال کرنا۔

موٹاپا کم کرنے میں سائنسی ترجیحات:

نیویارک میں ہمارے ایک دوست ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں۔ ایک مرتبہ ہم ان کے آفس میں بیٹھے تھے۔ وہاں پر کچھ لٹریچر پڑا ہوا تھا۔ اس لٹریچر پر لکھا ہوا تھا کہ یہ میڈیکل ایسوسی ایشن آف امریکہ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ یعنی اس میں بالکل پکی

اور ماڈرن ریسرچ پر مبنی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ میری عادت ہے کہ جو چیز ملے اسے ضرور پڑھتا ہوں۔ اس کا عنوان بڑا دلچسپ تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا:

''آپ اپنے وزن کو کنٹرول کیجیے، آسانی کے ساتھ''

اس کے اندر عجیب ریسرچ لکھی ہوئی تھی۔ یہ لکھا ہوا تھا کہ:

- جو بندہ اپنے اضافی وزن کو کنٹرول کرنا چاہے اور
- وہ ورزش بھی نہیں کر سکتا،
- وہ سلمنگ سنٹر میں بھی نہیں جا سکتا،
- وہ زیادہ کھانے پر قابو نہیں پا سکتا، اور
- وہ ایسی گولیاں بھی استعمال نہیں کر سکتا، تو
- اس کے لیے ایک آسان طریقہ ہے کہ وہ آدمی اپنے کھانے کو خوب چبا چبا کر کھایا کرے۔

جب میں نے یہ بات پڑھی کہ وہ اپنے کھانے کو خوب چبا چبا کر کھایا کرے تو میں نے کہا کہ یہ تو میرے محبوب ﷺ کی سنت ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''نبی علیہ السلام جب لقمہ منہ میں لیتے تھے تو اس کو خوب اچھی طرح چبا کر اندر نگلتے تھے۔ پھر اس کے بعد دوسرا لقمہ کھایا کرتے تھے''۔

پیٹ بھرنے کا فیصلہ دماغ کرتا ہے:

پھر اس کے بعد انہوں نے اس کی سائنسی وجہ بھی لکھی کہ جب انسان کھانا کھاتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ یہ فیصلہ انسان کا پیٹ نہیں کرتا، بلکہ یہ

فیصلہ اس کا دماغ کرتا ہے۔

دماغ یہ فیصلہ کیسے کرتا ہے؟ دماغ کے پاس دو طرف سے سگنلز آتے ہیں۔

ایک سگنل منہ کی طرف سے آتا ہے۔ منہ ایک کرشنگ یونٹ ہے جس میں دانت غذا کو چباتے ہیں۔ جتنی مرتبہ بھی منہ چلتا ہے اس کو گنا جاتا ہے، پھر وہ گنتی دماغ کو پہنچتی ہے کہ اتنی مرتبہ چل چکا ہے۔ دماغ کو سگنل یہ ملتا ہے کہ خوب سیر ہو کر کھا لیا ہے۔

دوسرا سگنل پیٹ کی طرف سے دماغ کو ملتا ہے۔ وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ ہمارے پیٹ کی اوپر والی سطح پر کچھ ٹرانس ڈیوسرز ہیں، جو سگنلز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب ہمارے پیٹ میں خوراک جاتی ہے تو پیٹ پھیلتا ہے۔ جب پیٹ پھیلتا ہے تو وہ ٹرانس ڈیوسر اس کے پھیلاؤ کا سگنل دماغ کو پہنچاتا ہے۔ یہ لانگ ایکٹنگ ٹرانس ڈیوسر کہلاتا ہے۔ یعنی یہ فوراً سگنل نہیں دیتا، بلکہ اس کو سگنل پراسس کرنا پڑتا ہے اور اس پراسس کرنے میں اسے تقریباً آٹھ منٹ لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر: اگر آپ ابھی کوئی چیز منہ میں ڈالیں اور وہ بھی ایک دم ہی ڈال دیں تو آپ کو جو یہ محسوس ہوگا کہ پیٹ کتنا بھرا ہوا ہے، وہ آٹھ منٹ بعد ہی دماغ کو صحیح سگنل پہنچے گا، جس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ پیٹ کتنا بھرا ہوا ہے۔ ہم کیا کرتے ہیں؟ ماشاء اللہ! جب دستر خوان پر بیٹھتے ہیں تو سوچ لیتے ہیں کہ بس یا ہم نہیں یا یہ نہیں، یعنی خوب کھاتے ہیں اور تھوڑی دیر میں جو کچھ دستر خوان پر ہوتا ہے وہ پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہم جتنا اندر ڈال سکتے ہیں ڈال لیں۔ شروع کے دو چار منٹوں میں ہم ضرورت سے زیادہ کھا رہے ہوتے ہیں اور دماغ کہہ رہا ہوتا ہے کہ ابھی گنجائش ہے، حالانکہ گنجائش ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اور ہم کھاتے چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ پھر جب

سات آٹھ منٹ گزرتے ہیں تو ہم پھر کہتے ہیں کہ آج بڑا کھالیا۔ یہ ہم کیوں کہتے ہیں کہ آج ہم نے بڑا کھالیا؟ اس لیے کہ اب صحیح سگنل دماغ کو پہنچ رہا ہوتا ہے۔

اس کی ایک آسان سی مثال عرض کردوں، آپ نے کھانا کھانا شروع کیا۔ بھلے آپ نے پانچ سات لقمے ہی لیے ہیں۔ اس دوران کوئی فون آجائے اور آپ ٹیلی فون سننے چلے جائیں تو آپ پانچ دس منٹ ٹیلی فون سننے کے بعد آتے ہیں تو آپ محسوس کرتے ہیں کہ اب بھوک ختم ہوگئی ہے۔ ہم اسے کہتے ہیں: جی بھوک مرگئی۔ وہ بھوک مری نہیں ہوتی، بلکہ وہ جو پانچ دس منٹ کا درمیان میں وقفہ ملتا ہے اس میں سگنل پراسس ہو کر دماغ میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اور صحیح انفارمیشن آچکی ہوتی ہے کہ اب پیٹ بھر چکا ہے۔ اگر ہم آہستہ آہستہ آرام آرام سے چبا چبا کر کھانا شروع کریں تو ہم مناسب سا کھانا کھائیں گے اور ہمارے دماغ میں صحیح سگنل پہنچے گا اور ہمیں محسوس ہوجائے گا کہ ہم نے پیٹ بھر کر کھالیا ہے۔ اس طرح ہم زیادہ کھانے کی عادت سے بچ جائیں گے اور درمیان سے موٹے نہیں ہوں گے۔ زیادہ کھانے کی وجہ سے ہی جسم میں چربی بڑھتی ہے۔ دراصل جتنی ہمیں ضرورت ہوتی ہے ہم اپنی جلد بازی کی وجہ سے اس سے پانچ یا دس گنا زیادہ کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔

ہمارا منہ ایک کرشنگ یونٹ کی طرح ہے۔ اس میں دانت لقمے کو کرش کرتے ہیں۔ ایک لقمے کو جب بار بار چبائیں گے تو دماغ نے تو دیکھنا ہے کہ کتنا وقت چبانے کا عمل ہوا ہے۔ بھلے آپ ایک ہی لقمے کو چباتے ہیں یا دس لقموں کو۔ تو معلوم ہوا کہ اگر لقمہ منہ میں ڈالیں اور اچھی طرح چبائیں اور اس کے بعد نگلیں، پھر دوسرا لقمہ منہ میں ڈالیں اور چبائیں اور اتنا ہی ٹائم دیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ کھاتے ہوئے ہم دس منٹ میں اتنا

کھانا کھالیں کہ ہمارا دماغ مکمل فیصلہ کر سکے کہ ہم نے ضرورت کے مطابق کھالیا ہے۔ لہٰذا آپ ایک چپاتی کھائیں گے تو آپ کی طبیعت مطمئن ہو جائے گی۔ آپ محسوس کریں گے کہ میرا پیٹ بھر چکا ہے اور میری بھوک مٹ چکی ہے۔ آپ کو گولیاں کھانے اور ڈائٹنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

معدے کو ڈبل ڈیوٹی نہ دیں:

ایک اور بات یاد رکھیں کہ جب ہم نوالا منہ میں چباتے ہیں اور اندر ڈالتے ہیں تو ہمارے معدے کا کام خوراک کو ہضم کرنا ہوتا ہے۔ اگر ہم لقمے کو پوری طرح چبا کر معدے میں نہیں بھیجیں گے تو معدہ بوجھ تلے آجاتا ہے۔ اس صورت میں اسے کرشنگ بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خوراک ہضم بھی کرنی پڑتی ہے۔ گویا اس طرح ہم معدے کو ڈبل ڈیوٹی دے دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معدہ بوجھل ہونے کی وجہ سے خوراک مکمل طور پر کرش نہیں کر پاتا، جس سے صحیح وٹامنز نہیں بنتے اور معدہ ہر چیز کو چربی میں تبدیل کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسا بندہ عام طور پر درمیان سے موٹا ہو جاتا ہے۔ اصل میں پیٹ پر چربی چڑھ جاتی ہے اور پھر وہ کہتا ہے کہ پتا نہیں، ذرا سا کھالیں تو پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ وہ اس لیے کہ آپ نے سسٹم کو مکمل طور پر استعمال ہی نہیں کیا۔ آپ کرشنگ (خوراک کو پیسنے) کا کام اپنے منہ سے لیا کریں اور ہاضمے کا کام اپنے معدے سے لیا کریں۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ جو بندہ اپنا وزن کنٹرول کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی طرح چبا چبا کر تسلی سے کھانا کھائے، تاکہ کھانے میں کچھ وقت لگے اور اس کے پیٹ میں جو خوراک جا چکی ہے اس کا مناسب سگنل دماغ کو پہنچے۔ اگر اس طرح وہ کھائے گا تو اس

کے پیٹ میں فالتو چربی نہیں بنے گی۔ ورنہ پیٹ بڑھ جانے کی صورت میں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح گویا ہم خود مصیبت خریدتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جہاں ہم نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ کو چھوڑتے ہیں وہیں ٹھوکر کھاتے ہیں اور اپنے لیے مصیبت خریدتے ہیں۔ کتنا اچھا ہو کہ ہم ہر کام نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ کے مطابق کریں۔ اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے اور دین کا بھی فائدہ ہے۔

تسلیم کیے بغیر سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل:

اب یورپ میں لوگ جب کھانے کے لیے بیٹھتے ہیں تو وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کھانے کا پروگرام بناتے ہیں اور تسلی سے کھاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح انسان تھوڑا کھاتا ہے اور وزن بھی نہیں بڑھتا۔ چنانچہ انہوں نے تسلیم کیے بغیر ہمارے نبی علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ یعنی

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

اس بات کو نوجوان اچھی طرح یاد کر لیں۔

موتیا کا علاج وضو سے:

غور کیجیے! ایک آدمی جب صبح اٹھتا ہے اور فجر کی نماز پڑھنے کے لیے اسے وضو کرنا پڑتا ہے۔ وہ وضو کرنے کے لیے اپنے منہ پر پانی ڈالتا ہے۔ آج ڈاکٹر کہتے ہیں کہ آنکھوں کا کالا اور سفید موتیا انسان کی بینائی متاثر کرتا ہے اور اس کو کنٹرول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان صبح کے وقت آنکھوں میں پانی کے چھینٹے ڈالے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس وقت اوزون ہوتی ہے جو پانی کے ساتھ مل کر انسان کی آنکھوں میں جاتی ہے۔

اور انسان کی بینائی کو ٹھیک رکھتی ہے۔ جن لوگوں کو فجر کی نماز پڑھنے کی عادت ہے اور وہ وضو کے دوران اپنا چہرہ دھوتے ہیں تو وہ الحمدللہ! یہ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔

مسواک اور جدید سائنسی تحقیقات:

یہ بندہ وضو کے دوران مسواک بھی کرتا ہے۔ اس میں بھی عجیب نکتہ ہے۔

آج سے کچھ سال پہلے یورپ کے ڈاکٹرز کہتے تھے کہ ہر آدمی صبح اٹھ کر سب سے پہلے دانت صاف کرے، اپنے منہ میں مسواک کرے، برش کرے، لیکن مزید ریسرچ کے بعد اب کہتے ہیں کہ صبح کے وقت مسواک کریں یا نہ کریں، یہ آپ کی اپنی مرضی ہے، البتہ رات سونے سے پہلے مسواک ضرور کیا کریں۔ یعنی صبح کے وقت مسواک کرنے سے زیادہ ضروری ہے کہ انسان رات کو کر کے سوئے۔ وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ انسان کے دانتوں کے اندر کی جگہوں میں بیکٹیریا کی کئی ڈویژن فوج ہوتی ہے۔ دن کے وقت انسان بولتے رہتے ہیں، کھاتے پیتے رہتے ہیں، منہ ہلاتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے بیکٹیریا کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ جب آدمی رات کو سو جاتا ہے اور منہ بند ہوتا ہے تو جتنی دیر تک وہ سوتا رہتا ہے اس وقت تک بیکٹیریا اس کے دانتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ اور دانتوں کے درمیان خوراک کے جو ذرات رہ جاتے ہیں وہ ملین کے حساب سے بیکٹیریا بن جاتے ہیں۔ یوں انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ رات کو مسواک کر کے صاف منہ لے کر سونا زیادہ ضروری ہے۔

جب یہ ریسرچ ہم نے پڑھی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات یاد آ گئی۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام رات کو سونے سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔ گویا صاف منہ لے کر نبی علیہ السلام رات کو آرام فرماتے تھے، بلکہ آپ ﷺ دن میں ایک مرتبہ نہیں، جتنی مرتبہ نماز کے لیے

وضو کرتے تھے اتنی مرتبہ آپ ﷺ مسواک فرماتے تھے۔

گندہ دہنی اور امراضِ شکم:

آج ڈاکٹر کہتے ہیں کہ انسان کے پیٹ کی زیادہ تر بیماریاں اس کے گندے دانتوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ واقعی جو لوگ مسواک کرنے کے عادی نہیں ہوتے ان کو پیٹ کی کوئی نہ کوئی بیماری ضرور ہوتی ہے۔ لہٰذا جو بندہ بیماریوں سے بچنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے منہ کو صاف رکھے۔ یہ میرے پیارے نبی علیہ السلام کی مبارک سنت ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ رات کو سونے سے پہلے ضرور مسواک کریں اور اپنے منہ کو صاف رکھیں۔ تو پہلے کہتے تھے کہ صبح کو مسواک کیا کرو اور اب کہتے ہیں کہ رات کو مسواک کیا کرو۔ گویا بھٹکی ہوئی سائنس ایک مرتبہ پھر جس منزل پر پہنچی وہاں میرے محبوب ﷺ کے قدموں کے نشانات ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہوئی کہ:

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

گردن کا مسح کرنے میں جسمانی فائدے:

جب بندہ وضو کرتا ہے تو صرف مسواک ہی نہیں کرتا، بلکہ وہ چہرہ بھی دھوتا ہے، اپنے ناک میں بھی پانی ڈالتا ہے، کلی بھی کرتا ہے اور اپنے کانوں کا مسح بھی کرتا ہے۔ دن میں کتنی مرتبہ؟ پانچ مرتبہ۔

انسان کی گردن والے حصے میں سارے الیکٹرانکس ہیں۔ دماغ کی ساری نروز ایک بنڈل کی شکل میں گردن کے پچھلے حصے سے ہو کر ریڑھ کی ہڈی میں اور پھر وہاں سے

پورے جسم میں جا رہی ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ گردن کا پچھلا حصہ بہت ہی اہم اور حساس حصہ ہے۔ اگر کوئی بندہ اس حصے کو خشک رکھے تو اس خشکی کی وجہ سے بسا اوقات اس جگہ پٹھوں میں تناؤ سا پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس تناؤ کی وجہ سے اس کی نروز پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر کہتے ہیں کہ دن میں ایک دو مرتبہ نہا یا کرو۔۔۔۔۔۔ اللہ اکبر! انہوں نے پانی لگانے کا تو اب سوچا اور ہمیں وضو میں دن میں پانچ مرتبہ یہاں پانی لگانے کا طریقہ نبی علیہ السلام نے بتا دیا۔ تو وہ اب یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو خشک نہ ہونے دو۔ معلوم ہوا کہ

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

اس لیے کہ اس کے سوا اس کو کہیں پناہ ہی نہیں ملتی۔

اعضائے وضو دھونے میں ہمارے فائدے:

اچھا! یہ بتائیں کہ ایک آدمی بڑا ہی لکھا پڑھا ہو، وہ ایک دن میں کتنی مرتبہ نہا لے گا؟ وہ دفتر جاتے ہوئے ایک مرتبہ ہی نہائے گا، لیکن انسان کے جسم کے کچھ اعضا ایسے ہیں جو عام طور پر کام کرتے ہوئے ننگے رہتے ہیں۔ مثلاً:

- چہرہ ننگا ہوتا ہے۔
- ہاتھ کہنیوں تک ننگے ہو سکتے ہیں، کیونکہ آدمی کام کر رہا ہوتا ہے۔ مستری کام کرتے وقت اپنی آستین اوپر چڑھا لیتا ہے۔ اس کا کام ہی ایسا ہے۔
- پاؤں ٹخنوں تک ننگے رہ سکتے ہیں۔
- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کام کرتے وقت اس کا سر بھی ننگا ہو۔

یہ وہ جگہیں ہیں جن کو عام طور پر کام کے دوران ننگا رکھنا پڑ سکتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے انہی کھلا رہنے والی جگہوں کو دن میں پانچ مرتبہ دھونے کا حکم عطا کیا گیا۔ فضا میں

جتنا پلازما اور جتنے جراثیم ہیں وہ ننگے بندن پر ہی لگ سکتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ وضو کے وقت ہمیں پتا بھی نہیں ہوتا اور کئی جگہوں سے آلودگی صاف ہو رہی ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھ کام کرنے والوں میں کوئی ٹی بی کا مریض ہوتا ہے، کوئی السر کا مریض ہوتا ہے اور کسی کے منہ سے بیکٹیریا کے اثرات نکلتے ہیں اور ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا، اور وہ ہمارے جسم کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ اگر اس جلد کو ہم دن میں صرف ایک مرتبہ دھوتے ہیں تو یہ اتنا زیادہ محفوظ طریقہ نہیں جتنا دن میں اس کو پانچ مرتبہ دھونا ہے۔ Most heigenic way of living (حفظانِ صحت کا سب سے بہتر طریقہ) یہ ہے کہ آپ ان ننگے رہنے والے اعضاء کو دن میں پانچ مرتبہ دھوئیں۔ فائدہ کس کو ہوا؟ بندے کو ہوا۔ اور سنت کس کی پوری ہوئی؟ نبی علیہ السلام کی سنت پوری ہوئی۔

وضو کرنے میں شوگر کے مریضوں کا فائدہ:

ہمارے ایک دوست شوگر کے مریض تھے۔ ان کو ڈاکٹر ہدایت دے رہا تھا کہ آپ اپنے پاؤں کو دن میں چند مرتبہ مساج کروایا کریں...... اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پاؤں کے اندر خون کی جو نالیاں جا رہی ہوتی ہیں وہ شوگر کی وجہ سے قدرے تنگ ہو جاتی ہیں اور باریک ٹشوز کے اندر خون نہیں پہنچ پاتا۔ اسی وجہ سے شوگر کے مریض کے پاؤں سن ہو جاتے ہیں اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس بات کا خیال رکھیں کہ پاؤں کے اوپر زخم نہیں ہونا چاہیے اور ان کو دن میں کئی دفعہ دبوایا کریں۔ اب دبوانا اور زخم کو دیکھنا ہر بندے کو اضافی کام نظر آتا ہے، لیکن جو بندہ نمازی ہے اور نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرتا ہے اس کا یہ کام خود بخود ہو رہا ہوتا ہے۔ وہ کیسے؟ ہم نے دن میں پانچ مرتبہ پاؤں کو مل مل کر دھونا ہوتا ہے۔ جب مل کے دھو رہے ہوتے ہیں تو خود بخود مساج ہو رہا ہوتا ہے۔

اس طرح خون کی اگر کوئی بندش وغیرہ ہو تو وہ خود بخود ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اب ذرا سوچیے کہ اگر ایک کافر شوگر کا مریض ہے تو اس کو تکلف کر کے دن میں کئی مرتبہ مساج کرنا پڑتا ہے اور اگر کسی مسلمان کو یہ عارضہ لاحق ہو جائے تو اس کا دن میں پانچ مرتبہ خود بخود مساج ہو رہا ہوتا ہے۔ بے نمازی لوگ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں، کیوں کہ ان کے لیے یہ مشکل ہوتا ہے کہ چار پانچ مرتبہ اپنے پاؤں کو چیک کریں۔ پھر ان کے جسموں کی حساسیت پوری نہیں رہتی۔ لہٰذا اگر زخم بھی آ جاتا ہے تو ان کو پتہ نہیں چلتا۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ پاؤں کئی دنوں سے زخمی ہے۔

جب ہمارے دوست نے آ کر بتایا کہ ڈاکٹر نے یہ ہدایات بھی دی ہیں تو میں نے کہا: اللہ کے بندے! کتنی پیاری بات ہے کہ بجائے اس کے کہ تم دن میں پانچ مرتبہ بیٹھ کر اپنے پاؤں کو ٹٹولو اور چیک کرو، تم پانچ مرتبہ نماز پڑھ لیا کرو، ہر نماز کے وضو میں تمہیں پانچ مرتبہ اپنے پاؤں کو مل مل کر دھونے کا موقع مل جائے گا اور یہی پاؤں کا مساج ہے، کیونکہ وضو کرنے والا اپنے پاؤں کی انگلیوں کو مل مل کے دھو بھی رہا ہوتا ہے اور ان کا خلال بھی کر رہا ہوتا ہے۔ اور جو بندہ وضو میں پانچ مرتبہ دن میں پاؤں دھو رہا ہوتا ہے اسے پاؤں کے زخم کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ جا کر ڈاکٹر کو کہہ دینا کہ تم مریضوں کو سیدھا سیدھا یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم پانچ مرتبہ وضو کیا کرو، تمہیں یہ فائدے خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔

اس نے کہا: میں اپنے ڈاکٹر سے بات کروں گا۔ وہ ڈاکٹر ہندو تھا۔ جب اس نے ڈاکٹر کو وضاحت سے بتایا کہ ہم یوں وضو کرتے ہیں اور اس کا یہ فائدہ ہے تو وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا: اچھا! تمہارا بچہ بھی وضو کرتا ہے اور بوڑھا بھی وضو کرتا ہے؟ اس نے کہا:

ہاں۔ وہ کہنے لگا: یہی بات ہے کہ جو بندہ عملی طور پر مسلمان ہوتا ہے وہ کتنی بیماریوں سے خود بخود بچ رہا ہوتا ہے۔ اگر تم بھی اسی طرح وضو کرتے ہو تو تمہیں روزانہ مساج کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی وضو کے باعث یہ نفع اٹھا رہے ہو۔

ہم نبی علیہ السلام کی مبارک سنت پر عمل کر رہے ہوتے ہیں اور خود بخود اللہ تعالیٰ ہمیں نقصان دینے والی چیزوں سے بچا رہے ہوتے ہیں۔ آج کفر کی دنیا ان سنتوں میں دنیاوی فائدے ڈھونڈ کر ان کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیا مطلب؟

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

ایک نوبل پرائز ونر کی الٹی سوچ :

ایک نوبل پرائز ونر تھا۔ اس سے انٹرویو لیا گیا۔

انٹرویو لینے والوں نے پوچھا: آپ نوبل پرائز ونر کیسے بنے؟

اس نے جواب میں کہا: میں ایک اسپیشل ورزش کرتا ہوں۔

انہوں نے پوچھا: کون سی ورزش؟

اس نے کہا: میں دن میں تقریباً پندرہ منٹ الٹا کھڑا ہوتا ہوں۔ یعنی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کرتا ہوں۔

انہوں نے پوچھا: وہ کیوں؟

اس نے کہا: وجہ یہ ہے کہ عام حالات میں دل نیچے ہوتا ہے اور سر اوپر ہوتا ہے۔ اس صورت میں دل سے نیچے والے اعضا کو خون آسانی سے پہنچ جاتا ہے اور دماغ گویا اوپر کی منزل ہے، لہٰذا اس تک خون پہنچنا ذرا مشکل کام ہے۔ دونوں سمتوں میں خون کا پریشر مختلف ہوتا ہے۔ یعنی دماغ کو جتنے پریشر کے ساتھ خون ملنا چاہیے اتنا نہیں ملتا۔

چنانچہ جب میں الٹا کھڑا ہوتا ہوں تو میرا سر نیچے ہوتا ہے اور دل اوپر ہوتا ہے۔ اس طرح میرا سارا خون میرے دماغ میں آجاتا ہے۔ اس طرح میرے دماغ کے بلین اور ٹریلین خلیوں کے اندر میرا خون پہنچ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے میرا دماغ بہت اچھا کام کرتا ہے۔ اسی لیے میں نوبل پرائز ونر بن گیا۔

جب میں نے یہ انٹرویو پڑھا تو میں نے کہا: یہ بھی پاگل ہے۔ اگر اس کو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کی عادت ہوتی تو بے چارے کو یہ ورزش نہ کرنی پڑتی۔ پورے دن میں اور کوئی صورت نہیں ہوتی کہ سر نیچے ہو اور انسان کا دل اوپر ہو۔ ہمیشہ دل نیچے اور سر اوپر ہوتا ہے، لیکن نماز کے سجدے میں انسان کا سر نیچے اور اس کا دل اوپر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر تھوڑا سا لمبا سجدہ کیا جائے تو آدمی کو اپنے کانوں میں، چہرے میں اور دماغ میں فراوانی کے ساتھ خون پہنچتا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے خون کا فلڈ آچکا ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں انسان کا زیادہ سے زیادہ خون سر اور چہرے میں جارہا ہوتا ہے اور ایک ایک خلیے کو جاکر تازگی بخش رہا ہوتا ہے۔ اس لیے لمبے سجدے کرنے والوں کے چہروں پر اللہ رب العزت ایک رونق عطا کر دیتے ہیں۔

صلحا کے چہروں پر نور کی ایک سائنسی توجیہ:

مجھے ایک ڈاکٹر ملا۔ وہ کہنے لگا: جی! دینِ اسلام نے کہا ہے کہ صلحا کے چہرے پرنور ہوتا ہے۔ میں نے کہا: بالکل پکی بات ہے۔ کہنے لگا: کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کیسا نور ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پھر وہ کہنے لگا: میں ایک میڈیکل ڈاکٹر ہوں اور میں نے یہاں امریکہ میں ڈاکٹری کی ہے اور میں نے اس پر ریسرچ کی ہے کہ اصل میں یہ لوگ لمبے سجدے کرتے ہیں اور ان لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کے چہرے پر، دماغ میں اور

اوپر والے باقی اعضا میں خون وافر مقدار میں چلا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے ان کے چہرے دوسروں کی نسبت زیادہ تازہ نظر آتے ہیں۔ بڑھاپے میں بھی ایسے لگتا ہے جیسے وہ بالکل جوان ہوں۔

اس کے بعد وہ ہنس کر کہنے لگا: جی! میں آپ کو ایک بات بتاؤں؟ میں نے کہا: بتاؤ۔ کہنے لگا: اگر عورتوں کو پتہ چل جائے کہ لمبے سجدے کرنے سے ہمارے چہرے کتنے تازہ نظر آئیں گے تو بے چاریاں کئی کئی گھنٹے روز ہی سجدے میں گزار دیں اور قیمتی کریموں سے ان کی جان چھوٹ جائے۔تو پتا چلا کہ

''کھوتی مڑ ترڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

سرکے کے استعمال میں سائنسی ترجیحات:

پچھلے دنوں کی بات ہے۔ میں نیویارک ٹائمز پڑھ رہا تھا۔اس میں ایک تین کالم کی خبر لگی ہوئی تھی۔اوراس پر لکھا ہوا تھا:

Burn your extra fat with the use of vinigar

''سرکہ استعمال کر کے اپنی اضافی چربی کو ختم کر لیجیے۔''

مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔ میں نے کہا کہ سرکہ استعمال کرنا تو نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ نبی علیہ السلام کے زمانے میں کوئی دعوت ایسی نہیں ہوتی تھی جس میں سرکہ موجود نہ ہو۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''جس گھر میں سرکہ ہوتا ہے اس گھر میں سالن موجود ہوتا ہے''۔

(کنز العمال، حدیث:۴۱۰۱۰)

پھر میں نے پورا مضمون پڑھا۔اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر انسان روزانہ چائے کے ایک چمچ کی مقدار سرکہ استعمال کر لے تو وہ کبھی موٹا نہیں ہوسکتا۔اس کے استعمال کے کئی

طریقے ہیں۔ مثلاً: پانی میں ڈال کر، یا سالن میں ڈال کر، یا سلاد پر ڈال کر، لیکن اگر سلاد میں ڈال کر کھائیں گے تو کئی لوگوں کے گلے اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے سرکہ استعمال کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے کہ آپ آدھا گلاس پانی لیں اور اس میں ایک چمچ سرکہ ملا کر روزانہ پی لیں۔ یہ چوبیس گھنٹے میں جتنی بھی اضافی چربی ہو گی اس کو ختم کر دے گا۔

تو جن لوگوں کو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اپنا وزن کم کریں وہ بے چارے ورزش بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی وزن کم نہیں کر پاتے، وہ ڈائٹنگ (فاقہ) بھی کرتے ہیں، لیکن پھر بھی وزن کم نہیں کر پاتے۔ ان کے لیے آسان اور قدرتی علاج یہ ہے کہ وہ سرکہ استعمال کرنا شروع کر دیں۔ مسلمان اس کو استعمال کرنے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ اس خبر کے چھپنے کے بعد امریکی اسٹوروں میں سرکہ کی قیمت زیادہ ہو گئی۔ ہم نے امریکیوں اور یورپیوں کے دسترخوانوں پر سرکہ استعمال ہوتے دیکھا۔ میں نے ایک امریکی سے پوچھا: جی! آپ سرکہ کیوں استعمال کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اس میں بہت فائدے ہیں، اس لیے ہم نے اسے اپنی غذا کا حصہ بنا لیا ہے۔ میں نے اس کے سامنے یہ کہا:

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

وہ کہنے لگا: What are you saying?

''آپ کیا کہہ رہے ہیں''

میں نے کہا: دیکھو! میں مسلمان ہوں اور یہ میرے پیارے نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ چونکہ آپ نے بھی اس پر عمل کیا تو میں نے کہا کہ ہماری تحقیقات میں ایک اور نئی انفارمیشن کا اضافہ ہو گیا۔ وہ کہنے لگا: ہاں! یہ نئی انفارمیشن ہے، تمہیں بھی نوٹ کر لینی

چاہیے۔ اللہ اکبر کبیرا!!

زیتون کے تیل سے ہائی کولیسٹرول کا علاج:

کچھ لوگوں کو ہائی کولیسٹرول کا پرابلم ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ پراٹھا مت کھائیں، انڈہ مت کھائیں۔ لاہور میں ہمارے ایک دوست ڈاکٹر شاہد اویس صاحب ہیں۔ وہ پیتھالوجسٹ ہیں۔ لوگ اپنی ٹیسٹ رپورٹیں کرنے کے لیے ان کی لیبارٹری میں جاتے ہیں۔ وہ مجھے کہنے لگے: حضرت! میں نے سو مریضوں پر ایک تجربہ کیا۔ میرے پاس ہائی کولیسٹرول والے مریض آئے، میں نے ان کا کولیسٹرول لیول چیک کیا اور میں نے اس سب کی دوائیاں چھڑوا دیں اور ان سے کہا: آپ زیتون کا استعمال کرنا شروع کر دیں۔ سالن بھی اس میں بنائیں اور اگر دل چاہے تو پراٹھا بھی اسی کا بنا کر کھائیں۔ اس کے علاوہ سلاد پر بھی زیتون کا تیل ڈالیں، حتی کہ دودھ میں بھی زیتون کا استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر چالیس دنوں کے بعد آ کر دوبارہ مجھ سے ٹیسٹ کروائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس طرح ایک سو مریضوں کا علاج کیا اور ان سب کا کولیسٹرول لیول 200 سے کم ہو گیا تھا۔

جب انہوں نے یہ بات کہی تو میں بڑا حیران ہوا اور پوچھا: اچھا! اللہ تعالیٰ نے زیتون کے تیل میں یہ خاصیت رکھی ہے! یہ تو مجھے پتہ تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے...... ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾...... جب اللہ تعالیٰ قسم کھا رہے ہیں تو اس میں یقیناً کوئی نا کوئی راز پوشیدہ ہوگا۔

بہر حال! ایسا کیوں ہوا؟ پچھلے دنوں میں نے ایک ریسرچ پیپر پڑھا۔ اس میں اس بات کی وضاحت تھی۔ اس کو میں میڈیکل ٹیکنالوجی استعمال کر کے سمجھانے کے بجائے

اپنی زبان میں آسان بنا کر پیش کرتا ہوں۔

اس ریسرچ رپورٹ میں لکھا ہوا تھا کہ زیتون کے تیل کے سائنسی فارمولے میں ایک کرسی خالی ہے۔ اس کرسی کی جگہ بالکل ایسی ہے جیسے بیڈ کولیسٹرول کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بیڈ کولیسٹرول اس کرسی کی پوزیشن میں جا کر فٹ ہو جاتا ہے۔ اور یہ زیتون کا تیل اس کو جسم سے باہر نکال دیتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ زیتون کا تیل کولیسٹرول لیول کو کم ہی نہیں کرتا، بلکہ بند شریانوں کو کھولنے کا کام بھی کرتا ہے۔ لہٰذا اب باہر ملکوں میں دل کے مریضوں کو زیتون کا تیل استعمال کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وقت زیتون کے تیل کا استعمال یورپ کی دنیا میں بہت زیادہ ہے۔ کینیڈا میں ایک ریسرچ یہ ہوئی کہ کون سا آئل کتنا استعمال ہوتا ہے؟ انہوں نے ریسرچ رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس وقت پورے کینیڈا میں زیتون کے تیل کا استعمال سب سے زیادہ ہے۔ کس لیے؟ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اگر زیتون کا تیل استعمال کریں گے تو دل کی بند شریانیں بھی کھل جائیں گی اور ہارٹ اٹیک کے مریض کو فائدہ ہو جائے گا۔ اس کو کہتے ہیں:

''کھوتی مڑ ترڑ کے بوہڑ بیٹھ''

یاد رکھیں! زیتون کا تیل استعمال کرنا سنت بھی ہے۔ نبی علیہ السلام زیتون کا تیل خوب استعمال فرمایا کرتے تھے۔

ریسرچ ورک کرنے میں ہماری کمزوری:

ہمارے نوجوانوں کی حالت یہ ہے کہ جب یہ بے چارے سنت پر عمل کرتے ہیں تو چونکہ ان کو سائنسی فوائد کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے Down feel (سبکی محسوس) کر رہے

ہوتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم اس طرح قدامت پرست نظر آئیں گے۔ او خدا کے بندو! یہ تو ہماری کمزوری ہے کہ ہم نے ریسرچ ورک نہیں کیا، اگر ہمارے اسکالر اس پر ریسرچ کرتے اور دنیا کو بتاتے کہ نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں میں تمہارا یہ فائدہ ہے تو یہ کفر کی دنیا آج سے کتنا پہلے اسلام قبول کر چکی ہوتی۔ یہ تو ہمارا قصور ہے کہ ہم نے اسلام کے حسن کو اور نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کو کھولا ہی نہیں۔ ہم نے ایسے سائنس دان پیدا کرنا بند کر دیے جو ایک طرف عالم بھی ہوتے اور دوسری طرف سائنس کی باریکیوں کو سمجھ کر سائنس دانوں کو نبی علیہ السلام کی سنتوں کے فائدوں سے روشناس کرواتے۔ یہ اسی کمزوری کی وجہ سے ہے کہ آج ہمارے نوجوان جب کسی سنت پر عمل کر رہے ہوتے ہیں تو Down feel کر رہے ہوتے ہیں جیسے معاذ اللہ انہوں نے کوئی جرم کر لیا ہے۔ پھر جب ہم ان کو سائنسی طور پر سمجھاتے ہیں کہ اس کے اندر یہ فائدے ہیں تو پھر اللہ رب العزت ان کو ہمت عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم سنت پر بڑے شوق، جذبے اور یقین کے ساتھ عمل کریں گے، کیونکہ ہمارے لیے یہی ایک فائدے کی چیز ہے۔

عجوہ کھجور میں راز کی بات:

ہمارے ایک دوست کا کولیسٹرول لیول ہائی ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ان سے کہا کہ آپ کو کولیسٹرول فوراً کنٹرول کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ایسی حد تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں کسی وقت بھی ہارٹ اٹیک (دل کا دورہ) ہو سکتا ہے۔ انہوں نے گھبرا کر مجھے فون کیا۔ کہنے لگے: حضرت! میں بڑا پریشان ہوں، مجھے کچھ بتائیے۔ ان کی بات سن کر ایک تو ہم نے ان کو دعائیں دیں اور دوسرا نبی علیہ السلام کی سیرت مبارکہ پر نظر دوڑائی کہ ہمارے لیے یقیناً کہیں نہ کہیں روشنی کا مینار ضرور ہو گا اور ہمیں اس سے رہنمائی مل جائے گی۔ چنانچہ مطالعہ کے

دوران نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی میں سے ایک ایسا ہی معاملہ سامنے آیا جس سے ہمیں امید کی ایک کرن نظر آئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھے سینے میں درد اور گھٹن ہوتی ہے۔ یہ سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہ دل کی بیماری ہے۔

اس حدیث کو پڑھ کر پتا چلا کہ دنیا میں سب سے پہلے نبی علیہ السلام نے ہارٹ اٹیک کی تشخیص فرمائی۔ حالانکہ سینے کی گھٹن کے ساتھ دل کا کیا تعلق؟ چودہ سو سال پہلے کس کو پتہ تھا، لیکن نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو دل کی بیماری ہے۔

پھر انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! اب میں کیا کروں؟ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''تم عجوہ کھجوریں استعمال کرو۔'' (جامع الاحادیث للسیوطی، حدیث: ۳۵۱۳۴)

انہوں نے وہ کھجوریں استعمال کیں اور ان کی تکلیف دور ہوگئی۔

ہم نے جب یہ حدیث پڑھی تو ہم نے سوچا کہ اس میں یقیناً کوئی نہ کوئی راز ہوگا، کیونکہ کھجور کے اوپر جو کچھ ہوتا ہے وہ تو کاربوہائیڈریٹس ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ لگتا ہے کہ اس کے اندر جو گٹھلی ہے اس کے اندر کوئی خاص نعمت موجود ہے۔ ہمیں اس میں راز کی بات یہ ملی کہ کھجور کی گٹھلیوں کو پیس کر خود کھانا اور اونٹوں کو کھلانا عربوں کی عادت تھی۔

ام سلمی رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ وہ کھجوروں کی گٹھلیوں کو پیستی تھیں اور اپنے اونٹوں کو کھلایا کرتی تھیں۔ اگر لوگوں کے پاس بھی کھانے کی اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی تو وہ بھی گٹھلیوں کو پیس کر کھالیا کرتے تھے۔

چنانچہ ہم نے حاجی صاحب سے کہا کہ ہم آپ کو ایک دوائی بھیج رہے ہیں اسے

استعمال کیجیے۔ ہم نے عجوہ کھجور کی چالیس گٹھلیاں لیں اور ان کا ہائیڈرالک پریس کے ذریعے پاؤڈر (سفوف) بنوالیا۔ بعد میں ان کو کیپسولوں میں بھر لیا۔ پھر یہ کیپسول حاجی صاحب کو بھجوا دیے اور ساتھ یہ بھی ہدایت دی کہ آپ ہر کھانے کے بعد صبح دوپہر شام ایک ایک کیپسول استعمال کریں۔ بعد میں اور کیپسول بھی بھر کر بھیجے۔

اللہ کی شان کہ چالیس دن کے بعد جب وہ دوبارہ چیک اپ کروانے کے لیے گئے تو وہ کولیسٹرول جو 300 سے بھی زیادہ تھا تو اس دن اس کی ریڈنگ 185 تھی۔ یہ ریڈنگ جوان اور صحت مند آدمی کے کولیسٹرول کی ہوتی ہے۔ یہ ریڈنگ دیکھ کر ڈاکٹر حیران ہوئے کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ چنانچہ انہوں نے فون کیا کہ ڈاکٹر یہ رپورٹ مانتا ہی نہیں۔ میں نے کہا: ان سے کہو کہ وہ دوسرا نمونہ لے لیں۔ اس طرح جب دوسری دفعہ ان کا کولیسٹرول ماپا گیا تو وہ بھی 185 نکلا۔

پھر ہم نے یہ نسخہ اپنے کئی درجن دوستوں کو استعمال کروایا اور سو فیصد لوگوں کو فائدہ ہوا۔ جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے کھجور کی گٹھلیوں میں شفا رکھی ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے رجسٹرڈ ایک لاجواب دوائی:

میرے پاس کراچی میں ایک ڈاکٹر آئے۔ وہ کہنے لگے: حضرت! میں دل کی جسمانی بیماریوں کا تو اسپیشلسٹ ہوں، اب میں دل کی روحانی بیماریوں کا بھی اسپیشلسٹ بننا چاہتا ہوں، اس لیے آپ سے بیعت ہونے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے اس کی اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔ میں نے ان سے کہا: ذرا آپ اپنا تعارف تو کروائیں۔

وہ کہنے لگا: میں نے یو کے سے اسپیشلائزیشن کی۔ پھر میں نے اپنے پیشے میں ایسی مہارت پیدا کر لی کہ میں سعودی عرب کے شاہی خاندان کا ہارٹ اسپیشلسٹ بن گیا۔

میں کنگ عبدالعزیز کے زمانے سے لے کر چھتیس سال تک شاہی خاندان کا اسپیشلسٹ رہا ہوں۔ اب میں نے ریٹائرمنٹ لے لی ہے اور اب میں نے سوچا ہے کہ کراچی میں غریب لوگوں کے لیے فری ڈسپنسری بناؤں گا اور ان کا علاج کروں گا۔

میں نے کہا: میرے پاس ایک دوائی ہے، آپ اسے استعمال کر کے بتائیں کہ وہ دل کے لیے فائدہ مند ہے یا نہیں۔

میں نے ان کو حاجی صاحب والے کیپسول دے دیے۔

ایک ہفتے بعد آ کر وہ کہنے لگے: حضرت! یہ دوائی رجسٹرڈ کروائی ہے کیا؟

میں نے کہا: نہیں۔

وہ کہنے لگا: حضرت! جلدی سے آپ اسے رجسٹرڈ کروالیں، کیونکہ اگر انسان اس کو دنیا میں سپلائی کرے تو لاکھوں ڈالر کما سکتا ہے۔

میں نے کہا: مجھے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چودہ سو سال پہلے میرے آقا اور سردار ﷺ کے نام پر رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ ہمیں یہ نعمت نبی علیہ السلام کی مبارک حدیث سے ملی ہے اور میں یہ چاہوں گا کہ ہمیں ڈالر ملنے کے بجائے میرے محبوب ﷺ کی نسبت سے یہ بات دنیا تک پہنچے کہ محبوب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے میرے اللہ نے اس میں لوگوں کے لیے بیماریوں کی شفا رکھی ہے۔

تو ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ بھٹکی ہوئی سائنس پھر ایک مرتبہ اپنی منزل پر پہنچی، مگر یہ وہی جگہ ہے جہاں میرے محبوب ﷺ کے قدموں کے نشانات ہیں۔

تیز چلنے کے جسمانی فائدے:

کچھ سال پہلے کی بات ہے کہ ڈاکٹر تجویز کیا کرتے تھے کہ جاگنگ کیا کرو۔ اسی لیے

جو گر بنائے گئے۔ چنانچہ ہر گھر میں بوٹ پہنچ گئے۔ مردوں نے بھی بوٹ پہننا شروع کر دیے، بچوں نے بھی پہننا شروع کر دیے اور عورتوں نے بھی پہننا شروع کر دیے۔ ہر بندہ کہتا ہے کہ صبح صبح دوڑنا چاہیے، جاگنگ کرنی چاہیے۔ ہم جب بھی یورپ کے مختلف ملکوں کا سفر کرتے، دن ہوتا یا رات، دوپہر ہوتی یا شام، تو کہیں مرد دوڑتا نظر آتا اور کہیں عورت دوڑتی نظر آتی، بچے بھی دوڑتے نظر آتے۔ بے چاروں کی دوڑ لگی ہوئی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ دوڑ لگانے والے اچھی ورزش کر رہے ہیں اور اس کا صحت پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔

پھر چند سالوں کے بعد ڈاکٹروں کے پاس ایسے مریض آنے لگے جن کو بڑی عمر میں پاؤں کی ہڈیوں میں مستقل دردیں رہنے لگیں۔ دوسرے جوڑوں میں بھی دردیں رہنے لگیں۔ ڈاکٹروں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دوڑنے کے عادی ہیں۔ چونکہ دوڑنے کے دوران انسان کا سارا وزن پاؤں کی ہڈیوں پر پڑتا ہے اس لیے ان پر سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ جوانی میں تو پتہ نہیں چلتا، لیکن جیسے ہی آدمی بڑھاپے میں قدم رکھتا ہے تو پھر دردیں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ ہڈیاں زیادہ گھس گئی تھیں۔ اصل میں ہڈیوں کے درمیان Lubricating (چکنا رکھنے) کے لیے جو مواد تھا وہ اضافی استعمال ہو گیا۔ لہٰذا اب ڈاکٹروں نے کہنا شروع کر دیا کہ جاگنگ کے بجائے Brisk Walk بہتر ہے۔

یہ Brisk Walk کیا ہے؟ برسک واک ذرا تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ نہ بھاگیں اور نہ ہی سستی سے چلیں، ذرا اچھے اور تیز انداز سے چلنا برسک واک کہلاتا ہے۔ ڈاکٹروں کی ریسرچ کے مطابق یہ برسک واک انسان کے لیے سب سے بہتر ورزش ہے۔

ہم نے جب نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کو دیکھا تو ہمیں یہ مبارک سنت ملی کہ نبی علیہ السلام جب چلتے تھے تو اتنا تیز چلتے تھے کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے پانی اونچی جگہ سے نیچے کی جگہ پر آ رہا ہے۔یعنی جیسے آدمی اونچائی سے نیچے کی طرف آئے تو ذرا تیزی سے آتا ہے، نبی علیہ السلام اسی طرح تیز چلتے تھے۔آج سائنس کی دنیا میں اس کا نام Brisk Walk رکھ دیا ہے۔اسے کہتے ہیں:

''کھوتی مڑ ترکے بوہڑ ہیٹھ۔''

ہلکی پھلکی ورزش اور جدید سائنسی تحقیق:

ایک وقت تھا جب کہتے تھے کہ انسان کو صبح سویرے اٹھ کر ورزش کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے لوگوں نے اپنے گھروں میں ورزش مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔مرد بھی اور عورتیں بھی ورزش کرتے۔عورتیں بھی گھروں میں دوڑ لگاتی تھیں۔

لیکن سائنس نے اب کچھ اور کہنا شروع کر دیا ہے۔سائنس کہتی ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے ایک مرتبہ اگر آپ اپنے جسم کو زیادہ ورزش کروائیں گے تو اس سے زیادہ توانائی ضائع ہوتی ہے،اس سے زیادہ بہتر ہے کہ آپ وقفے وقفے سے ہلکی پھلکی ورزش کریں، کیونکہ ورزش کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل کی دھڑکن جو عام طور پر 70 ہوتی ہے، وہ ورزش کی وجہ سے بڑھ جائے اور اس کو 120 تک پہنچایا جائے۔120 تک محفوظ ہوتی ہے۔اگر 120 سے بھی اوپر چلی جائے تو پھر انسان پر اس کا مضر اثر ہو سکتا ہے۔اگر 150 سے اوپر چلی جائے تو اور زیادہ اثر ہو سکتا ہے۔اور 170-160 پر ہارٹ پرابلم شروع ہو سکتا ہے۔تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اتنی ورزش کی جائے کہ دل کی دھڑکن 120 تک چلی جائے۔

ہمارا دل ایک پمپ کے مانند ہے۔ یہ پمپ خون سپلائی کرتا ہے۔ جب اس کی قوت بڑھ جائے گی، 70 کے بجائے 120 ہو جائے گی تو خون کا بہاؤ بڑھ جائے گا۔ جب خون کا بہاؤ بڑھے گا تو ہمارے جسم کی شریانوں کے اندر اگر کہیں کوئی رکاوٹ ہے تو یہ بہاؤ اس کو بہا کر لے جائے گا اور بالآخر ہمارا سسٹم ٹھیک کام کرے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جیسے پائپ بند ہو جائیں تو اس میں پیچھے سے ذرا پریشر کے ساتھ پانی ڈال دیتے ہیں اور وہ رکاوٹ ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہی Fluid mechanic (بہاؤ کا میکینزم) ہمارے جسم میں بھی کام کر رہی ہے۔ تو ہماری شریانوں میں جہاں جہاں رکاوٹ ہوتی ہے، جب ہمارے دل کی دھڑکن 120 ہو جاتی ہے تو خون کا بہاؤ اتنا ہو جاتا ہے کہ خون کا وہ بہاؤ ساری رکاوٹ کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا اتنی ہلکی ورزش کرنی چاہیے کہ آدمی کے دل کی دھڑکن 120 تک چلی جائے۔ اور 120 تک تو معمولی سی ورزش سے بھی چلی جاتی ہے۔ اس لیے ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ ایک وقت میں بھاری ورزش کرنے کے بجائے مختلف اوقات میں ہلکی پھلکی ورزش کر کے اپنے جسم کے اندر جو بھی رکاوٹ یا بندش ہے اس کو ختم کر لو، یہ ایک بہتر طریقہ ہے۔

ہمارے ایک دوست جاپان گئے، وہاں کچھ ڈائریکٹرز کے ساتھ ان کی میٹنگ تھی۔ وہ میٹنگ میں ایک دو گھنٹے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب ہم ایکسرسائز کے لیے پانچ منٹ کا وقفہ کریں گے۔ وہ حیران ہوئے۔ دیکھا کہ جاپانی اپنی کرسیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر ہاتھ اوپر نیچے کرنے لگے اور انہوں نے ہلکی پھلکی ورزش کر لی۔ اور اس کے بعد وہ دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر دو تین گھنٹے میٹنگ رہی اور اس کے بعد انہوں نے پھر اسی طرح ایکسرسائز کے لیے وقفہ کیا۔ چونکہ وقفے وقفے سے سارا دن

میٹنگ چلنی تھی اس لیے انہوں نے چار مرتبہ اس طرح ہلکی پھلکی ورزش کی۔

کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ماڈرن ریسرچ ہے کہ دن میں ایک ہی مرتبہ بھاری ایکسرسائز کرنے کے بجائے دن میں کئی مرتبہ ہلکی پھلکی ورزش کر لی جائے تو انسان کا جسم زیادہ صحت مند رہتا ہے اور اس کی زندگی لمبی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے دل میں سوچا کہ یہ بے چارے دن میں چار پانچ مرتبہ ایکسرسائز کے بجائے، اگر کلمہ پڑھ کر دن میں پانچ مرتبہ نماز ہی پڑھ لیتے تو ان کی یہ ایکسرسائز تو خود بخود ہی ہو جاتی۔ واقعی! ہم جو دن میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ہمارے کتنے ہی مسلز کی ایکسرسائز خود بخود ہو رہی ہوتی ہے۔ ہمیں یہ نعمت اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی وجہ سے خود بخود مل رہی ہوتی ہے۔ اللہ اکبر کبیرا!

رؤیتِ ہلال اور جدید سائنسی ترجیحات:

اب میں آپ کو زیادہ سائنسی بات بتا دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کا زیادہ سائنسی ذوق بھی ہو...... رمضان شریف کے روزوں کے بارے میں نبی علیہ السلام کی ایک حدیث مبارکہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ)) (ترمذی، حدیث: ٦٨٤)

''تم جب چاند کو دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند کو دیکھو تو پھر افطار کرو۔''

آج کل چاند کو دیکھنے کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں دو گروہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جب ہم چاند دیکھیں گے تب ہم روزہ رکھیں گے۔ اور جب چاند کو دیکھیں گے تب عید منائیں گے۔ مسلمانوں کا ایک دوسرا نیا گروہ بھی ہے، وہ ماڈرن طبقہ ہے، وہ سائنس پڑھنے والے مسلمان ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آج تو انسان چاند پر پہنچ چکا

ہے، لہٰذا ہمیں پورے سال کا شیڈول بنالینا چاہیے کہ کس دن چاند نظر آئے گا پھر اس کے مطابق ہمیں عمل کر لینا چاہیے، چنانچہ آج کے دور میں چاند دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس بات پر اب عمل بھی ہو رہا ہے۔ کچھ ملکوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے وہ بتا دیتے ہیں کہ فلاں دن تراویح ہوگی اور فلاں دن عید کی نماز پڑھی جائے گی۔

اس لیے باہر ملکوں میں دو طرح کی عیدیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چاند کو دیکھ کر عید پڑھیں گے اور چاند کو ہی دیکھ کر روزے رکھیں گے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے سائنس پڑھی ہوئی ہے، ہم تو سائنس دان بن چکے ہیں، کمپیوٹر میں انجینئرنگ کر لی ہے، فلاں ڈگری بھی حاصل کر لی ہے اور فلاں بھی، ہمیں تو اعداد و شمار سے ہی پتہ چل جاتا ہے، اس لیے ہم پہلے سے ہی پیشین گوئی کر لیتے ہیں، پھر اسی کی بنیاد پر اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں دن رمضان شریف ہوگا اور فلاں دن عید ہوگی۔

ایک مرتبہ ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ستائیس میڈیکل ڈاکٹرز موجود تھے۔ ان کے درمیان مجھے بیان کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی مہربانی کی کہ بعد میں وہ سب ڈاکٹر سلسلے میں بیعت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگیاں بھی بدل دیں۔

وہاں پر یہی رؤیت ہلال کی بحث چل پڑی۔ پھر وہ ڈاکٹرز کہنے لگے کہ اچھا! ہم حضرت صاحب سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا: حضرت! آج کے دور میں چاند دیکھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم اعداد و شمار بھی کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا: بھئی! نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ))

''تم جب چاند کو دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند کو دیکھو تو افطار کرو۔''

اس لیے ہمارے سامنے تو ایک سیدھا سا اصول ہے کہ ہم اس حدیث پر عمل کیا کریں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر صاحب جو قرآن مجید کی کچھ زیادہ ہی فہم رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ آج کے دور میں بھی آپ یہ بات کر رہے ہیں، حالانکہ آپ نے انجینئرنگ بھی کی ہوئی ہے۔کیا آج بھی چاند دیکھنے کی ضرورت ہے؟ آج تو بندہ پہلے ہی پیشین گوئی کر سکتا ہے، جب چاند پر انسان پہنچ چکا ہے تو کیا اس کو پتہ نہیں کہ چاند نظر کب آئے گا؟

پھر میں نے اس کو حقیقت سمجھائی۔ میں نے کہا: ہمارے سامنے کچھ عرصہ پہلے یہ مسئلہ آیا تھا، ہم نے کہا کہ ہم خود اس کے بارے میں ریسرچ کرتے ہیں، تا کہ ہمیں پتا چلے کہ حقیقت کیا ہے۔

جب چاند کے دن پورے ہو جاتے ہیں تو ایک آخری دن ایسا آتا ہے کہ جب چاند نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔اس کو جب دیکھیں تو وہ ان دنوں میں سیاہ ہو چکا ہوتا ہے، نظر ہی نہیں آتا۔سائنس کی ٹرمینالوجی (اصطلاح) میں اسے .Birth of new moon (نئے چاند کی پیدائش) کہتے ہیں۔اس کو سمجھنے میں ہمارے کئی دوست غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ Cresent (ہلال) کو نیا چاند کہہ دیتے ہیں۔سائنس کی زبان میں وہ نیا چاند نہیں۔ ہلال اور نئے چاند میں فرق ہے۔ جب چاند گھٹتے گھٹتے نظر آنا بند ہو جاتا ہے تو اس کو Birth of new moon. کہتے ہیں۔پھر اس کے سترہ یا بیس گھنٹوں کے بعد وہاں چاند نظر آ سکتا ہے۔اس کو ہلال کہتے ہیں۔ہم اس Crest (ہلال) کو دیکھ کر عید مناتے ہیں۔New moon (نئے چاند) کو دیکھ کر نہیں مناتے۔تو یہ ایک سائنسی مغالطہ ہے جو ہمارے لکھے پڑھے حضرات کو لگ جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جی! سائنس دانوں نے کہہ دیا ہے کہ اب

Birth of new moon (نئے چاند کی پیدائش) ہوچکی ہے۔لہٰذا نظر آجائے تو بھی عید پڑھو اور نظر نہ آئے تو بھی عید پڑھو۔ او خدا کے بندو! سمجھنے کی کوشش کرو کہ سائنس دان Birth of new moon کس کو کہہ رہے ہیں؟ جب چاند بالکل نظر آنا بند ہوجائے۔کبھی کبھی چاند کی پیدائش کے بیس گھنٹے ہوتے ہیں۔اور کبھی کبھی بارہ چودہ گھنٹے بھی ہوتے ہیں۔اس دوران یہ چانس بھی ہوتا ہے کہ چاند نظر آجائے اور یہ چانس بھی ہوتا ہے کہ نظر نہ آئے۔ایسی صورت میں سائنس دان پھنس جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایسی ہی صورت حال تھی اور قدرتاً میں اس وقت امریکہ میں تھا۔ ہمیں تو وہاں ایک ایک منٹ میں تین تین کالیں آرہی ہوتی ہیں کہ حضرت! بتائیں کہ چاند نظر آئے گا کہ نہیں، اگر چاند نظر آگیا تو ہم روزہ رکھیں گے اور نظر نہ آیا تو ہم روزہ نہیں رکھیں گے۔ان کو ہم جواب دیتے ہیں کہ ہم چاند دیکھنے کی کوشش کررہے ہیں۔آپ بھی کوشش جاری رکھیں، تاکہ سنت پر بھی عمل ہوجائے اور ہم Space Museum (خلائی عجائب گھر) سے بھی معلومات لیتے ہیں۔

واشنگٹن میں بہت سارے عجائب گھر ہیں۔انہیں mithsonion series of museums کہتے ہیں۔دنیا ان کو دیکھنے کے لیے جاتی ہے۔ان میں سے ایک Space Museum (خلائی عجائب گھر) بھی ہے۔وہاں ایک ایسا ڈیپارٹمنٹ ہے جہاں خلا کے اندر چوبیس گھنٹوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

میں نے وہاں سے سپیس میوزیم میں فون کیا اور وہاں پر بیٹھے ہوئے بندے سے میں نے خود بات کی۔میں نے اس سے کہا کہ میں امریکہ میں فلاں جگہ پر ہوں، کیا اس وقت مجھے Crest (ہلال) نظر آسکتا ہے۔اس نے جواب دیا کہ نظر آنے کے چانسز ہو

سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ میں نے کہا: کیا مطلب؟ اس نے مجھے ایک موٹی سی بات سمجھائی کہ چاند اپنے جس مدار کے اندر چل رہا ہے اس کا وہ مدار ایک لائن کی طرح نہیں، بلکہ یوں سمجھیں کہ پانچ سو کلومیٹر موٹا ٹائر ہے اور اس کے اندر چاند کہیں سے بھی گزر سکتا ہے۔ یعنی قریب سے بھی گزر سکتا ہے اور دور سے بھی گزر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو یوں سمجھیں کہ وہ مدار کسی دھاگے کی طرح نہیں ہے، بلکہ وہ مدار کئی کلو میٹر موٹا ہے۔ اس میں چاند بالکل دائرے کی شکل میں نہیں چل رہا، لہٰذا قریب سے بھی گزر سکتا ہے اور دور سے بھی گزر سکتا ہے۔ اس لیے کہ

- چاند کے اپنے اندر زلزلے بھی آتے ہیں،
- چاند کے اپنے اندر کئی پراسیس ہو رہے ہوتے ہیں،
- یوں سمجھیں کہ ایٹم بم چل رہے ہوتے ہیں۔

لہٰذا چاند کی پوزیشن مختلف ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چاند نظر آئے گا یا نہیں آئے گا۔

ان کی ایک Naval Observatory (بحریہ کا تحقیقاتی ادارہ) ہے۔ بحریہ والوں کو چاند کی گردش کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ چاند کی چودہ تاریخ کو High Tide (جوار بھاٹا) ہوتا ہے۔ High Tide سے کیا مراد ہے؟ کہ اس تاریخ کو سمندر کے اندر بہت ہی زیادہ مد و جزر ہوتی ہے۔ اس لیے جہاز رانوں کو پتا ہونا چاہیے کہ High Tide کب ہوگی اور Low Tide کب ہوگی۔ لہٰذا وہ چاند کی گردش کے بارے میں معلومات لیتے رہتے ہیں۔ لہٰذا آج دنیا کہتی ہے کہ

We trace each inch of the trajectory of moon.

''ہم چاند کے راستے کے ایک ایک انچ کو ٹریس کرتے ہیں۔''

اس لیے ہمارے پاس چاند کے بارے میں ہر وقت صحیح اور تازہ ترین معلومات ہوتی ہیں۔ میں نے اس بحریہ کے تحقیقاتی ادارے میں خود فون ملایا۔ وہاں پر ایک خاتون تھی۔ اس نے کہا کہ ہمارے کمپیوٹر سیکشن میں آپ کو اس کا جواب مل سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے کمپیوٹر سیکشن میں رابطہ کیا۔ وہاں بھی ایک خاتون انجینئر بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں فلاں جگہ سے بول رہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آج میں اپنی آنکھوں سے چاند دیکھوں۔ اب آپ بتائیں کہ سپر کمپیوٹر کے مطابق اس کے کتنے چانسز ہیں؟ اس نے کہا: جی! ہم بتا نہیں سکتے، کیونکہ آج اس مہینے میں ایسا معاملہ ہے کہ چاند نظر آ بھی سکتا ہے اور نظر نہیں بھی آ سکتا۔ میں نے کہا: وہ کیوں؟ اس نے مجھے ذرا اور زیادہ تفصیل سے بات سمجھائی۔

وہ کہنے لگی: دیکھیں! ہم جب چاند کی Trajectory (راستے) کو ماپتے ہیں تو ہمارے پاس بظاہر کوئی چیز نہیں ہوتی، ہمارے پاس ایک Mathematical model (ریاضیاتی ماڈل) بنا ہوا ہے جسے ہم Mathematical simulatro کہتے ہیں۔ وہ ایکواشنز ہیں۔ وہ Mathematical equations (حسابی مساوات) کتنی ہیں؟ وہ 10000 ایکواشنز ہیں ان کو ہم کیلکولیٹ کر کے بتا سکتے ہیں کہ اس وقت چاند کہاں ہوگا۔ لیکن اس میں six thousand (6000 vriables متغیرات) ہوتے ہیں، جو لوگ Mathematics (ریاضی) پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کچھ Constants (مستقل مقداریں) ہوتی ہیں اور کچھ Variables (متغیر مقداریں) ہوتی ہیں، اس خاتون نے کہا کہ ان ایکواشنز میں چھ ہزار متغیر مقداریں ہیں اور کسی ایک Variable (متغیر مقدار) کے Vary (متغیر) ہونے سے چاند کی لوکیشن میں فرق پڑ سکتا ہے۔ وہ کہنے لگی: جب چاند کی Trajectory (راستے) میں چھ ہزار Variables (متغیر مقداریں) ہیں تو کون گارنٹی سے کہہ سکتا ہے کہ چاند اس وقت یہاں ہوگا؟ لہٰذا ہم سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتے،

باوجود اس کے کہ ہم چاند پر پہنچ چکے ہیں۔لہٰذا یہ تو بندہ دیکھ کر ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔

میں نے کہا: قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کی سنت پر، جو لوگ سائنس دان بن کر چاند پر پہنچ چکے ہیں وہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ چھ ہزار متغیر مقداروں میں سے کسی ایک میں بھی فرق آ جائے تو چاند کی لوکیشن میں فرق پڑ سکتا ہے۔لہٰذا ہم ایکوایشنز پر اعتماد نہیں کر سکتے۔اگر فیصلہ کرنا ہوگا تو ہمارے پاس اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہم ظاہر میں دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ

((صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ))

''تم جب چاند کو دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند کو دیکھو تو افطار کرو۔''

معلوم ہوا کہ اتنی ریسرچ کے باوجود:

''کھوتی مڑ تڑ کے بوہڑ ہیٹھ''

جب بحریہ والوں نے بھی کہہ دیا کہ ہم نہیں کہہ سکتے، یہ تو دیکھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا تو میں نے کہا کہ پھر میرے آقا ﷺ کی بات سچی ہوئی۔ پتا چلا کہ ہم سائنس میں جتنا بھی آگے چلے جائیں بالآخر میرے آقا اور میرے سردار ﷺ کی ہی باتیں سچی اور پکی ہوں گی اور ہمیں بالآخر گھٹنے ٹیکنے ہوں گے اور ان چیزوں کو قبول کرنا ہوگا۔

عزیز نوجوانو! اگر ہم سائنس پڑھنے والے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم سنت پر سائنس کے نکتۂ نظر کے مطابق بھی سوچ بچار کیا کریں اور نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کے فائدے ہم لوگوں کے سامنے کھولیں، تاکہ سنت کو چھوڑ کر زندگی گزارنے والے ذوق اور شوق سے سنتیں اپنائیں۔وہ دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور ان کا آخرت کا بھی نقصان ہوتا ہے۔اس نقصان پانے والی انسانیت کا فائدہ سوچیے اور اس کو سنت کے راستے پر لگانے کی کوشش کیجیے۔ جو آدمی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے اور اس کو سائنس کی روشنی نہیں پہنچ

سکی، اس کو دنیا تو فائدہ نہیں پہنچا سکی، مگر میرے محبوب ﷺ کی مبارک سنتوں نے اسے بھی فائدہ پہنچا دیا۔ اگر وہ پہاڑ کی چوٹی پر رہ کر سنت پر عمل کر رہا ہے، گویا اس کو وہاں بھی فائدہ مل رہا ہے۔ محسنِ انسانیت کے طریقوں میں انسانیت کے لیے فائدے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کر کے اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہو جائیں اور دنیا کے فائدے بھی پا جائیں۔

نمازوں کی رکعتیں اور سائنسی توجیہات:

جب آدمی رات کو سوتا ہے تو اس کی نبض کی رفتار بھی کم ہو جاتی ہے اور جب صبح اٹھتا ہے تو اس کے جسم میں شوگر لیول بھی ڈاؤن ہوتا ہے۔ اس کا بلڈ پریشر بھی کچھ ڈاؤن ہوتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر شوگر والوں کو کہتے ہیں کہ صبح اٹھ کر آپ اپنا شوگر لیول چیک کریں کہ کتنا ڈاؤن ہو چکا ہے۔ جب صبح کے وقت اس کا کولیسٹرول لیول ہی ڈاؤن تھا اور شوگر لیول بھی ڈاؤن تھا تو اس ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایکسر سائز کرنے کا حکم دیا۔ جس کو فجر کی نماز کہتے ہیں۔ اس نماز کی رکعتیں کتنی بنائی گئیں؟ چار رکعتیں یعنی مختصر سی۔ کیوں؟ اس لیے کہ لیول پہلے ہی ڈاؤن ہے۔ لہٰذا زیادہ ایکسر سائز کرنے کی ضرورت ہی نہیں، لیکن جب دن ہوا تو اب ہم نے ناشتہ بھی کر لیا، پھر دوپہر کے وقت ماشاء اللہ ٹکا کے دوپہر کا کھانا بھی کھایا۔ جب وہ دوپہر کے کھانے کے بعد شوگر لیول اور کولیسٹرول لیول اوپر چلا گیا تو رب کریم نے ظہر کی رکعتیں بھی کتنی بنا دیں؟ بارہ رکعتیں۔ اس لیے کہ بھئی! اب چار رکعتوں سے تیرا کام نہیں بنے گا۔ تو نے ٹکا کے کھایا ہے، اوپر سے فانٹا کا جام بھی چڑھایا، پھر آئس کریم کا کپ بھی کھایا، لہٰذا اب چار رکعتوں کے بجائے بارہ رکعتوں سے تیرا کام بنے گا۔ اس لیے تم اب بارہ رکعتیں پڑھو۔ چنانچہ ہم نے جب بارہ رکعتیں پڑھ لیں تو ہمارا کولیسٹرول لیول اور شوگر لیول اور بھی ڈاؤن ہو گیا۔

عصر کے وقت کے لیے بارہ رکعتوں کی ضرورت نہیں، بلکہ چار رکعتوں سے بھی کام بن سکتا ہے۔ باقی چار آپشنل کہہ دی گئیں۔ یعنی چار تو فرض ہیں اور باقی چار سنت غیر مؤکدہ ہیں، اگر پڑھ لیں تو اس میں تمہارا فائدہ ہے اور اگر نہیں پڑھو گے تو تمہاری مرضی ہے۔ تمہیں ان کو چھوڑنے کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا عصر کے وقت کی ایکسرسائز بھی تھوڑی کر دی گئی۔

اس نماز کے بعد ہم چائے پیتے ہیں اور تھوڑے بہت بسکٹ کھاتے ہیں، اسے عصرانہ کہتے ہیں۔ پھر مغرب کی نماز میں سات رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اب رکعتیں کیوں بڑھا دی گئیں؟ اس لیے کہ تم نے چائے پی اور انگلش بسکٹ کھائے۔ جس سے تمہارا کولیسٹرول لیول اتنا اونچا ہو گیا کہ اب تمہیں پہلے کی نسبت زیادہ ایکسرسائز کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اب سات رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

مغرب کے بعد ہم نے پھر ڈنر لیا، اس میں دوستوں کو بھی بلایا اور ڈٹ کے کھایا۔ لہٰذا پروردگار نے عشاء کی نماز کی سترہ رکعتیں کر دیں...... کیوں بھئی! دوپہر کا کھانا کھایا تھا تو بارہ رکعتیں اور رات کا کھانا کھایا تو سترہ رکعتیں...... اس لیے کہ دن کی بارہ رکعتیں پڑھنے کے بعد بھی ہم نے جاگنا تھا اور کام کرنا تھا اور کولیسٹرول لیول اور شوگر لیول کم ہونے کا موقع موجود تھا، مگر اب تو تم نے کھا کے سو جانا ہے، لہٰذا تمہیں اضافی کام کرنا پڑے گا۔ پروردگار نے ہماری صحت کا خیال رکھا۔

رمضان المبارک میں ہم سارا دن روزے کے ساتھ رہتے ہیں اور جب افطاری کا وقت آیا تو ہم نے خوب کھجوریں بھی کھائیں، اور خوب روح افزا بھی پیا، خوب کباب بھی کھائے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ لہٰذا پیٹ بھر کر کھانے کے بعد پروردگار نے فرمایا: تم نے بھوکے رہنے کے بعد اب کسر نکالی ہے، لہٰذا اب سترہ رکعتوں سے بھی کام نہیں

بنے گا۔اب بیس رکعتیں اور بھی پڑھنی پڑھیں گی، کیونکہ تمہارا کولیسٹرول لیول اور شوگر لیول بہت زیادہ ہائی چلا گیا ہے۔اب تمہیں اضافی محنت کرنی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ ایک بندہ اپنے گھر سے باہر سفر پر چلا۔جب بندہ سفر پر جاتا ہے تو بھاگ دوڑ کر رہا ہوتا ہے۔کبھی ادھر اور کبھی ادھر ایکسر سائز ہوتی رہتی ہے۔ اس ایکسر سائز میں شوگر لیول تو پہلے ہی ڈاؤن ہوتا ہے۔پروردگار جانتے ہیں کہ اس کا شوگر لیول اور کولیسٹرول لیول ڈاؤن ہے، لہٰذا مسافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت معاف اور نماز ہاف (آدھی) کردی۔

معلوم ہوا کہ پروردگار نے ہمیں جو بھی حکم دیا اس میں ہم انسانوں کا ہی فائدہ ہے۔ لہٰذا اگر ہم نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرتے چلے جائیں گے تو ہمیں خود بخود فائدے ملتے چلے جائیں گے۔چاہے ہمیں پتہ ہو یا نہ پتہ ہو۔یہ دنیا ٹھوکریں کھاتی پھرے گی اور بالآخر ریسرچ کر کے جس منزل پر پہنچے گی، یہ وہی جگہ ہو گی جہاں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے مبارک نشان ہوں گے

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

بڑے بڑے سائنس دان ریسرچ کرنے کے بعد بالآخر کہاں پہنچیں گے؟اس جگہ پر جہاں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہو گی۔تو کھوتی نے مڑ تڑ کے کہاں پہنچنا ہے؟ اس بڑ کے درخت کے نیچے۔اللہ تعالیٰ ہمیں پہلے ہی اس شجرۂ طیبہ کا سایہ عطا فرما دے اور نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں والی زندگی عطا فرما دے، تاکہ ہم دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں۔

